یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

٧٨٦

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے پارہ ۲۵ تا پارہ ۳۰ کی تصحیح کی۔ اب اس کے متن میں کوئی کمی بیشی یا کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ

فقط حافظ عبدالرؤف

حافظ عبدالرؤف پروف ریڈر

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر القرآن

جلد پنجم

اِلَيْهِ يُرَدُّ ۲۵ سے عَمَّ ۳۰ پارہ

مُفسّر

حضرت ادیب اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

ناشر : شمیم بک ڈپو، ناظم آباد نمبر ۲۔ کراچی نمبر ۱۸

مطبع : ایلیٹ پبلشرز لمیٹڈ، کراچی

کتابت : محمود بن الماس رقم ، لاہور

سید محمد رضا زیدی کراچی

بار اوّل ــــــــــــــــ ۱۹۸۵ء

ھدیہ : -/۱۰۰ روپے

فہرست

نام پارہ

نام سورہ

ناشر : شمیم بک ڈپو، ناظم آباد نمبر ۲۔ کراچی نمبر ۱۸

مطبع : الیٹ پبلشرز لمیٹڈ، کراچی

کتابت : محمود بن الماس رقم، لاہور

سید محمد رضا زیدی کراچی

بار اوّل ______ ۱۹۸۵ء

ھدیہ : -/۱۰۰ روپے

فہرست

نام پارہ

نام سورہ

معاونین

الحاج ڈاکٹر سید ندیم الحسن صاحب نقوی، بی ایس سی،
ایم بی بی ایس۔
الحاج سید شمیم الحسن صاحب نقوی ایم اے ایل ایل بی سینئر ایگزیکٹو
وائس پریذیڈنٹ بینک آف کامرس اینڈ کریڈٹ انٹرنیشنل لندن۔
سید نسیم الحسن صاحب نقوی بی ایس سی انجینئرنگ، چیف انجینئر
کے ای ایس سی۔
پروفیسر ڈاکٹر ہاشم علی صاحب کاظمی، پروفیسر آف پیتھالوجی سندھ
میڈیکل کالج کراچی۔
الحاج سید کاظم حسین صاحب نقوی اسٹیٹ بینک آف پاکستان کراچی
الحاج پروفیسر مولانا سید عنایت حسین صاحب جلالوی، بانی مجلس
ملی پاکستان۔
سید شبیہ الحسن صاحب ایم اے ایل ایل بی، بی سی سی آئی کراچی
سید عرفان حسن صاحب زیدی ایم اے، بی ایڈ، ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر
سیدہ پروین دولت صاحبہ، ذاکرہ ادیب آگرہ (دختر ادیب اعظم)
ڈاکٹر مس نازنین دولت پی ایچ ڈی اسسٹنٹ پروفیسر
کراچی یونیورسٹی۔
ڈاکٹر سید خاقان حسن صاحب سینئر ریسرچ آفیسر پی سی ایس آئی آر کراچی
سید عالیجاہ حسین صاحب ایم ایس سی ،ایم ایس سی پی (امریکہ)
پروفیسر سید قسیم الحسن صاحب نقوی بی ایس سی، بی ای، ایم آئی ای، ایم ایس
(یو ایس اے) پرنسپل گورنمنٹ کالج آف ٹیکنولوجی خیرپور۔
سید علی امجاد صاحب نقوی۔ بی اے، ریٹائرڈ اکاؤنٹس آفیسر
سیدہ رئیس بانو صاحبہ

الحاج سید محمود الحسن صاحب رضوی، ڈپٹی ڈائریکٹر لیبر (افرادی قوت)
الحاج پروفیسر سید غلام عباس صاحب ایم، اے انگلش، ایم ایڈ
مس گلناز زہرا نقوی
ڈاکٹر سید شہنشاہ حسین صاحب، ایم بی بی ایس۔
سید سبطین محمد نقوی، بی اے، یونائیٹڈ بینک
سید جعفر نسیم صاحب، ایم ایس سی۔
مس نسرین عرفان، بی ایس سی، ایم اے، ایم ایڈ۔
خلیفہ سید حسن مہدی صاحب آف لاہور۔
الحاج مولانا سید کاظم نقوی صاحب پرنسپل جامعہ امامیہ کراچی
سید فردوس شمیم صاحب نقوی، بی ای، ایم ایس امریکہ
سید علی شمیم صاحب نقوی
سید مرتضیٰ ندیم صاحب بی کام، بی سی سی آئی۔
غلام حیدر صاحب بی۔ اے۔
سید مجتبےٰ ندیم۔
سید حسن نسیم نقوی صاحب۔
سیدہ صاجبہ خاتون، بی اے
سیدہ گلفام زہرہ بی ایس سی (آنرز)
مس طلعت نقوی، ایم اے
سیدہ شمع زہرہ نقوی، بی اے
سیدہ میمونہ شمیم نقوی
سیدہ ذکیہ نقوی
سید آصف جاہ صاحب ایم ایس سی

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا
وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ
أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُم
مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿٤٨﴾ لَّا
يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ
قَنُوطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ
لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتُ
إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا
عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٠﴾

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف راجع ہوتا ہے (وہی جانتا ہے) اور بغیر اس کے علم و (ارادہ) کے
نہ تو پھل اپنے پودوں سے نکلتے ہیں نہ کسی عورت کو حمل ہوتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے جس دن خدا
ان مشرکوں کو پکارے گا (اور دریافت کرے گا) میرے شریک کہاں ہیں وہ کہیں گے ہم تو تجھ
سے کہہ چکے کہ ہم میں سے کوئی ان سے واقف نہیں اور جن لوگوں کی یہ پرستش کرتے تھے، وہ
پہلے ہی غائب ہو گئے ہونگے اور یہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ اب ان کی رہائی نہیں ہو گی۔ انسان بھلائی
کی دعا مانگنے سے تو کبھی تھکتا ہی نہیں اور اگر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو فوراً مایوس اور نا امید ہو بیٹھتا
ہے اور اگر اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی ہے ہم اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں تو کہنے لگتا ہے یہ تو

میری ہی تدبیر کا نتیجہ ہے۔ میں نہیں خیال کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی جاؤں گا تو میرے لیے یقیناً اس کے یہاں بھلائی ہے اور کافر لوگ جو کچھ کرتے رہے ہیں ہم (قیامت میں) ضرور ان پر ظاہر کر دیں گے اور سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

قیامت کے متعلق بار بار یہ سوال کرتے تھے کہ کب آئے گی۔ ان کو سمجھانے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اس کا علم تو خدا کے سوا کسی کو ہے نہیں۔ وہ تو بہر حال ایک روز آنا ہی ہے۔ بجائے اس کے کہ لوگ اس کا وقت معلوم کریں ان کو اس کے آنے سے پہلے اپنے کو تیار کر لینا چاہیئے۔ جو لوگ خدا کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ قیامت میں ان سے یہ سوال ضرور ہوگا کہ جن لوگوں کو تم خدا کا شریک قرار دیتے تھے بتاؤ اب وہ کہاں ہیں۔ وہ بھلا کیا بتائیں گے وہ تو جہنم رسید ہو چکے ہوں گے۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر یہی کہیں گے، وہ تو ہمیں کہیں نظر نہیں آتے اب ان کے لیے بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔

دنیا میں جو لوگ بداعمالیاں کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ خدا انہیں کہاں دیکھ رہا ہے۔ انہیں آگاہ ہونا چاہیئے کہ جو اتنا جانتا ہے کہ کون سا پھل کس بُور سے نکلنے والا ہے جو یہ جانتا ہے کہ کس ماں کے پیٹ سے کیسا بچہ پیدا ہوگا اور کب وہ جننے گی بھلا وہ تمہارے اعمال سے بے خبر رہنے والا ہے۔ وہ تمہارے ایک ایک عمل پر نظر رکھتا ہے تم کتنا ہی چھُپا کر کوئی عمل کرو اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

اب انسان کی ایک عادت پر روشنی ڈالتا ہے۔ اپنے فائدہ کے لیے دُعائیں مانگنے سے تو انسان (کافر) کبھی تھکتا ہی نہیں۔ کبھی دولت کے لیے دُعا کرتا ہے کبھی صحت کے لیے کبھی اولاد کے لیے۔ غرض دُنیا کے سارے کاموں کے لیے دعائیں مانگتا ہی رہتا ہے۔ لیکن جب کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو رحمتِ خدا سے مایوس و نا امید ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور جب خدا اس کی مصیبت کو دُور کرتا ہے تو کہنے لگتا ہے، دیکھا میری تدبیر کیسی کارگر ہوئی۔ یعنی بجائے خدا کا شکر گزار ہونے کے اپنی کارکردگی کی ڈینگیں مارنے لگتا ہے۔

اور یہی کافر یہ بھی کہنے لگتا ہے کہ قیامت ویامت کوئی نہیں آنے والی اور اگر بالفرض آئے بھی تو خدا ہمارے ساتھ کوئی بُرائی نہ کرے گا بلکہ بہشت میں کوئی اچھی جگہ دے گا۔ یہ کفار جو چاہے خیال کریں اور شیخ چلی کے سے منصوبے بناتے رہیں خدا تو ان کے ایک ایک فعل کو دیکھ رہا ہے۔ قیامت کا دن آنے دو پھر ان کی بداعمالیوں کی وہ سخت سزا دی جائے گی کہ بس یاد ہی کریں گے۔

وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ ﴿۵۱﴾

جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں تو ہماری طرف سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بدل کر چل دیتا ہے اور جب کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو کیسی لمبی چوڑی دُعائیں مانگنے بیٹھ جاتا ہے۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرۡتُمۡ بِهٖ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ هُوَ فِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَـقُّ ؕ اَوَلَمۡ يَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡطٌ ﴿۵۴﴾

(اے رسول) ان سے کہہ دو کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہُوا اور تم اس سے انکار کر بیٹھے تو اس شدید مخالفت کے بعد تم سے زیادہ گمراہ کون ہوگا۔ ہم عنقریب ہی اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور خود اُن کے نفسوں میں بھی دکھا دیں گے یہاں تک کہ ان پر پُوری طرح ظاہر ہو جائے گا کہ قرآن یقیناً حق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر شے پر گواہ ہے۔ آگاہ ہو کہ یہ لوگ خدا کے سامنے حاضر ہونے کے متعلق شک میں پڑے ہُوئے ہیں (اُن کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ) وہ ہر شے پر حاوی ہے۔

جو لوگ بے سوچے سمجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ قرآن خدا کی طرف سے نازل کیا ہُوا نہیں ہے انہیں ذرا اس پر غور کر لینا چاہیئے کہ اگر یہ خدا کی طرف سے ہُوا اور جو کچھ اس میں ہے اس کے متعلق تم سے پوچھ گچھ ہونے لگی تو بتاؤ اس وقت کیا کرو گے۔ یقیناً تمہاری یہ شدید مخالفت تمہیں سب سے زیادہ گمراہ بنا دینے والی ہے اور اس کے لیے جو سخت سزا ہے وُہ تمہیں بھگتنی پڑے گی۔ یہ کفار عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جس دین کو انہوں نے نظر سے گرایا ہے اُس نے دنیا میں اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی لحاظ سے کیسا عظیم انقلاب پیدا کیا ہے اور کس طرح وحشی قوموں کو انسان بنایا ہے اور ان کو اخلاقِ حسنہ کا نمونہ بنا کر دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ خود ان کے نفسوں میں

جو تغیر پیدا ہوگا اُسے بھی جان لیں گے۔ جو لوگ قیامت میں خدا کے سامنے حاضر ہونے کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں وہ سمجھ لیں کہ خدا کا علم ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے وہ ان کے اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔ قیامت میں یہ لوگ اُس کے عذاب سے بچ نہ سکیں گے۔

---

(۴۲) سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ (۶۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٤ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٥ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦

حا۔م۔ع۔س۔ق۔ اے رسول تمہاری طرف اور جو تم سے پہلے رسول آچکے ہیں ان کی طرف عزیز و حکیم خدا یوں ہی وحی بھیجتا رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے وہ بلند مرتبہ اور بڑی شان والا ہے۔ قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں۔ فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ بے شک خدا غفور و رحیم ہے۔ جن لوگوں نے خدا کے سوا اپنے سرپرست بنا رکھے ہیں خدا ان کی نگرانی کر رہا ہے اور تم ان کے نگہبان نہیں ہو۔

کفارِ قریش اپنے اپنے مکانوں میں، جلسوں میں، پرائیویٹ صحبتوں میں حضرت رسولؐ خدا کے متعلق کہا کرتے تھے کہ جو باتیں یہ شخص بیان کرتا ہے ہم نے تو اس سے پہلے کسی سے سُنی ہی نہیں۔ نہ ہمارے باپ دادا نے کبھی ہمارے سامنے ایسے تذکرے کیے۔ یہ سب یونہی باتیں ہیں۔ ان کے جواب میں کہا جا رہا ہے یہ سب جھوٹے ہیں۔ اے رسولؐ، تم سے پہلے جتنے انبیاء و مرسلینؑ آئے ہماری وحی کے مطابق سب ایسی ہی باتیں بیان کیا کرتے تھے جیسی آپؐ بیان کرتے ہیں یہ نئی باتیں نہیں جن پر انہیں تعجب ہو رہا ہے۔ اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ اس نے نہ کبھی کسی سے دب کر بات کی اور نہ حکمت سے خالی اس کی کوئی بات ہوتی ہے۔ یہ آسمان و زمین سب اسی کے ہیں اور ہر جگہ اُسی کی حکومت ہے اس سے زیادہ عظمت والا کوئی ہے ہی نہیں۔

خدا کے متعلق جو کفار جاہلانہ بکواس کرتے ہیں، کبھی کہتے کہ وہ صاحبِ اولاد ہے کبھی کہتے ہیں بت اسکی خدائی میں شریک ہیں کبھی کہتے ہیں فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں۔ کبھی کہتے ہیں وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ اگر آسمان ان کے سروں پر پھٹ پڑے تو بعید نہیں۔ یہ گستاخیاں اس ذاتِ پاک کے متعلق ہیں جس کی حمد کی تسبیح ملائکہ کرتے ہیں۔ اور اہلِ زمین جو گناہ کر رہے ہیں ان کے لیے خدا سے استغفار کرتے ہیں۔ بے شک اگر وہ توبہ کر لیں تو خدا ان کے گناہ بخشنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔

جو لوگ خدا کو چھوڑ کر بتوں کو، درختوں کو، جنات کو، شیاطین کو اور دیوی دیوتاؤں کو اپنا ولی اور سرپرست بنائے ہوئے ہیں اللہ ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ یعنی وہ سب اس کی نظروں میں ہیں اس سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ اے رسولؐ، تم ان کے نگہبان نہیں بنائے گئے بلکہ ان کو عذابِ خدا سے ڈرانے والے اور اچھے کاموں کی ہدایت کرنے والے ہو۔ تم اپنا کام کیے جاؤ ان ظالموں سے ہم نمٹ لیں گے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝٧ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝٨ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝۹

اس طرح ہم نے اے رسول تمہاری طرف قرآن کو عربی زبان میں وحی کیا تاکہ تم مکّہ والوں کو اور جو بستیاں اس کے ارد گرد ہیں ان کے باشندوں کو ڈراؤ اور اس دن (قیامت) سے ڈراؤ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اس دن ایک گروہ جنّت میں جائے گا اور ایک گروہ دوزخ میں اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتا۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کا تو نہ کوئی سرپرست ہے نہ مددگار۔ کیا انہوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز بنائے ہیں حالانکہ (اصلی) کارساز تو خدا ہی ہے وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر شے پر قادر ہے۔

یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ یعنی ان کفّار و مشرکین سے جو آئے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور قرآن کو منزّل من اللہ نہیں جانتے تھے کہا جا رہا ہے کہ یہ قرآن کسی اور زبان میں تو نہیں تمہاری مادری زبان میں ہے جسے تم آسانی سے سمجھ سکتے ہو۔ اور جب ایسا ہے تو اس پر غور کرو کہ وہ تم سے کیا کہہ رہا ہے اور ہمارے رسولؐ تم کو کیا ہدایت کر رہے ہیں۔ یہی ناکہ تم اعمالِ بد سے باز آؤ اور بداخلاقیوں کو ترک کرو ورنہ تم سے قیامت میں باز پرس ہوگی اور جب تم مجرم قرار دیئے جاؤ گے تو تم کو جہنّم میں جھونک دیا جائے گا۔ رسولؐ اسی سے تو ڈرا رہے ہیں۔ یہ کوئی ایسی گہری اور پیچیدہ بات تو نہیں کہ تمہاری سمجھ میں نہ آتی ہو۔ تمہاری بداخلاقیوں اور ظلم پسندیوں سے جو مصیبتیں تم پر نازل ہوتی رہتی ہیں اور آئے دن آپس میں جنگ ٹھنی رہتی ہے۔ رسولؐ اس سے بچانا چاہتے ہیں۔ یہ قرآن اس کے سدِّ باب کے لیے نازل کیا گیا ہے مگر تم ایسے کوڑھ مغز ہو کہ تمہاری سمجھ میں آتا ہی نہیں۔

تمہیں قیامت کے دن سے ڈرایا جاتا ہے اس دن تم سب خدا کے سامنے جمع ہو جاؤ گے۔ اس دن نیکوں اور بدوں کے درمیان فرق کر دیا جائے گا۔ ایک گروہ کو جو خدا کا نافرمان ہوگا جہنّم میں جھونک دیا جائے گا اور جو گروہ فرمانبردار ہوگا اسے داخلِ جنت کیا جائے گا۔

لوگ یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ جب خدا کو سب کا مسلمان ہونا ہی پسند ہے تو اس نے سب کو ایک ہی دین پر کیوں نہ پیدا کر دیا۔ سب کے سب مسلمان ہی ہوتے تاکہ اہلِ ادیان کے درمیان جو جھگڑے ہیں وہ سب ختم ہو جاتے۔ نہ کسی نبی و رسول کے آنے کی ضرورت ہوتی نہ کسی کتاب کے بھیجنے کی۔ لیکن یہ اعتراض احمقانہ ہے اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کی عقلوں کا امتحان کیسے ہوتا۔ مسلمان تو بن جاتے لیکن خدا کے احکام سے واقفیت انہیں کیسے ہوتی۔ دوسرے اگر اسلام قہری و جبری ہوتا اس کی وقعت کیا ہوتی۔ خدا کی معرفت کا امتحان کیسے ہوتا۔ انسانی

مدارج میں ترقی اور فضیلت کی صورت کیسے پیدا ہوتی۔ تمدّن و معاشرت کی راہیں کیسے نمودار ہوتیں۔ اخلاقی اتار چڑھاؤ کی جانچ پڑتال کیسے ہوتی۔

پیدا تو اس نے سب کو مسلمان ہی کیا ہے لیکن جو مختلف ادیان و مذاہب ہیں اور زندگی گزارنے کی مختلف راہیں ہیں وہ خود انسان ہی کی پیدا کردہ ہیں۔ خدا اپنی رحمت کو اس پر نازل کرتا ہے جو اس کا زیادہ فرمانبردار بندہ ہو کر رہے۔ ظالم و سرکش کا نہ تو خدا ولی و سرپرست ہے اور نہ مددگار، وہ جانے اور اس کے اعمال۔ وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا ایک روز سب کو زندہ کرکے ان کے اعمال کی جانچ پڑتال کرے گا۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِیۡهِ مِنۡ شَیۡءٍ فَحُكۡمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیۡ عَلَیۡهِ تَوَكَّلۡتُ ۖۚ وَاِلَیۡهِ اُنِیۡبُ ۝۱۰ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ۚ یَذۡرَؤُكُمۡ فِیۡهِ ؕ لَیۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝۱۱ لَهٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۝۱۲

تم لوگ جس چیز میں اختلاف رکھتے ہو اس کا فیصلہ خدا ہی کے حوالے ہے۔ وہی خدا تو میرا پروردگار ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور چوپاؤں کے جوڑے بھی اس نے بنائے اور وہی تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔ اس کی مثل کوئی شے نہیں وہ بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ آسمان و زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ وہ جس کا رزق چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور جس کا رزق چاہتا ہے گھٹاتا ہے۔ وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

یعنی اختلافات کی صورت میں ہمارے فیصلے قابلِ وثوق نہیں ہوتے لیکن اصلی فیصلہ کرنے والا خدا ہے

جو ہر معاملہ کی تہ کو پہنچا ہوا ہے۔ تمہارے ہمارے درمیان جو جھگڑا ہے تم میری بات کو نہیں مانتے اور اس میں خواہ مخواہ کی باتیں پیدا کر کے فیصلہ کی کوئی صورت پیدا نہیں ہونے دیتے تو پس میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا خدا ہے وہی میرا رب ہے اسی پر میں نے ہر معاملہ میں بھروسہ کیا ہے اور اب بھی میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور کیوں نہ کروں جبکہ وہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے ہم انسانوں کے بھی جوڑے بنائے ہیں اور چوپاؤں کے بھی تاکہ ہم راحت و آرام سے زندگی بسر کریں۔ اس نے ہم سب کو روئے زمین پر پھیلایا ہے۔ جب اس کی مثل کوئی ہے ہی نہیں تو ہم اسے اپنا معبود کیوں نہ مانیں۔ رزق کے کم و زیادہ کرنے کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ وہ ہر شے کا حال جاننے والا ہے۔

رزق کا کم و بیش کرنا خدا کے اختیار میں ہے

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رزق کو بڑھاتا اور گھٹاتا کیسے ہے۔ اگر قحط کے ذریعہ سے گھٹاتا ہے تو اس میں ہر مومن و کافر سب شریک ہوتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یوں تو رزق دینے کا وعدہ اس نے سب سے کر لیا ہے۔ پیٹ تو وہ سب کا بھرتا ہے۔ یہاں کمی بیشی سے یہ مراد ہے کہ جو لوگ اس کے نافرمان بندے ہیں ان سے ترقیٔ رزق کے ذرائع کو روک لیتا ہے اور اگر نہیں روکتا تو اس ترقی رزق سے جو کارِ خیر ان سے ہوتے ہیں ان کو بے اجر و ثواب قرار دیتا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس رزق میں سے ان کا صرف اتنا ہی حصہ رہتا ہے جتنا عام لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زیادتی رزق سے بسبب کسی مصیبت میں مبتلا ہونے یا کسی بلا میں گرفتار ہونے کے پورا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ تیار کھیتوں کو برباد کر دیتا ہے۔ باغوں کے تیار پھلوں کو تباہ کر دیتا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ
وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ
وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ
يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿١٤﴾

اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس (پر چلنے) کا حکم نوح کو دیا تھا اور اے رسول اس کی ہم نے تمہارے پاس وحی بھیجی اور اس کا ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو حکم دیا تھا۔ وہ یہ ہے، کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ جس دین کی طرف تم مشرکین کو بلاتے ہو وہ ان پر بہت شاق گزرتا ہے خدا جسے چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اُسے اپنی طرف پہنچنے کا راستہ دکھا دیتا ہے اور یہ لوگ متفرق ہوئے بھی تو علم (حق) آنے کے بعد (اور وہ بھی) محض آپس کی ضد میں اور اگر تمہارے رب کی طرف ایک وقتِ مقررہ (قیامت) تک کے لیے وعدہ نہ ہوا ہوتا تو ان میں کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور جو لوگ ان کے بعد کتابِ خدا کے وارث ہوئے وہ اس کی طرف سے بہت سخت شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

وحدتِ ادیان اور صاحبِ شریعت انبیاء

آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوحؑ تک احکامِ الٰہی کے متعلق صحیفے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے رہے جن کے مطابق وہ اپنی اپنی امتوں کو ہدایت کرتے رہے۔ طوفان کے بعد جب دنیا از سرِ نو پھر زمین پر آباد ہوئی تو پہلی شریعت کا نزول حضرت نوحؑ پر ہوا پھر دینِ اسلام کا ایک مکمل قانون کتاب کی صورت میں حضرت ابراہیمؑ کو دیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ پیروانِ حضرت نوحؑ میں سے تھے اور شریعتِ نوحؑ کے علاوہ ان پر صحیفے یعنی وقتی احکام بھی آتے رہے جن سے اس شریعت میں تبدیلی ہوئی اور توریت بصورتِ کتاب حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔ پہلی شریعت میں امت کے ہاتھوں جو تبدیلیاں ہوتی تھیں توریت میں ان کی اصلاح کی گئی۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ پر انجیل نازل ہوئی۔ پھر حضرت رسولِ خدا پر قرآن نازل ہوا جو پہلی تمام شریعتوں کا ناسخ تھا۔ اس کے بعد اب کوئی کتاب قیامت تک آنے والی نہیں اور نہ شریعتِ محمدیہ میں کوئی تبدیلی ہونے والی ہے۔

اس آیت میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ شریعتِ نوحؑ کے بعد شریعتِ محمدی کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ شریعتِ ابراہیمؑ کا ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اوّل و آخر کی دونوں شریعتوں کو بتایا گیا ہے پھر درمیانی شریعتوں کو حضرت ابراہیمؑ کو تمام قومیں مانتی تھیں اس لیے ان کو تیسرا نمبر دیا گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ اور ان کے بعد شریعتِ عیسیٰؑ کا ذکر کیا گیا۔

دین سے مراد شریعت ہے۔ اس پر عمل کے بعد خصوصیت سے اس بات پر زور دیا گیا ہے فرقہ فرقہ نہ ہو لیکن کوئی شریعت ایسی نہیں رہی کہ اختلافات کی بنا پر اس میں فرقہ بندی نہ رہی ہو۔ چنانچہ یہودیوں میں اکہتر فرقے ہوئے۔ عیسائیوں میں بہتر اور مسلمانوں میں تہتر ہو گئے۔

اس فرقہ بندی کا اصلی سبب یہ تھا کہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا ذمہ دار خدا نے جن لوگوں کو بنایا تھا۔ امت والوں نے ان سے احکام کو نہ لیا۔ بلکہ جس نے جس کو چاہا اپنا پیشوا مان کر اس کی اطاعت کا قلاوہ اپنی گردن میں ڈال لیا۔ جب قیادت غیر معصوموں کے ہاتھ میں پہنچ گئی تو احکامِ الٰہیہ کو جیسا جس کے دل میں آیا بدل ڈالا۔ اسلام کو

اسی بے احتیاطی نے تباہ کر دیا۔

آنحضرتؐ کا مشرکین کو خدائے واحد کی طرف دعوت دینا اور بتوں کی عبادت سے منع کرنا مشرکوں کو سخت ناگوار تھا۔ باوجودیکہ آسمانی کتابوں کے ذریعے اور رسولوں کی معرفت امرِ حق ان پر واضح ہو چکا تھا مگر ضد، ہٹ اور شرارت نے اس طرف ان کو آنے نہ دیا اور رسولؐ کی مخالفت پر جمے ہی رہے۔ اگر تمہارے خدا نے ایک وقت (قیامت) ان کے عذاب کے لیے مقرر نہ کر دیا ہوتا تو کب کا ان کی گردن مروڑ کر رکھ دیتا مگر خدا نے ان کو مہلت دے رکھی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کا دین کبھی نہیں بدلا اس کے جو اصول آدمؑ کے وقت میں تھے وہی نوحؑ کے وقت میں رہے۔ وہی موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے وقت میں رہے اور وہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے وقت رہے۔ البتہ شریعتیں بدلتی رہیں۔ توحید۔ رسالت اور قیامت پر ایمان لانا کبھی نہیں بدلا۔ اور شریعت میں جو فطری احکام تھے، وہ کبھی نہیں بدلے۔ زنا کبھی حلال نہیں ہوا۔ مردہ کا گوشت کبھی حلال نہیں ہوا۔ خون پینا کبھی حلال نہیں ہوا وغیرہ وغیرہ جب خدا ایک ہے تو اس کا دین بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔ شریعتوں کے بدلنے کا سبب یہ ہوا کہ امتوں نے اپنی خواہش کے مطابق احکامِ الٰہی کو بنا لیا۔

آخری آیت کے آخری حصہ میں یہ بتایا گیا کہ رسولوں کے بعد جب کتابِ خدا کے وارث کسی امت کے بعد کی نسلیں ہوئیں تو اصلی کتاب ان تک پہنچی ہی نہیں بلکہ علمائے نے جو تصرفات کر لیے تھے ان کے ساتھ پہنچیں۔ اس بنا پر وہ لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ علماء نے اپنی اپنی عقل کے مطابق ترجمے اور تاویلیں کیں جن کی وجہ سے اصل و نقل میں فرق پیدا ہو گیا۔ بلکہ بہت سے لوگوں کے پاس صرف ترجمے ہی رہ گئے اور اصل کتاب غائب ہو گئی۔ جب کلامِ خدا کا اصلی مفہوم غائب ہو گیا تو لامحالہ اس میں شکوک پیدا ہو جانے ہی تھے۔ کتابوں کا ذمّہ دار خدا نے معصوم ہستیوں کو بنایا تھا وہ ایک ایک جملے کے نگہبان ہوتے تھے اور امت کو ہر آیت کا وہی مفہوم بتاتے تھے جو خدا کا تعلیم کردہ ہوتا تھا۔ علماء کو یہ بات کہاں نصیب ہو سکتی تھی۔ جب کلام کے مفہوم میں اختلاف پیدا ہوا تو تفرقہ پیدا ہو جانا یقینی امر تھا۔

دُور کیوں جائیے قرآن ہی کو لیجئے۔ خدا اور رسولؐ نے اس کے سمجھانے کا ذمّہ دار محمدؐ و آلِ محمدؐ کو بنایا تھا۔ رسولؐ نے قرآن کے ساتھ اپنے اہلِ بیتؑ کو کیا تھا۔ اگر اُمّتِ رسولؐ قرآن کی آیات کا مطلب رسولؐ کے بعد ان ہی سے سمجھتی تو ہرگز کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ مگر بدقسمتی سے ایسا ہوا نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دین تہتّر حصّوں میں تقسیم ہو گیا اور کوئی آیت ایسی نہ رہی جس کے مفہوم میں اختلاف نہ ہو۔ آیات متشابہات کی تاویلیں جس نے جو چاہا اپنے دل سے بیان کر دیں حالانکہ یہ حق راسخون فی العلم کا تھا۔

متکلم اپنے کلام کا ایک ہی مفہوم رکھتا ہے نہ کہ دس بیس۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ہر فرقہ اپنے کو حق پر سمجھتا ہے اور اپنی حقانیت کی دلیل قرآن سے بیان کرتا ہے مگر عقلِ صحیح کا فیصلہ تو یہی ہو سکتا ہے کہ تہتّر فرقوں میں سے صرف ایک ہی حق پر ہو سکتا ہے لیکن یہاں تو تہتّر کے تہتّر فرقے ہی ناجی نظر آتے ہیں۔ فرقوں کے باہمی تعصب اور

ضد نے اس اختلاف کو اور زیادہ ہوا دی ہے۔ اور دین میں فی سبیل اللہ فساد ہر طرف اپنا رنگ بکھیرتا چلا جاتا ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ ﴿١٥﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِى السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٨﴾

(اے رسول) تم لوگوں کو اس دین کی طرف بُلاتے رہو اور جیسا تم کو حکم ہوا ہے اس پر قائم رہو۔ اور ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور (صاف صاف) کہدو کہ جو کتاب خدا نے نازل کی ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے معاملات میں عدل سے کام لوں۔ خدا ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔ تم میں اور ہم میں حجّت و تکرار کی ضرورت نہیں۔ خدا ہم سب کو قیامت میں اکٹھا کرے گا اور اس کی طرف ہی سب کی بازگشت ہے۔ جو لوگ خدا کو مان لینے کے بعد اس کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں

ان کے رب کے نزدیک ان کی دلیل لغو و باطل ہے اور ان پر خدا کا غضب اور سخت عذاب ہے۔ اللہ خدا ہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی اور عدل و انصاف (بھی نازل کیا) اور تم کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی ہو (پھر غفلت کیسی)۔ جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے، وہ تو اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں (اور جانتے ہیں کہ قیامت یقینی اور برحق ہے)۔ خبردار جو لوگ قیامت کے بارہ میں شک کیا کرتے ہیں وہ پرلے درجہ کی گمراہی میں ہیں۔

پہلی آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دن ولید بن مغیرہ حضرتؐ سے کہنے لگا کہ اگر آپؐ اپنے دین سے پھر جائیں تو میں اتنی دولت آپؐ کو دے دوں گا کہ سنبھالے نہ سنبھلے اور شیبہ بن عتبہ نے کہا کہ میں اپنی خوبصورت بیٹی تمہیں بیاہ دوں گا۔

خدا فرماتا ہے اے رسولؐ، تم ان کافروں کی بکواس پر کوئی توجہ نہ کرو اور اپنا کام کیے جاؤ۔ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ۔ اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے سیدھے کھڑے رہو۔ یہ آیت سورۃ ہود میں بھی ہے۔ حضورؐ نے ایک روز فرمایا شَيَّبَتْنِىْ سُوْرَةُ هُوْدٍ۔ سورۂ ہود نے مجھے بڈھا کر دیا۔ لوگوں نے عرض کی، یہ کیسے؟ فرمایا اس میں مجھے حکم دیا گیا ہے وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ۔ پس معلوم ہوا صراطِ مستقیم پر اس طرح قائم رہنا کہ نہ بال برابر قدم نیچے ہو نہ اوپر۔ کتنا مشکل مرحلہ ہے۔ صراطِ مستقیم دو نقطوں کے بیچ کا ایک سیدھا خط ہوتا ہے۔ (•——•)۔ اس کے اوپر نیچے جتنے خط نکلیں گے وہ ٹیڑھے ہی ہوں گے اور درمیانی خط سے زیادہ لمبے بھی۔ مثلاً شجاعت ایک درمیانی خط ہے اگر اس سے بال برابر بھی نیچے اترے گا تو بزدلی میں شمار ہوگا اور اگر بال برابر بھی اس سے اوپر ہوگا تو تہوّر یا اُجڈ پن ہو جائے گا۔ خدا نے اس کی تصدیق کر دی کہ رسولؐ خدا صراطِ مستقیم پر ہیں۔ سورۂ یٰسٓ میں فرماتا ہے یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اے سیّدؐ، قرآن حکیم کی قسم تم مرسلین میں سے ہو اور صراطِ مستقیم پر ہو)۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ۔ (اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو)۔ کفار و مشرکین کی خواہشیں مختلف قسم کی تھیں۔ کبھی کہتے تھے ہمارے دین میں آجاؤ تو جو کہو ہم دینے کو تیار ہیں۔ کبھی کہتے تھے ہمارے بتوں اور ہمارے باپ دادا کو برا کہنا چھوڑ دو۔ کبھی کہتے تھے اس کا اقرار کرو کہ قرآن تمہارا گڑھا ہوا ہے۔ کبھی کہتے تھے اپنے دین کی علانیہ تبلیغ چھوڑ دو تو ہمارے تمہارے درمیان صلح ہے۔ خدا فرماتا ہے، اے رسولؐ تم ان کی خواہشوں کی طرف کوئی توجہ نہ کرو اور ان سے کہو میرا ایمان تو بس انہی باتوں پر ہے جو خدا نے قرآن میں نازل کی ہیں اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان جو جھگڑے ہوں اُن کا فیصلہ انصاف سے کر دوں بے رو رعایت۔

جو اللہ میرا ہے وہی تمہارا ہے۔ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں میرے اعمال میرے ساتھ ہیں پھر میرے

اور تمہارے درمیان جھگڑا کیسا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اگر تمہاری سمجھ میں آجائے تو قبول کر لو، نہ سمجھ میں آئے تو چھوڑ دو۔ مجھے اور تمہیں سب کو ایک دن خدا کے سامنے پیش ہونا ہے وہاں تمہارے اعمال کی پوچھ گچھ ضرور ہونی ہے پس اس کے جواب کے لیے تیار ہو جاؤ۔

جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور آنحضرتؐ کی دعوتِ اسلام قبول کر چکے تھے مشرکین کا ان سے جھگڑا کرنا بے دلیل اور عبث و لغو تھا۔

اللہ نے حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل کی اور اس میں جو شریعت رکھی ہے وہ ایک میزان کی مانند ہے جو ہر عمل کو تول کر ٹھیک ٹھیک بتا دیتی ہے کہ کوئی عمل کس وزن کا ہے اس کے اندر ایسے قواعد ہیں جو حق کو باطل سے الگ کر کے بھی دکھاتے ہیں اور ہر عمل کی حیثیت بھی بتا دیتے ہیں۔

قیامت کو قریب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو یہ سمجھ کر زندگی بسر کرنی چاہیئے گویا قیامت اس کے سر پر کھڑی ہے۔ کون جانتا ہے کس وقت موت آجائے۔ گویا اس کے لیے وہی قیامت ہے پھر وہ کسی عمل کے کرنے کے قابل نہ ہوگا۔ جو لوگ قیامت کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں وہ سخت گمراہی میں ہیں۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

ع ۲

اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جسے "جتنا" چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ زبردست اور غالب ہے۔ جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہے ہم اس کی کھیتی میں زیادتی کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اُسے اسی میں سے دیں گے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصّہ نہ ہوگا۔ کیا ان لوگوں

کے بنائے ہوئے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔ اگر فیصلہ کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو ان میں اب تک فیصلہ کر بھی دیا جاتا۔ سرکشوں کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔

جہاد میں شریک ہونے والے دو قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ اوّل وہ جو دینِ خدا کی حمایت اور خوشنودئ خدا کی خاطر سر بکف ہو کر دشمنوں سے لڑتے تھے ان کا کوئی ذاتی مقصد نہ ہوتا تھا۔ ایسے لوگوں کو مالِ غنیمت سے بھی حصّہ ملتا تھا اور آخرت میں بھی ان کے لیے اجر و ثواب تھا۔ دوسرے وہ منافق تھے جو محض مالِ غنیمت کے حصول کے لیے بادلِ نخواستہ شریکِ جنگ ہوتے تھے۔ ان کو مالِ غنیمت تو مل جاتا تھا لیکن آخرت میں ان کے لیے کوئی حصّہ نہ تھا۔
جن لوگوں نے خدا کے شریک بنا کھڑے کیے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے قواعد پر عمل پیرا ہیں۔ قرآن کو چھوڑ کر جن لوگوں کے یہ پیرو بنے ہوئے ہیں اور دینی اور دنیوی احکام میں ان عقلائے روزگار کو انہوں نے خدا کا شریک بنا لیا ہے اور خدا کے اوامر و نواہی سے افضل ان کے مفروضہ احکام پر عمل کر رہے ہیں کیا خدا نے انہیں اجازت دی ہے کہ وہ ایک نیا دین بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈالیں۔ خدا نے اس کام کے لیے کب انہیں اپنا شریک بنایا ہے۔ ایسے نالائق لوگوں کے حق میں جو اندھا دھند پیروی کر رہے ہیں بہت جلد نزولِ عذاب کا فیصلہ کر دیا جاتا مگر چونکہ خدا نے فیصلہ کا ایک دن مقرر کر دیا ہے اس لیے ان کی رسّی دراز کیے ہوئے ہے۔ قیامت میں ان کے لیے سخت عذاب ہوگا۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ

(قیامت کے دن) تم ظالموں کو دیکھو گے کہ وہ جو کچھ کر چکے ہیں (اس کی سزا کے خوف سے) ڈر رہے ہوں گے مگر وہ عذاب تو ان پر آ کر ہی رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے۔ جو کچھ وہ چاہیں گے خدا سے ان کو ملے گا یہی تو بہت

بڑا فضل ہے یہی تو وہ چیز ہے جس کی بشارت اللہ نے اپنے ان بندوں کو دی ہے جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کیے ہیں۔

جو خدا کے نافرمان بندے یہاں بیدھڑک بداعمالیاں کرتے چلے جا رہے ہیں قیامت میں ان کا حال دیکھنا ڈر کے مارے کیسے کپکپا رہے ہوں گے۔ وہاں تو ان کو سزا مل کر ہی رہے گی۔ برخلاف ان کے خدا کے نیک بندے جنت کے باغوں میں گلگشت کرتے نظر آئیں گے اور جو چاہیں گے وہ ان کو ملے گا۔

قُلْ لَّآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٢٣﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰي قَلْبِكَ ۭ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٤﴾

(اے رسول) کہہ دو میں اس (تبلیغِ رسالت) کا اپنے قرابتداروں (اہلبیتؑ) کی محبت کے سوا کوئی اجر نہیں چاہتا۔ اور جو نیکی کرے گا ہم اس کی خوبی میں اضافہ کر دیں گے۔ بے شک خدا بڑا بخشنے والا اور قدردان ہے کیا یہ لوگ (تمہارے متعلق) یہ کہیں گے کہ اس نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے (اگر ایسا ہوتا تو) خدا چاہتا تو تمہارے دل پر مُہر لگا دیتا (کہ تم بات ہی نہ کر سکتے) اور خدا تو جھوٹ کو نیست و نابود کرتا اور اپنی باتوں سے حق کو ثابت کرتا ہے اور وہ یقیناً دلوں کے راز سے خوب واقف ہے۔

اس آیت کے شانِ نزول میں مروی ہے کہ ایک روز انصار ایک بڑے جلسہ میں اپنی کارروائیاں بڑے فخر و مباہات سے بیان کر رہے تھے کہ ہم نے یہ کیا اور وہ کیا۔ ابن عباسؓ سے نہ رہا گیا اور بے ساختہ بول اُٹھے تم لوگوں کی فضیلت مسلّم لیکن تم کو ہم پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ جب اس مناظرہ کی خبر حضرت رسولؐ کو پہنچی، تو آپؐ ان کے مجمع میں تشریف لائے اور فرمایا اے گروہِ انصار! کیا تم ذلیل نہ تھے خدا نے ہماری بدولت تم کو معزز بنایا۔ سب نے عرض کیا بے شک۔ پھر فرمایا، کیا تم لوگ گمراہ نہ تھے۔ خدا نے میری وجہ سے تمہاری

ہدایت کی۔ اُنھوں نے کہا بے شک۔ فرمایا کیا میرے مقابل تم لوگ یہ نہیں کہتے کہ جب تمہاری قوم نے تم کو نکال باہر کیا تو ہم نے پناہ دی۔ انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے تصدیق کی۔ انھوں نے ذلیل کیا تو ہم نے مدد کی۔ غرض اسی قسم کی باتیں فرماتے جاتے تھے اور وہ لوگ سر جھکائے سنتے رہے۔ پھر انھوں نے عرض کی حضورؐ ہمارے مال اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وُہ سب حضورؐ کا ہے۔ جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد حضرتؐ نے فرمایا، آگاہ ہو، جو آلِ محمدؐ کی دوستی پر مرتا ہے وہ تائب مرتا ہے، وہ مغفور مرتا ہے۔ سنو جو آلِ محمدؐ کی دوستی پر مرتا ہے وہ کامل الایمان مرتا ہے۔ جو آلِ محمدؐ کی دوستی پر مرتا ہے اسے ملک الموت اور منکر و نکیر بہشت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ جو آلِ محمدؐ کی دوستی پر مرتا ہے وہ بہشت میں اس طرح جائے گا جیسے دلہن اپنے شوہر کے گھر۔ جو آلِ محمدؐ کی دوستی پر مرتا ہے خدا اس کی قبر کو فرشتوں کی زیارت گاہ بناتا ہے۔ آگاہ ہو جو دشمنیٔ آلِ محمدؐ پر مرا وہ کافر مرا۔ روزِ قیامت اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا۔ یہ رحمتِ خدا سے مایوس ہے۔ وہ بہشت کی بُو نہ سونگھے گا۔

کسی نے پوچھا، حضورؐ جن کی محبت کو خدا نے اس آیت میں واجب کیا ہے وہ کون ہیں؟ فرمایا، علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے بیٹے حسنؑ و حسینؑ۔ پھر فرمایا، جو کوئی میرے اہلبیتؑ پر ظلم کرے اور مجھے میری عترت کے بارہ میں اذیت دے اس پر بہشت حرام ہے (دیکھو تفسیر کشاف جلد ۳، صحیح بخاری و مسلم، مسند ابن حنبل، درمنثور و سیوطی)۔

ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آیۂ مودّت نازل ہوئی تو کچھ لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ایسا حضرتؐ اپنی طرف سے فرماتے ہیں۔ اس پر آیہ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۚ (۴۲ شوریٰ ۲۴) نازل ہوئی۔ جیسا کہ تفسیر ثعلبی میں ہے۔

آیۂ مودّت کے بارہ میں مفسرین کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ کسی نے کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تم تقربِ ایزدی حاصل کرو۔ کسی نے کہا کہ اس سے اولادِ عبدالمطلب مراد ہے۔ کسی نے کہا حضرت علیؑ و فاطمہؑ مراد ہیں لہٰذا بہت سے اقوال ہیں۔ لہٰذا ہم اس مضمون پر ایک محققانہ نظر ڈالتے ہیں۔

مَوَدَّۃُ فِی الۡقُرۡبٰی کو اجرِ رسالت قرار دیا گیا ہے۔ یہ اجر نہ صرف ان لوگوں پر واجب کیا گیا ہے جو عہدِ رسالت میں تھے بلکہ ان سب پر ہے جو آپؐ کی امت میں قیامت تک ہوں گے۔ اگر صرف وہی رشتہ دار اس کے مصداق ہوں جو اس وقت موجود تھے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ بعد والوں پر اجرِ رسالت دینا ضروری نہ ہوگا۔ لیکن ایسا کیوں ہوگا جبکہ آنحضرتؐ کی رسالت کا احسان ساری امت پر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جن ذوی القربیٰ کی محبت کو اجرِ رسالت قرار دیا گیا ہے تو اُس کا تا قیامت باقی رہنا ضروری ہے تاکہ لوگ ان سے اپنی محبت کا اظہار کر کے اجرِ رسالت ادا کریں۔ عہدِ رسالت والے رشتہ دار تو پردہ فرما گئے۔ لہٰذا بعد والے ان سے اپنی محبت کا اظہار کس طرح کریں۔ صرف ایک گروہ اہلبیتِؑ رسولؐ کا ہی ایسا تھا جن میں سے کوئی ایک ہر زمانہ میں موجود رہا۔

دوسرے یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ذوی القربیٰ کی مودّت کو واجب قرار دینے کا مطلب کیا ہے اور رسالت کا اس مودّت سے کیا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مودّت کے لیے اطاعت لازم ہے۔ اور اطاعت کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ جن سے محبت کی جائے عمل میں ان کی پیروی کی جائے۔ یہ اطاعتِ مطلقہ معصوم کے

سوا دوسرے کی مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ غیر معصوم کی اطاعت میں گناہ کا خطرہ ہوتا ہے۔

تیسرے مودّت ذوی القربیٰ کو اجرِ رسالت اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ لوگ گمراہی سے محفوظ رہیں۔ احادیث سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حدیثِ ثقلین میں کتاب اللہ کے ساتھ حضورؐ نے اپنے اہلبیتؑ کو کیا ہے تاکہ لوگ گمراہ نہ ہوں۔ اور یہ کہ ہر زمانہ میں ان میں سے ایک معصوم موجود رہے جو قرآن کے صحیح معانی و مطالب بتا سکے۔ پس ان کی محبت اجرِ رسالت قرار پا سکتی ہے عام لوگوں کی نہیں۔ اسی طرح حدیثِ سفینہ میں فرمایا تھا کہ میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا۔ یعنی جو اہلبیتؑ کے ساتھ رہے گا وہ ناجی ہوگا۔ لہٰذا ہر زمانہ میں ایک فرد اہلبیتؑ میں سے موجود رہتا ہے۔

ذوی القربیٰ کی محبت کو اجرِ رسالت قرار دینا امتِ رسولؐ کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے لیے ہے ورنہ اس کے تعین کی ضرورت ہی کیا تھی۔ معلوم ہوا کہ رسالت سے ذوی القربیٰ کی محبت کا کوئی خاص تعلق ہے۔ آگے آیت کا یہ ٹکڑا بھی قابلِ غور ہے کہ جو نیکی کرے گا اس کا ثواب ہم زیادہ کر دیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذوی القربیٰ سے محبت کرنا نیکی میں داخل ہے۔ رسولِ خدا کے تمام رشتہ داروں کی محبت نیکی میں داخل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ سب معصوم نہ تھے۔

آگے آیت کا ٹکڑا یہ ہے کہ لوگ کہنے لگے کہ رسولؐ نے خدا پر جھوٹ بولا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوی القربیٰ رسولؐ یعنی اہلبیتِ رسولؐ کے جو لوگ دشمن تھے ان کو اہلبیتؑ کی یہ فضیلت پسند نہ آئی اور وہ یہ کہے بغیر نہ رہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنے اہلبیتؑ کی محبت میں ایسا کہہ دیا ہے۔

اگر ذوی القربیٰ سے مراد تمام اولادِ عبدالمطلب ہو تو ان میں پھر ابولہب بھی شامل ہے اور وہ عباس بھی ہیں جو فتحِ مکہ تک حضورؐ پر ایمان نہ لائے اور جنگِ بدر میں لڑنے کے لیے آپؐ کے دشمنوں کے ساتھ آئے اور ہجرت کی سعادت سے محروم رہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی محبت اجرِ رسالت کیسے قرار پا سکتی ہے۔

رہا یہ کہنا کہ اس وقت تک حضرت علیؑ و فاطمہؑ کی شادی نہ ہوئی تھی تو اولاد یعنی حسنؑ و حسینؑ کا ذکر کیا۔ جواب یہ ہے کہ حضورؐ بعلمِ نبوّت جانتے تھے کہ میرے اہلبیتؑ میں کون کون شامل ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے جناب جابرؓ بن عبداللہ انصاری کو اپنے بارہ نائبوں کے نام تک بتا دیئے تھے اور ان کے حالات سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ پس اگر حسنؑ و حسینؑ کے نام بھی بتا دیئے تو اس میں تعجب کیا ہے۔

یہ کہنا بھی دھوکا ہے کہ حضورؐ کے رشتہ داروں کی محبت کو اس لیے اجرِ رسالت قرار دیا گیا کہ حضورؐ کو سکون و اطمینان حاصل رہے۔ جب سب لوگ آپؐ کے رشتہ داروں سے محبت کریں گے تو آپؐ کو ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہے گا۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا چیستان ہے۔ کہا تو مسلمانوں سے جا رہا ہے کہ ایسا کرو نہ کہ کفّار سے۔ اور مسلمان تو حضورؐ کے رشتہ داروں سے کوئی خاص عداوت نہ رکھتے تھے۔ اگر عداوت تھی تو اہلبیتِ رسولؐ سے تھی اور بالخصوص امیرالمومنین حضرت علیؑ سے تھی۔

ایک مفسّر صاحب تحریر فرماتے ہیں، ذوی القربیٰ کی مودّت سے یہ مراد ہے کہ تم سب رشتہ دار آپس میں مل جل کر رہو۔ یہی اجرِ رسالت ہے۔ غور کیجیے رشتہ داروں کے باہم میل محبت سے رہنے کو اجرِ رسالت کیسے قرار دیا جائے۔ فرض کیجیے ایک کنبہ بہت مل جل کر رہتا ہے لیکن بداعمال ہے۔ کیا اس کے متعلق یہ کہا جا سکے گا کہ یہ لوگ اجرِ رسالت کو ادا کر رہے ہیں رسالت کا اجر جب نہ مال و دولت ہو سکتا ہے نہ دُنیا کا ساز و سامان تو لا محالہ اس کا تعلق اعمالِ صالحہ سے ہو گا۔ لیکن اعمالِ صالحہ کا یہ کیسے یقین ہو کہ یہ صحیح لائن پر جا رہے ہیں۔ جب تک کوئی نمونۂ عمل سامنے نہ ہو کسی عمل کی صحت پر یقین نہیں ہو سکتا اور نمونۂ عمل کسی ایسے شخص کا ہونا چاہیئے جس سے صدورِ گناہ ممکن نہ ہو۔ ذوی القربیٰ رسولؐ میں سوائے اہلبیتؑ طاہرین اور کوئی معصوم نہیں پایا جاتا لہٰذا اَلۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی سے انہی کی محبت مراد ہوئی۔

جو لوگ عداوتِ اہلبیتؑ پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور کسی فضیلت کو ان سے متعلق ہونا پسند ہی نہیں کرتے، وہ اُن آیات کی ایسی ہی نامعقول تاویلیں کیا کرتے ہیں جو ان حضرات علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ ذوی القربیٰ سے مراد حضورؐ کے رشتہ دار ہیں اور ان کی محبت واجب کی گئی ہے تو اس زمانہ والوں کے لیے اجرِ رسالت ادا کرنے کی کیا صورت ہو گی اور کتنے مسلمان ہیں کہ اس راستہ پر چل کر اجرِ رسالت ادا کر رہے ہیں۔ ان کے اظہارِ محبت کرنے کا کیا طریقہ ہے اور زمانۂ رسالت کے کتنے رشتہ دار ہیں جن سے مسلمانوں کو خاص عقیدت ہے۔

آیت بتاتی ہے کہ اجرِ رسالت کا ذوی القربیٰ کی مودّت کی صورت میں سوال کیا گیا ہے تو ضرور قیامت میں رسولؐ اس کا جواب مانگیں گے۔ آیہ وَقِفُوۡہُمۡ اِنَّہُمۡ مَّسۡـُٔوۡلُوۡنَ (۳۷/۲۴ والصّٰفّٰت) (انہیں روک لو ان سے کچھ پوچھا جائے گا)۔ یہ بتاتی ہے کہ اجرِ رسالت کا جو سوال مسلمانوں سے کیا گیا تھا اس کا جواب مانگا جائے گا۔

اکثر مفسّرین نے اس پر زور دیا ہے کہ یہ ایک اخلاقی ہدایت ہے۔ مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں سے محبت پیدا کرنے اور مل جل کر رہنے کے لیے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب دُنیا کی تمام قومیں اپنے رشتہ داروں سے محبت کرتی ہیں تو اس میں اجرِ رسالت کی کیا خصوصیت ہے۔ کافر و مشرک سب اپنے رشتہ داروں کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ ان سے میل جول رکھتے ہیں۔ تو ایک ایسی عام بات کو اجرِ رسالت قرار دینے سے کیا فائدہ ہُوا۔

رسالت کا فرض لوگوں کو ہدایت کرنا ہے۔ جاہلوں کی جہالت کو دور کرنا ہے۔ گمراہوں کو راہِ راست پر لانا ہے تو اس کا اجر بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے جس سے غرضِ رسالت ہر زمانہ میں پوری ہوتی رہے اور یہ غرض اُس وقت تک پُوری نہیں ہو سکتی جب تک ایسے لوگوں سے محبت نہ کی جائے جن کی زندگی کا مقصد ہی تبلیغِ دین و احیائے ملت ہو جن کا ہر کام تحتِ مشیتِ ایزدی ہو۔ جو مرضیٔ الٰہی کے خلاف کبھی کوئی کام کرتے ہی نہ ہوں اور ایسے لوگ امتِ محمدیؐ میں سوائے اہلبیتِؑ رسولؐ دوسرے پائے ہی نہیں گئے۔

وَهُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ وَیَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾ وَیَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَیَزِیۡدُہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَالۡکٰفِرُوۡنَ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَلٰکِنۡ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُوۡا وَیَنۡشُرُ رَحۡمَتَہٗ ؕ وَهُوَ الۡوَلِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۸﴾

اللہ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف کرتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اُسے جانتا ہے اور جو لوگ ایمان والے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان کی دُعائیں قبول کرتا ہے اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ دیتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے اگر خدا اپنے بندوں کے رزق میں زیادتی کر دے تو وہ روئے زمین پر بغاوت کرنے لگیں لیکن وہ بقدر ان کی ضرورت کے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے وہ اپنے بندوں کی حالت سے باخبر ہے اور ہر بات کو دیکھنے والا ہے۔ وہ وہی ہے جو بندوں کے مایوس ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت کی برکتوں کو پھیلا دیتا ہے اور وہی کارساز حمد و ثنا کے لائق ہے۔

اگرچہ بداعمالوں کو سزا دینا ضروری ہوتا ہے مگر خدا کی رحمت دیکھو تو اُن کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے محض اس لیے کہ آئندہ وہ گناہوں سے باز رہیں اور خدا کے فرماں بردار بندے بن کر رہیں۔ یہ مہلت صرف اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ اپنی بگڑی ہوئی زندگی کو سنوار لیں۔ جو کر چکے وہ کر چکے۔ توبہ کے بعد ان کو بخش دیتا ہے لیکن جو لوگ اپنی غلط کاریوں سے باز ہی نہیں آتے اور وُہی کیے چلے جاتے ہیں جو ان کو نہ کرنا چاہیئے تو

پھر اس کی رحمت کا سایہ ان پر سے ہٹ جاتا ہے اور وہ سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

ایک بار کچھ مسلمانوں نے حضورؐ سے کمیٔ رزق کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ ہم مسلمانوں پر خدا نے روزی کو کیوں تنگ کر دیا ہے حالانکہ ہم اُس کے فرماں بردار بندے ہیں۔ ان کے جواب میں کہا جا رہا ہے کہ خدا روزی کو اس لیے کشادہ نہیں کرتا کہ جو نیک بندے ہیں وہ بغاوت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں اور اپنے اعمال سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ مال کی محبت میں انہیں حلال و حرام کی تمیز نہیں رہتی۔ چنانچہ حضورؐ کے عہد میں جب فاقہ کش مسلمانوں کے گھر مالِ غنیمت سے بھر گئے تو ان کے ایمان میں ضعف پیدا ہو گیا اور اعمالِ صالحہ بجا لانے میں سستی کرنے لگے۔ جب باہر کے لوگ تجارت کے لیے مدینہ میں آتے تو وہ لوگ جو حضورؐ کے پیچھے نماز جماعت پڑھتے ہوتے نماز ترک کر کے بھاگ کھڑے ہوتے تاکہ جلدی سے مال خرید لیں۔ ایسا نہ ہو کہ تاخیر میں وہ چیز ختم ہو جائے جسے وہ خریدنا چاہتے تھے۔ سورۂ جمعہ میں اس کا ذکر ہے۔

ایک بار بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے خواہش کی کہ ہم بہت تنگدست ہیں۔ خدا سے دُعا کیجیے کہ وہ ہمیں مال و دولت عطا کرے تاکہ ہم اپنے دشمنوں سے قدم جما کر لڑیں۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، اپنی اس حالت کو غنیمت سمجھو ورنہ ایمان کھو بیٹھو گے۔ وہ نہ مانے۔ اتفاقاً ایک جنگ میں خاصی دولت ہاتھ لگ گئی۔ بس پھر کیا تھا، رنگ رلیاں منانے لگے۔ جب ایک جہاد کے لیے حضرت موسیٰؑ نے بلایا تو انہوں نے ہزار عذر پیش کیے۔ آپؑ نے فرمایا، اسی لیے میں نے منع کیا تھا کہ دولت کی حرص میں نہ پڑو ورنہ ایمان کھو بیٹھو گے۔

آئے دن کا تجربہ ہے کہ مفلسی میں یادِ خدا خوب کی جاتی ہے لیکن جہاں دولت ہاتھ لگی اور ایمان بگڑا پھر کیسی نماز اور کیسا روزہ۔ عیش پرستی اور ہوس رانی کے دروازے کھل گئے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا اپنے نیک بندوں کو مالدار نہیں بناتا۔ رہے کفار اور نافرمان بندے تو ان پر جہاں رزق کے دروازے کھولتا ہے وہاں جہنم کی بھڑکتی آگ بھی ان کے سامنے کر دیتا ہے۔

آخر میں اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر کرتا ہے کہ جب قحط پڑ جاتا ہے اور لوگ دانہ دانہ کو محتاج ہو جاتے ہیں رحمتِ خدا سے مایوس ہو کر گھٹنوں میں گردن دے کر ہو بیٹھتے ہیں تو اُس وقت خدا ان پر رحم فرماتا ہے اور سوکھی زمین پر چھاچھم مینہ برسا کر کھیتوں کو لہلہا دیتا ہے اور کثرت سے غلہ پیدا کر کے لوگوں کی روزی کا سامان فراہم کر دیتا ہے۔ مگر ناشکرے اس پر بھی اس کی رحمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اور دوسروں کو اس کا شریک مان کر ان کی پرستش کیے چلے جاتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ

فِي الْاَرْضِ ښ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٣١﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰي ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور ان میں ہر قسم کے جاندار جو اُس نے پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے گا تو ان سب کے جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔ جو مصیبت تم پر نازل ہوتی ہے وہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ وہ تمہارے بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے اور تم زمین پر رہ کر کسی طرح خدا کو ہرا نہیں سکتے اور نہ خدا کے سوا تمہارا کوئی کارساز و مددگار ہے اور اس کی نشانیوں میں سے وہ بادبانی جہاز ہیں جو گویا پہاڑ جیسے دریاؤں میں نظر آتے ہیں۔ اگر خدا ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ پانی کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ بے شک اس میں ہر صبر و شکر کرنے والوں کے لیے خدا کی نشانیاں ہیں۔ یا (چاہے تو) ان کو (ان کے اعمالِ بد) کے سبب تباہ و برباد کر دے مگر وہ بہت کچھ معاف کر دیتا ہے۔ جو لوگ آیاتِ خدا کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں وہ ان کو جانتا ہے۔ ان کے لیے عذابِ خدا سے چھٹکارا نہیں۔

پہلی آیت میں آسمانوں اور زمین میں جانداروں کے پھیلانے کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں پر زندگی ہے۔ انسان نے ابھی تک اس کا کھوج نہیں لگایا۔ ابھی وہ گیا ہی کتنی دُور ہے۔ چند قدم چاند کی سطح پر ٹہلا ہے اور وہاں سے چند پتھر اُٹھا لایا ہے۔ جب پُورے کُرّے کی یا دوسرے کرّوں کی سیر کرے گا تب پتہ چلے گا کہ کہاں کہاں اور کس شان کے جاندار پائے جاتے ہیں۔ احادیث سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ہر کرّہ پر کوئی جاندار مخلوق ہے عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جب خدا نے ان کرّوں میں اپنی بے شمار صنعتوں کو ودیعت فرمایا ہے تو ان سے فائدہ اُٹھانے والی

بھی کوئی مخلوق ہونی چاہیئے ۔

دوسری بات کا تعلق اہلِ مکّہ سے ہے۔ قحط کا الزام وہ خدا پر لگاتے تھے ۔ خدا کہتا ہے یہ مصیبت جو تم پر آئی ہے تمہاری ہی غلط کاریوں کا نتیجہ ہے ۔ اگر تم خدا پر ایمان لائے ہوتے، اگر تم بداعمال بجا نہ لاتے تو یہ عذاب تم پر نازل نہ ہوتا ۔ تمہارے کرتوت مستحق عذاب ہیں۔ تم نے ہمارے رسولؐ کو طرح طرح سے ستایا، ہماری کتاب کو برحق نہ جانا۔ اس کی ہلکی سی سزا تم کو یہ دی گئی ہے۔ کیا تم ہمیں ہرا سکتے ہو۔ ہمارے مقابلہ میں تمہارا کوئی ولی و مددگار نہیں ہوسکتا ۔

تم نے ہمارے احسانات بھلا دیئے ہیں۔ تم بغرض تجارت جب بادبانی کشتی اور جہاز میں سوار ہوکر جاتے ہو۔ بتاؤ تمہیں ساحل پر کون لگاتا ہے۔ اگر ہم ہوائیں نہ چلائیں تو کیا تمہاری کشتیاں دریاؤں کے کھڑے ہوئے پانی پر ذرا بھی آگے بڑھ سکتی ہیں۔ ہم چاہیں تو ذرا دیر میں تمہیں ہلاک کردیں، پانی میں ڈبو دیں، آندھیوں میں اُڑا دیں، بیمار ڈال کر مار ڈالیں۔ مگر ہم تمہاری خطاؤں سے درگزر کرکے تمہیں مہلت دے رہے ہیں کہ شاید سنبھل جاؤ۔ خدا کی نشانیوں میں جھگڑا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ لوگ خواہ مخواہ ہر کام کو اپنی ہی عقل و تدبیر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور خدائی اختیار کو بالائے طاق رکھتے ہیں ۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

لوگو تمہیں جو کچھ مال و متاعِ دُنیا دیا گیا ہے وُہ دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے ۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہوں سے اور بدکاریوں سے بچتے ہیں اور جب غصہ آجاتا ہے تو معاف کردیتے ہیں ۔

دنیا میں جو کچھ دیا گیا ہے وُہ چند روزہ ہے اس کے لیے بقا نہیں۔ مرتے ہی سب جاہ و حشم اور مال و دولت خاک میں مل جاتا ہے ۔ ہاں آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ باقی رہنے والا ہوگا اور یہاں سے ہزار درجہ بہتر ہوگا۔ یہ سب سامان ایسے لوگوں کو دیا جائے گا جو ایمان والے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور کبیرہ گناہوں سے اور بدکرداری سے بچتے ہیں اور جب کسی پر غصہ آتا ہے تو اس کی خطا بخش دیتے ہیں اس سے

بدلہ لینے کا ارادہ نہیں کرتے ۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ۭ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾

اور پروردگار کا حکم مانتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور ان کے کل کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے عطا کیا ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور جب ان پر کسی قسم کی زیادتی ہوتی ہے تو وہ بس واجبی بدلہ لیتے ہیں اور بُرائی کا بدلہ بس ویسی ہی برائی ہے اور جو شخص معاف کردے اور معاملہ کی اصلاح کردے تو اس کا ثواب خدا کے ذمّہ ہے ۔ خدا ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ۔ الزام تو بس انہی لوگوں پر ہوگا جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین پر ناحق زیادتیاں کرتے ہیں ۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۔

ان آیات میں مومنین کی چند خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے :

۱ ۔ خدا پر بھروسہ کرتے ہیں اور گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں ۔

۲ ۔ جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں ۔

۳- حکمِ خدا کو مانتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور باہمی مشورہ سے کام کرتے ہیں۔ جو رزق اللہ نے دیا ہے اس میں کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

۴- جب ان پر کوئی ظلم کرتا ہے تو اُس سے واجبی بدلہ لیتے ہیں زیادتی نہیں کرتے۔

۵- اگر کسی پر ظلم کیا جائے اور وہ اُس سے بدلہ لے تو اُس پر کوئی الزام نہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس سے زیادہ بدلہ نہ لے۔ مثلاً اگر کوئی کہے خدا تمہیں ذلیل کرے تو بدلہ میں تم بھی اتنا ہی کہو۔

گالی دینا کسی صورت میں جائز نہیں۔ اگر کوئی تمہیں زخم لگائے تو تم اتنا ہی زخم اُسے لگاؤ زیادہ نہیں۔ ابنِ ملجم نے جب سرِ اقدس امیرالمومنینؑ پر زخم لگایا تو آپؑ نے حضرت امام حسنؑ کو وصیت فرمائی کہ اگر میں مر جاؤں تو تم اسے تلوار کا ایک ہی وار کر کے زخمی کرنا اور اگر میں زندہ رہا تو مجھے اختیار ہوگا کہ بخش دوں یا بدلہ لوں۔

ان آیات میں مشورے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ یہ مشورہ دنیوی معاملات میں کرنے کا حکم ہے نہ کہ جانشینیٔ رسولؐ میں۔ کیونکہ جانشین رسولؐ کے لیے خدا اور رسولؐ کی نص ہونی چاہیئے۔ وہاں اجماع اور شوریٰ سے بنانے کی اجازت نہیں کیونکہ غیر معصوم کا شوریٰ قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتا۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾

جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے قصور، یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اس کے بعد اس کا کوئی کارساز نہیں۔ تم ظالموں کو دیکھو گے کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کیا دُنیا کی طرف پلٹ جانے کی کوئی سبیل ہے۔ تم ان کو دیکھو گے کہ جب دوزخ کے سامنے

کھڑے کیے جائیں گے تو ذلت کے مارے سکٹے جاتے ہوں گے اور کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوں گے اور ایمان والے کہتے ہوں گے اصلی خسارہ میں یہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو گھاٹے میں رکھا۔ آگاہ ہو کہ ظالموں کے لیے مستقل عذاب ہے۔

سب سے بڑا حوصلہ مند آدمی وہ ہے جو کسی کے ظلم پر صبر کرے اور اس کا قصور معاف کر دے۔ یہاں تک جو باتیں اہلِ ایمان کی صفات کے متعلق بیان کی گئی ہیں ان سے اسلامی ہدایات کی برتری کا پتہ چلتا ہے اور اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ جہاں لوگوں میں یہ صفات پائی جائیں وہاں کے معاشرہ میں کتنی خوبیاں رونما ہوں گی۔ کفارِ مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ جس اسلام کے تم دشمن ہو ذرا غور سے دیکھو تو کہ وہ اپنے ماننے والوں میں کیسی دماغی صلاحیتیں پیدا کرنے کا ضامن بنتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لو کہ اگر تم نے ہدایت حاصل نہ کی اور گمراہی میں پڑے رہے تو پھر خدا کا عذاب تم پر نازل ہو کر رہے گا اور مرنے کے بعد پھر تم کو اس دُنیا کی طرف لوٹایا نہیں جائے گا۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾

(جن ظالموں کا پہلے ذکر ہو چکا) اللہ کے سوا کوئی ان کا مدد کرنے والا سرپرست نہ ہوگا اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے تو پھر اس کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ لوگو اپنے رب کا حکم مان لو اس دن سے پہلے جو تمہارے رب کے حکم سے آئے گا اور کسی طرح ٹالے نہ ٹلے گا۔ اس دِن نہ تو تمہارے لیے کوئی پناہ کی جگہ ہوگی اور نہ تم کو انکار کرتے ہی بن پڑے گی۔

یعنی قیامت کا دن آنے سے پہلے خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان لے آؤ اور اُس کا حکم مان لو۔ ورنہ جب قیامت سر پر آ کھڑی ہوگی تو پھر ٹالے نہ ٹلے گی، بتاؤ اُس وقت کیا کرو گے۔ اُس دن تمہیں کہیں نہ تو سر چھپانے کی جگہ ملے گی اور نہ اپنی بداعمالی سے انکار کرنے کا موقع ملے گا کیونکہ تمہارے خلاف بہت سے گواہی دینے والے اُس وقت وہاں موجود ہوں گے۔

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ كَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ ﴿۴۹﴾ اَوۡ يُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجۡعَلُ مَنۡ يَّشَآءُ عَقِيۡمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡيًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَيُوۡحِىَ بِاِذۡنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ﴿۵۱﴾

(اگر سب کچھ سمجھانے بجھانے کے بعد بھی) یہ لوگ منہ پھیر لیں تو ہم نے تم کو ان پر نگہبان بنا کر تو بھیجا نہیں۔ تمہارا فرض تو صرف ہمارے احکام کا پہنچا دینا ہے۔ جب انسان ہماری رحمت کا مزہ چکھتا ہے تو خوش ہو جاتا ہے اور جب اس کو پہلے کرتوتوں کی بدولت کوئی تکلیف پہنچتی ہے (تو سب احسان بھول جاتا ہے) بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے۔ آسمان اور زمین کی حکومت بس اللہ ہی کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں قسمیں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے وہ بڑا جاننے والا اور قدرت والا ہے۔ کسی آدمی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ سے (جیسے داؤدؑ) یا پردہ کے پیچھے سے (جیسے موسیٰؑ) یا فرشتہ بھیج دے (جیسے محمدؐ) غرض وہ اپنے اختیار سے جو چاہتا ہے پیغام بھیجتا ہے وہ بلند مرتبہ والا

اور حکمت والا ہے۔

رسولؐ کا فرض یہ ہے کہ وہ احکامِ خدا بندوں تک پہنچا دے کسی کو مجبور کر کے صاحبِ ایمان نہیں بنا سکتا۔ لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب خدا بندہ پر احسان کرتا ہے اور خوش حال بنا دیتا ہے تب تو خوشی سے بغلیں بجانے لگتا ہے اور اگر کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو خدا کے سارے احسان بھلا کر اس کی شکایت کرنے لگتا ہے حالانکہ جو مصیبت اس پر آئی ہے وہ خود اس کے عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس طرح جن لوگوں کے یہاں بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں وہ رنجیدہ ہو کر منہ بنانے لگتے ہیں اور خدا کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے۔ وہ قادرِ مطلق ہے جسے چاہتا ہے اپنی مصلحت کے مطابق لڑکے ہی لڑکے عطا کر دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکیاں ہی لڑکیاں دیتا ہے جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیتا ہے جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ یہ امورِ تخلیقی و تکوینی ہیں اس میں کسی بندہ کو کیا دخل۔

عرب کے لوگوں کو جاہلیت کے زمانہ میں لڑکیوں سے بڑی نفرت تھی۔ وہ لڑکی پیدا ہوتے ہی یا تو اس کا گلا گھونٹ دیتے تھے یا زندہ زمین میں دبا دیتے تھے۔ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے وہ عورت بہت بابرکت ہے جو پہلے بیٹی جنے۔ کیونکہ خدا نے بھی پہلے بیٹیوں کا ذکر کیا ہے پھر بیٹوں کا۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا، بیٹی رحمت ہے اور بیٹا ہے نعمت۔ ایک اور حدیث میں ہے، بیٹی محبت ہے اور بیٹا نعمت ہے۔ اس وجہ سے لوگوں کو شاق ہوتی ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ نعمت کے بعد ثواب نہیں ملتا۔ بلکہ محبت کے بعد ملتا ہے۔

خدا اور بندے کے درمیان کلام کی تین صورتیں ہیں جو آخر کی آیت میں بیان کی گئی ہیں :

پہلی صورت یہ ہے کہ خدا اپنے بندے کے دل میں کوئی بات ڈال دے۔ یہ صورت انبیاءؑ کے علاوہ غیر انبیاء کے لیے بھی ہوتی ہے مگر اس کا تعلق امورِ شریعت سے نہیں ہوتا۔ جیسے خدا نے مادرِ موسیٰؑ کو وحی کی۔ بلکہ غیر انسان کو بھی وحی ہوتی ہے جیسے وَاَوۡحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ (سورہ نحل ۱۶/۶۸) "خدا نے شہد کی مکھی کو وحی کی"۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پردہ کے پیچھے سے آواز سنائی دے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے لیے درخت سے آواز آئی تھی۔ تیسرے یہ کہ فرشتہ احکامِ خدا رسولؐ تک پہنچائے۔ جیسے جبریلؑ حضرت رسولِ خدا کو احکامِ الٰہی پہنچاتے تھے۔ حضرت رسولِ خدا سے ان تینوں اقسامِ وحی کا تعلق رہا ہے۔ دل میں ڈالنے سے بھی جو خواب میں حضورؐ کو بتایا جاتا تھا اور پسِ پردہ بھی جیسا کہ معراج میں ہوا اور فرشتے کے ذریعہ بھی۔ وحی کی یہ سب صورتیں آنحضرتؐ سے مخصوص تھیں۔

چونکہ خدا صاحبِ جسم نہیں اس لیے وہ کسی سے اس طرح کلام نہیں کرتا جیسے ہم کرتے ہیں۔ اس کے متکلم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی قدرت سے جس چیز میں چاہے کلام پیدا کر دے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے لیے درخت سے آواز آئی تھی۔

وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا

الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ ع

اسی طرح ہم نے اپنے حکم تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجے تم تو نہ کتاب ہی کو جانتے تھے کہ کیا ہے نہ ایمان ہی کو مگر اس روح کو ہم نے نور بنا دیا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ تم اے رسول سیدھا ہی راستہ دکھاتے ہو۔ اس خدا کا راستہ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ اسی کا ہے اور سن رکھو یہ سب معاملات خدا ہی کی طرف رجوع ہوں گے اور وہی فیصلہ کرے گا۔

اُوپر کی آیت بہت زیادہ قابلِ غور ہے مفسرین کا اس میں بڑا اختلاف ہے۔ اکثر لوگوں نے یہی لکھا ہے کہ حضورؐ قبل از نبوت نہ کتاب سے واقف تھے اور نہ ایمان سے۔ لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ بعثت سے پہلے تک ایمان سے بے نصیب ہے۔ یعنی چالیس سال تک آپؐ کا تعلق ایمان سے نہ رہا۔ حالانکہ حضرت ابراہیمؑ کو بچپن ہی میں صاحبِ رُشد و ہدایت بنا دیا گیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کو آغوشِ مادر ہی میں کتابِ نبوت عطا کر دی تھی۔ حضرت یحییٰؑ کو بھی بچپن ہی میں کتاب دے دی تھی۔ لیکن آخری نبی اور سیدالمرسلینؐ کے لیے یہ کہ پورے چالیس برس تک انہیں یہ خبر بھی نہیں کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ خدا نے ایک ایسے شخص کو خاتم الانبیاء کیسے بنا لیا جو چالیس برس اپنے ایمان سے بے خبر تھا۔ اللہ ان مفسرین کے دل میں اپنا خوف ڈالے یہ کیا کیا ستم کر جاتے ہیں۔

حضورؐ فرماتے ہیں، میں اُس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدمؑ ابھی آب و گل میں تھے۔ سبحان اللہ، کیا شان ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ میں خلقتِ آدم سے ۱۴ ہزار برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ اور یہ برس بھی آخرت کے برس تھے جن کا ایک دن یہاں کے ہزاروں سال کے برابر ہے۔ پس جو ذاتِ اقدس خلقتِ آدم سے بھی ہزاروں برس پہلے منصبِ نبوت پر جلوہ گر ہو، کیونکر یہ مان لیا جائے کہ وہ ایمان سے بے نصیب تھا۔ ایمان سے بے نصیب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خدا کو نہ پہچانا۔ سبحان اللہ کیا اچھا نبی تھا کہ نبی بھی تھا اور خدا کو پہچانتا بھی نہ تھا۔ میرے نزدیک نبوت کی اس سے زیادہ توہین نہیں ہو سکتی۔ کہ کبھی حضورؐ کو امیّ (جاہل) بتایا جائے اور کبھی کتاب سے ناواقف

اور ایمان سے بے نصیب۔ مختصر یہ کہ لوگوں نے مضمونِ آیت پر غور ہی نہیں کیا۔

کَذٰلِکَ (ایسے ہی) کا لفظ بتا رہا ہے کہ جس طرح عالمِ ظہور میں تین طریقہ سے ہم نے تم کو وحی کی اسی طرح عالمِ نور میں جب ہم نے اپنی روحِ نبوتی تم کو عطا کی تھی اس وقت بھی بذریعہ وحی تم کو کتاب اور ایمان کی تعلیم دے دی تھی ورنہ اس سے پہلے تم کتاب اور ایمان کو کہاں جانتے تھے۔ یعنی ہماری وہ بخشش ہے جو تمہاری خلقت کے وقت تم پر کی گئی تھی۔ پس تمہاری یہ روحِ نبوتی جس میں نورِ قرآن سمویا ہوا تھا ایک ایسی روشنی تھی جس سے ہمارے بندوں کو ہدایت کی گئی۔

آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے معلوم ہو کہ آپؐ کو بعثت کے بعد ایمان کی تعلیم دی گئی۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو قبل بعثت جب آپ ایمان سے بے نصیب تھے تو بُت پرستی ضرور کرتے اور بت پرستوں سے آپ کا میل جول ہوتا۔ لیکن آپؐ سے چالیس برس تک وہی کام سرزد ہوئے جو اہلِ ایمان کے ہوتے ہیں۔

اب ایک اور رُخ سے دیکھئے

یعنی جب روزِ قیامت ہم ہر اُمت کو اس کے گواہ کے ساتھ بلائیں گے تو اے رسول تم کو ان سب پر گواہ قرار دیں گے)۔ جو امتیں مع اپنے انبیاء و مرسلین کے قیامت میں آئیں گی ان کے اعمال کی گواہی اور رسولوں کی تبلیغ کی شہادت کے لیے (معاذ اللہ) ایک ایسا شخص گواہ بن کر آئے گا جو خود ایمان سے بے نصیب رہا ہو۔ کیا یہ بات کسی سمجھدار آدمی کے لیے قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔

اگر بعثت سے پہلے حضورؐ نہ کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو تو جو معجزات آپؐ کی پیدائش کے وقت ظاہر ہوئے کیا وہ ایک ایسے شخص کے لیے ہو سکتے تھے جو ایمان سے بے نصیب ہو۔ جب ایک شخص پیدائشی صاحبِ ایمان ہی نہ ہو تو پھر وہ کیا ہوگا۔ کیا ایسے شخص کو خاتم الانبیاء بنایا جا سکتا ہے۔ کتاب و ایمان کا علم تو روحِ نبوتی کے خمیر میں تھا۔ رہا بعدِ بعثت موقع و محل سے کتاب کا آتا رہنا مشیتِ ایزدی کے مطابق تھا نہ یہ کہ اس وقت آپؐ کو تعلیم دی جا رہی تھی۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اَلنَّبِیُّ نَبِیٌّ وَلَوْ کَانَ صَبِیًّا (نبی نبی ہوتا ہے اگرچہ بچہ ہی ہو)۔ یعنی بطنِ مادر ہی سے وہ نبی پیدا ہوتا ہے۔ اگر حضرت موسیٰؑ بچپن سے نبی نہ ہوتے تو ان کے صندوق کو دریائے نیل کی لہریں ڈبو کر رکھ دیتیں اور کافر دائیوں کے دودھ پینے سے گریز نہ کرتے۔ اگر وہ بچپن میں صاحبِ ایمان نہ ہوتے تو یہ معجزات ان سے ظہور میں آ ہی نہ سکتے تھے۔

نبی بطنِ مادر سے ہی نبی پیدا ہوتا ہے لیکن اظہارِ نبوت اور بعثت کا اعلان اس وقت کرتا ہے جب اس کو حکمِ خدا ہوتا ہے۔

روحِ نبوتی ورائے علم و ایمان ہوتی ہے۔ چنانچہ جب تک جسدِ آدم میں روحِ نبوتی داخل نہ ہوئی اُس وقت تک ملائکہ کو جو معصوم تھے سجدۂ آدم کا حکم نہیں دیا۔ روحِ نبوتی میں اگر علم و ایمان سمویا ہوا نہ ہوتا تو فرشتوں کو ایک جاہل اور ایمان سے بے نصیب وجود کے لیے ہرگز سجدہ کا حکم نہ دیا جاتا۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے رسولؐ، روحِ نبوتی کے داخل ہونے سے پہلے تم نہ کتاب کو جانتے تھے نہ ایمان کو۔

یعنی یہ آگاہ کرنا تھا کہ روحِ نبوتی میں یہ چیزیں سموئی ہوئی ہوتی ہیں۔ اُدھر تمہارے اندر روحِ نبوتی ہم نے ڈالی اور تم کو کتاب کا پورا پورا علم ہو گیا اور صاحبِ ایمان بھی بن گئے۔ اس مسئلہ میں علامہ سید محمد سبطین صاحب قبلہ مرحوم نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

تتمہ کلام آخری دلیل ہماری یہ ہے کہ سورۂ رحمٰن میں ہے؛

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ۔ (رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی، پھر انسان کو پیدا کیا، پھر اُسے بیان کرنا سکھایا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلقِ انسان سے پہلے انہیں قرآن تعلیم کیا گیا ہے اور خلق کے بعد اُسے بیان کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان سے مراد ذات سرورِ کائناتؐ ہے۔ پس جس کو قبلِ خلقت تعلیم قرآن دی گئی ہو وہ کتاب و ایمان سے بے نصیب کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر حضورؐ کی خلقت کے بعد تعلیم قرآن ہوتی تو علم القرآن پہلے نہ کہا جاتا۔

یہ بھی مسلّم ہے کہ حضورؐ کا علم لدُنّی اور وہبی تھا۔ پس اگر وہ قرآن سے متعلق نہ تھا تو پھر کونسا علم مدرسۂ من لدن سے حاصل کر کے آئے تھے۔ کیا قرآن کے علم سے افضل کوئی اور علم ہو سکتا تھا۔

بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے مرتبۂ رسالت کو پہچانا ہی نہیں وہ حضرتؐ کی شان میں جو ان کی عقلِ ناقص اور دلِ مردہ میں آئے کہہ دیتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ حضرتؐ کی شان ایک چٹھی رساں کی سی تھی جیسے وہ خط پہنچا دیتا ہے ایسے ہی حضورؐ بھی حکمِ خدا پہنچا دیتے تھے۔ کوئی کہتا ہے حضرتؐ اُمّی تھے کوئی کہتا ہے قبلِ بعثت ان کو کچھ نہیں آتا تھا۔ جب انشراحِ صدر کر کے جبریلؑ نے حضرتؐ کے دل سے نکتۂ سیاہ نکال دیا تب عالم بنے۔ کوئی کہتا ہے قبلِ بعثت نہ کتاب کو جانتے تھے نہ ایمان کو۔ غرض جتنے منہ اتنی بکواسیں۔

---

(۴۳) سُوْرَۃُ زُخْرُفٍ مَکِّیَّۃٌ (۶۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰہُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ﴿۳﴾ وَاِنَّہٗ فِیْٓ اُمِّ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ ؕ﴿۴﴾ اَفَنَضْرِبُ عَنْکُمُ الذِّکْرَ صَفْحًا اَنْ کُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ ﴿۵﴾ وَکَمْ اَرْسَلْنَا

مع

مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ﴿۶﴾ وَمَا یَاْتِیْہِمْ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَہْزِءُوْنَ ﴿۷﴾ فَاَہْلَکْنَآ اَشَدَّ مِنْہُمْ بَطْشًا وَّمَضٰی مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸﴾

حا۔م۔ روشن کتاب (قرآن) کی قسم ہم نے عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم اس کو سمجھو۔ یہ قرآن ہمارے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہے جو عالی مرتبہ اور پُر از حکمت ہے۔ کیا اس وجہ سے کہ تم زیادتی کرنے والے لوگ ہو ہم نصیحت کرنے سے درگزر کریں گے (ہرگز نہیں)۔ ہم نے پہلے زمانوں میں بھی بہت سے نبی بھیجے۔ مگر جب کوئی نبی ان کے پاس آیا تو انہوں نے مذاق ہی اُڑایا تو ہم نے بھی ان لوگوں کو جو بڑی قوت والے تھے ہلاک کر ڈالا اور ان کے افسانے جاری ہو گئے۔

جو لوگ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ قرآن معمولی کتاب نہیں ہے اس میں قدرتِ خدا کی بڑی واضح اور روشن نشانیاں ہیں اور اس کی اصل یعنی لوحِ محفوظ ہمارے پاس ہے۔ یہ رسولؐ کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے (اے اہلِ مکہ) کیا اس وجہ سے کہ تمہاری سرکشی حد سے بڑھ گئی ہے ہم تمہیں پند و نصیحت کرنے سے رُک جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ ہمارا کام تم پر حجت تمام کرنا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے لوگ بھی ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ کہ جب ان کے پاس ہمارا کوئی نبی آیا تو لگے اس کا مذاق اڑانے۔ تو کیا ہم ان کے اس گستاخانہ رویہ سے تنگ آ کر رسول بھیجنے اور کتابیں نازل کرنا بند کر دیتے اور اُن کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیتے اور کل روزِ قیامت اُن کو یہ عذر کرنے کا موقع دے دیتے کہ ہمارے پاس تو کوئی ہدایت کرنے والا آیا ہی نہ تھا پھر ہم سے باز پُرس کیسی۔ ہمارے رسول بھی آتے رہے اور کتابیں بھی نازل ہوتی رہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ان میں جو سرکش اور بڑے گھمنڈی تھے ان کو ہلاک کر دیا تاکہ ان کے قصے لوگوں کے لیے باعثِ عبرت ہوں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَہُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَہُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ۙ﴿۹﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَہْدًا وَّجَعَلَ لَکُمْ فِیْہَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَہْتَدُوْنَ ۚ﴿۱۰﴾ وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ

مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ (١١) وَالَّذِيْ

خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ (١٢)

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ

تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ (١٣) وَاِنَّآ

اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (١٤)

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ صرف یہ کہیں گے کہ اُس خدا نے پیدا کیا ہے جو سب پر غالب اور علم والا ہے اور وُہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جھُولا بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنائے تاکہ تم راہ معلوم کرو۔ اور وہ وہی ہے جس نے اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی برسایا پھر اس (کے ذریعہ) سے مردہ شہر کو زندہ کیا۔ اسی طرح تم بھی (قیامت کے دن قبروں سے) نکالے جاؤ گے۔ اور وہ وہی ہے جس نے ہر قسم کی چیزوں کے جوڑے پیدا کیے اور تمہارے لیے کشتیاں بنائیں اور چوپائے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھو اور اپنے پروردگار کا احسان یاد کر کے کہو، وہ خدا ہر عیب سے پاک ہے جس نے اس کو ہمارا تابعدار بنایا حالانکہ ہم تو اس پر قابُو پانے والے نہ تھے اور ہم کو تو یقیناً اپنے پروردگار کی طرف لَوٹ کر جانا ہے۔

جو لوگ خدا کا شریک دوسروں کو بناتے ہوئے ہیں اُن سے اگر پوچھا جائے کہ آسمان و زمین کو کس نے بنایا ہے تو وہ یہی کہیں گے اللہ نے۔ یعنی ان کے ضمیر سے یہی آواز نکلے گی کیونکہ ان کے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کسی میں بھی یہ طاقت ان کو نظر نہ آئے گی کہ وہ ان چیزوں کو پیدا کر سکے۔

اب اس کے بعد بنی نوع انسان پر جو اس کے احسانات ہیں ان کا ذکر فرماتا ہے۔

۱۔ اس نے زمین کو جھُولا بنایا جو حرکت میں رہتی ہے اور تقریباً ساڑھے چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے لیکن تم کو ذرا جھٹکا محسوس نہیں ہوتا بڑے اطمینان سے اس پر چلتے پھرتے ہو۔ اس کے اندر نہ معلوم کتنے آتشیں مادّے بھرے ہوئے ہیں مگر وہ تمہاری راحت میں خلل انداز نہیں ہوتے۔ پھر دیکھو اتنی چوڑی چکلی زمین میں پہاڑوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ ہے کہ چلا جاتا ہے۔ سمندر ہیں کہ دو تہائی زمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔

پھر دریا ہیں ندی نالے ہیں غار ہیں کھڈ ہیں۔ مگر باوجود ان سب کے قادرِ مطلق نے تمہارے آنے جانے کے لیے راستے بھی بنا دیئے ہیں تاکہ تم آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ سکو۔ پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں، دریاؤں میں گھاٹ ہیں۔ میدانوں میں درخت اور ٹیلے ہیں جن سے تم راستہ کا پتہ لگا لیتے ہو۔ اگر یہ نہ ہوں تو تم ایک ہی مقام پر رہ جاؤ۔

۲۔ کیا اس کا یہ احسان بھُلا دینے کے قابل ہے کہ وہ اپنی رحمت سے ہر جگہ بقدرِ ضرورت آسمان سے مینہ برساتا ہے۔ جس سے اس علاقہ کی بے جان مٹی میں جان پڑ جاتی ہے اور پھر وہ اپنے دبے ہوئے خزانے اگلنے شروع کر دیتی ہے کھیت لہلہانے ہیں۔ پھلواریاں مہکتی ہیں۔ گھاس اگتی ہے۔ درختوں کے پودے سر نکالتے ہیں۔ غرض جنگل میں منگل ہونے لگتا ہے۔ پس جیسے زمین میں یہ دبے ہوئے پودے یکایک نکل آتے ہیں ایسے ہی وہ قیامت میں تم سب کو قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔

۳۔ ذرا اپنی کشتیوں پر نظر کرو تم لکڑی کے تختے جوڑ جاڑ کر ایک کشتی کی صورت میں دریا کے اندر ڈال دیتے ہو۔ ان کے ذریعے ان کا چلانے والا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے والا خدا کے سوا کون ہے۔ اگر ہوا رک جائے تو کیا تمہاری یہ طاقت ہے کہ ایک انچ آگے بڑھا سکو۔ کیا تمہاری طاقت ہے کہ طوفانی موجوں کے تھپیڑوں سے اُسے بچا سکو۔

۴۔ اچھا اسے چھوڑو، یہ تو تمہارے دریائی سفر کا بندوبست ہے۔ اب خشکی کی طرف آؤ۔ یہاں تمہاری مشکل آسان کرنے کے لیے اس نے چوپائے پیدا کر دیئے۔ ہاتھی، اُونٹ۔ گھوڑے۔ خچر جن کی پیٹھ پر سوار ہو کر تم ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہو۔ اپنا بھاری سامان ان پر لاد کر سینکڑوں میل دُور نکل جاتے ہو۔ اگر یہ نہ ہوتے تو بتاؤ کیا کرتے۔ کیا اس کی یہ نعمتیں قابلِ شکر نہیں۔ کیا تم ان ڈیل ڈول والے سرکش جانوروں کو اپنے قابُو میں لا سکتے تھے۔ وہ تو وہی ہے جس نے اپنی رحمت سے ان چوپاؤں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا اور ایسا تابعدار بنایا کہ جہاں چاہو لے جاؤ۔

ان سب سہولتوں کے بعد ایک دن تمہاری بازگشت خدا کی طرف ہو گی۔ تو کچھ تیاری اس دن کے لیے بھی کر رہے ہو یا یوں ہی خالی ہاتھ چلے جاؤ گے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ (١٥) اَمِ اتَّخَذَ

مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ (١٦) وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا

ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (١٧) اَوَمَنْ

يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ (١٨) وَجَعَلُوا

الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾

اوران لوگوں نے خدا کے لیے اس کے بندوں میں سے اولاد قرار دی ہے۔ بے شک انسان کھُلم کھُلا ناشکرا ہے کیا خدا نے اپنی مخلوقات میں سے خود تو بیٹیاں لی ہیں اور تم کو چُن چُن کر بیٹے دیے ہیں حالانکہ ان میں جب کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کی مثل اُس نے خدا کے لیے بیان کی ہے تو وُہ غصّہ کے مارے سیّاہ ہوجاتا ہے اور تاؤ پیچ کھانے لگتا ہے۔ کیا وہ عورت جو زیوروں میں پالی پوسی جائے اور جھگڑے میں (اچھی طرح) بات نہ کرسکے (خدا کی بیٹی ہوسکتی ہے) ان لوگوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں (خدا کی) بیٹیاں بنایا ہے۔ کیا یہ لوگ فرشتوں کی پیدائش کے وقت دیکھ رہے تھے۔ ابھی تو ان کی گواہی قلمبند کرلی جاتی ہے اور قیامت میں ان سے باز پرس کی جائے گی۔ کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ ان کو اس کی کچھ خبر ہی نہیں یہ لوگ تو بس اٹکل پچّو باتیں کیا کرتے ہیں۔ کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی کہ یہ لوگ اُسے پکڑے ہوئے ہیں۔

ایسے لوگ بھی دُنیا میں ہوتے ہیں جنہوں نے خدا کے بندوں کو اس کی اولاد بنا ڈالا۔ کیا مزہ کی بات ہے کہ لوگ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور خدا کے لیے بیٹیاں۔ جاہلیت کے زمانہ میں جب کسی کو خبر دی جاتی تھی کہ تیرے لڑکی پیدا ہوئی ہے تو غصّہ سے اس کا چہرہ سُرخ پڑجاتا تھا۔ ایسی مخلوق کو جو زیوروں میں پلی بڑھی ہو جو جھگڑوں میں سیدھی طرح بات نہ کرسکتی ہو، وُہ بھلا خدا کی بیٹی کیسے ہوسکتی ہے۔ ان عقل کے دُشمنوں نے یہ عقیدہ بنالیا ہے کہ ملائکہ عورتیں ہیں۔ بھلا ان سے پوچھو کیا یہ اُن کی پیدائش کے وقت موجود تھے کیا یہ دیکھ رہے تھے کہ یہ مرد ہیں یا عورت۔ ان کی یہ باتیں اٹکل پچّو ہیں جو جی میں آیا کہہ دیا۔ ان کے پاس کیا ثبوت اس بات کا ہے کہ فرشتے عورتیں ہیں کیا آسمان سے کوئی کتاب ان پر نازل ہوئی ہے جس سے ان کے مؤنث ہونے کا پتہ چلا ہے۔ باوجودیکہ ان کو لڑکیوں سے سخت نفرت ہے پھر بھی ان کی طرف ایسے مائل ہیں کہ اپنے

بتوں کے نام بھی مؤنث رکھ چھوڑے ہیں۔ جیسے نائلہ۔ عزّیٰ وغیرہ۔ کبھی تو مؤنث سے اتنی نفرت کہ لڑکی پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیں کبھی اس کی اتنی عزت کہ ملائکہ بھی مؤنث اور بُت بھی مؤنث۔

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَاۗءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع

(ان کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں کہ) کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس طریقہ پر پایا ہے پس ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اس طرح تم سے پہلے جب ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (رسول) بھیجا تو وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس طریقہ پر پایا تھا۔ پس ہم انہی کے قدم بقدم چلے جا رہے ہیں۔ اس پر ان کے پیغمبر نے کہا اگرچہ میں اس سے بہتر طریقہ تمہارے لیے لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا (تو بھی نہ مانو گے) انہوں نے کہا ہم تو اس دین کو ماننے والے نہیں۔ جو تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے۔ تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہُوا۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ تقلید آدمی کی چشم بصیرت پر پردہ ڈال دیتی ہے اور یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتی کہ جن کی ہم پیروی کر رہے ہیں وہ صحیح راستہ پر تھے یا غلط راستہ پر۔ بُت پرست قوموں میں سب جاہل ہی نہیں ہوتے بڑے بڑے صاحبانِ علم و فہم بھی ہوتے ہیں فلاسفر ہوتے ہیں سائنسدان ہوتے ہیں۔ موجدین و مخترعین ہوتے ہیں۔ کیا ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ یہ پتھر کے بے جان بُت جو انسانوں نے ہاتھوں سے گھڑ لیے ہیں ان میں کیا طاقت

ہوسکتی ہے ان سے کسی دُعا کے قبول ہونے کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ وہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہیں مگر تقلید کا جو بھاری طوق اُن کی گردن میں پڑا ہوا ہے وہ انہیں کچھ نہیں کرنے دیتا۔ بُت پرستی کو قوت دینے والی صرف یہی چیز تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر بستی میں سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت سے انحراف کرنے والے وہاں کے مالدار لوگ تھے جس کی کئی وجوہات ہیں :

۱- وہ نہیں چاہتے کہ پبلک پر اُن کے سوا کسی دوسرے کی حکومت ہو خواہ جسمانی ہو یا رُوحانی۔
۲- اُن کے لایعنی مشاغل اتنا موقع ہی نہیں دیتے کہ وہ انبیاءؑ کی تعلیم پر غور کریں اور حق و باطل میں تمیز کریں۔
۳- اپنی دولت کے گھمنڈ میں اُن کی نظر میں انبیاءؑ کی کوئی وقعت ہی نہ ہوتی تھی۔
۴- انبیاء کو وہ چھوٹا سمجھتے تھے اس لیے ان کی بات پر غور کرنا عبث جانتے تھے۔
۵- وہ اپنے سے اپنے باپ دادا کو زیادہ عقلمند سمجھتے تھے۔
۶- انبیاء علیہم السلام لاکھ لاکھ انہیں سمجھاتے کہ جو طریقہ ہم تعلیم کرتے آئے ہیں وہ تمہاری دینی اور دنیوی فلاح کے لیے بہتر ہے۔ اس کو کیوں نہیں مانتے۔ اس کے جواب میں وہ ہٹی اور ضدی یہی کہتے کہ ہم تمہارے بتائے ہوئے طریقہ پر ہرگز عمل نہیں کریں گے۔

جب معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا تھا تو پھر خدا ان کی سرکشی اور نافرمانی کی سزا دینے پر آمادہ ہوتا تھا۔ اس لیے سخت سے سخت عذاب قوموں پر نازل ہوتے تھے تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا

بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

(وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ اور اُس کی قوم سے کہا جن چیزوں کی تم لوگ عبادت کرتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ میں تو اُسی کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہی بہت جلد مجھے ہدایت کرے گا۔ ابراہیم اپنی اولاد میں ہمیشہ باقی رہنے والی یہی بات چھوڑ گئے تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ میں ان کو اور ان کے باپ دادا کو فائدہ پہنچاتا رہا۔ لیکن جب ان کے پاس دینِ حق اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول آیا تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے۔ ہم اس کو نہیں مانتے اور یہ بھی کہا کہ یہ قرآن دو بڑی بستیوں (مکّہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اے رسول، کیا یہ تیرے رب کی رحمت کو بھی تقسیم کرنے لگے ہم نے تو ان کے درمیان ان کی روزی دنیا کی زندگی میں بانٹ ہی دی ہے اور ایک کے دُوسرے پر درجے بلند کیے ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے سے خدمت لے اور جو مال و متاع یہ لوگ جمع کرتے ہیں خدا کی رحمت (پیغمبر) اس سے کہیں بہتر ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے والدِ گرامی کا نام تارخ تھا۔ آذر آپؑ کا چچا تھا۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش سے قبل آپؑ کے والد کا انتقال ہوگیا تھا اور چچا کی پرورش میں آگئے تھے اس لیے چچا کو باپ کہتے تھے۔ آذر کافر تھا اور بُت تراش تھا۔ چاہتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ بھی بُت پرست بن جائیں۔ آپؑ نے صاف صاف اس سے اور اس کی قوم سے کہدیا کہ جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا معبود تو وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ میرا رب میری ہدایت کے لیے کافی ہے۔ یہ کلمۂ توحید ان کی اولاد میں ہمیشہ کے لیے باقی رہا۔

ان کی قوم کے لوگوں کو خدا نے مدت تک خوش حال بنائے رکھا۔ لیکن جب ان کے پاس خدا کا رسولؐ کلمہ حق لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ یعنی حضرت رسولِ خداؐ کی رسالت کے ماننے سے انکار کردیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ تمام اولادِ ابراہیمؑ میں صرف محمدؐ ہی اس قابل تھے کہ ان کو رسول بنایا جائے۔ آخر ان کو ہم پر کیا برتری حاصل ہے۔ مکہ میں ولید بن مغیرہ۔ عتبہ بن ربیعہ اور طائف میں عروہ بن مسعود۔ حبیب بن عمرو جیسے سیٹھوں کے موجود ہوتے ہوئے

ان جناب کو کس فوقیت کی وجہ سے رسول بنایا گیا ہے۔ ایک ایسے شخص کو ہم کیونکر خدا کا رسول مان لیں جسے کوئی فضیلت ہم پر نہیں
خدا فرماتا ہے، اے رسولؐ! کیا یہ لوگ تمہارے رب کی رحمت (رسالت) کو بھی تقسیم کرنے لگے۔ حالانکہ ہم ان کے درمیان دنیا کی دولت کو تقسیم کر چکے ہیں اور از راہِ دولت بعض کے درجات بعض سے بلند کر چکے ہیں تاکہ بلند مرتبہ والے کم درجہ والوں سے خدمت لے سکیں۔ یہ لوگ جو مال و دولت جمع کر کے فخر کر رہے ہیں۔ خدا کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔

یہ آیت صاف اس بات کی دلیل ہے کہ خدائی عہدے مال و دولت پر تقسیم نہیں ہوتے نہ چھٹے پڑٹیے جاتے ہیں۔ بلکہ اللہ جسے مناسب سمجھتا ہے رسول بناتا ہے۔ یہ دولت دنیا کی طرح تقسیم ہونے والی چیز نہیں۔ یہی قاعدہ نیابتِ رسولؐ کے لیے بھی ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ رسالت اور خلافت ایک ہی خاندان میں جمع نہیں ہو سکتیں اور اس کو جام و ساغر کی طرح گردش میں رہنا چاہیے۔ کون اس کا اہل ہو سکتا ہے؟ خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا والوں کے بنائے ہوئے چند ہی روز بعد نظروں سے گر جاتے ہیں اور کسی دوسرے کو ان کی جگہ بٹھا دیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے خدا کے انتخاب میں آئے ہوئے کبھی اپنے عہدہ سے معزول نہیں ہوتے۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ

ع ۹

وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی طرح کے ہو جائیں گے تو ہم ان کے لیے جو خدا سے انکار کرتے ہیں ان گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں جن سے وہ چڑھتے اُترتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت جن پر تکیہ لگاتے ہیں سب چاندی سونے کے بنا دیتے اور آخرت کا سامان تمہارے پروردگار کے ہاں پرہیزگاروں کے لیے ہے اور جو شخص خدا کی یاد سے اندھا بنتا ہے ہم اس کے واسطے شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ وہی اس کا ہر دم کا ساتھی ہے اور وہ شیاطین ان کو خدا کی راہ سے روکتے رہتے ہیں۔ وہ اس خیال میں رہتے ہیں کہ وہ راہِ راست پر ہیں یہاں تک کہ جب (قیامت میں) ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے ساتھی شیطان سے) کہے گا کاش مجھ میں اور مجھ میں پورب پچھم کا فاصلہ ہوتا تو تو بدترین ساتھی نکلا اور جب تم نافرمانیاں کر چکے تو (شیاطین کے ساتھ) تمہارا عذاب میں شریک ہونا بھی آج تم کو (کسی عذاب میں) فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اے رسول کیا تم بہروں کو سُنا سکتے ہو، اندھے کو اور اس کو جو صریحی گمراہی میں پڑا ہو راستہ دکھلا سکتے ہو، ہرگز نہیں۔

خدا فرماتا ہے، جس سونے چاندی کی تمہاری نظر میں بڑی وقعت ہے اور اس کی وجہ سے تم امیروں کو سر چڑھا لیتے ہو اور سمجھتے ہو جو کچھ ہیں سب یہی ہیں۔ ان کے مقابل ہمارے رسولؐ کو حقیر سمجھتے ہو۔ ہماری نظر میں ان کے مال و دولت کی کیا قدر ہے۔ اگر ہمیں یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ دولت کے بڑھ جانے سے کفر میں زیادتی نہ ہو جائے گی تو ہم ان کے گھروں کی چھتیں، ان کے در و دیوار، ان کے مکان ان کے دروازے اور ان کے زینے سب سونے چاندی کے بنا دیتے۔ یہ تو متاعِ دنیا ہے ہمارے نزدیک اس کی کیا قدر ہے۔ فرعون کے پاس کتنا بڑا خزانہ تھا کہ اس کی کنجیاں بہت سے لوگ اٹھا کر چلتے تھے۔ اس نے سونے کے گھر بنا لیے تھے لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ نافرمانی کی بنا پر وہ بھی زمین میں دھنسا اور اس کا خزانہ بھی۔

آخرت کا گھر تو متقیوں کے لیے ہے۔ وہاں جو سامان ان کو ملے گا وہ دوامی ہو گا۔ جو لوگ ذکرِ خدا کو بھولے بیٹھے ہیں ہم نے شیطان کو ان پر مسلط کر دیا ہے جو انہیں بہکاتا رہتا ہے۔ جب قیامت میں ایسے لوگ ہمارے سامنے آئیں گے تو اس وقت سمجھ میں آ جائے گا کہ شیطان ان کا کیسا بُرا ساتھی تھا۔ اس وقت دونوں عذاب میں یکساں شریک ہوں گے۔ اُس وقت شیطان سے بیزاری کوئی فائدہ نہ دے گی۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَ

عِدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع

اے رسول اگر ہم تم کو دُنیا سے اُٹھا لیں تب بھی ہم ان سے انتقام ضرور لیں گے یا تمہاری زندگی ہی میں جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا ہے تمہیں دکھا دیں گے۔ بے شک ہم ان پر ہر طرح قدرت رکھتے ہیں پس تم پر جو وحی کی گئی ہے اُسے مضبوط پکڑے رہو بے شک تم سیدھے راستہ پر ہو۔ بے شک یہ قرآن تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے بڑا شرف ہے عنقریب ان سے باز پُرس کی جائے گی تم سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے تھے ان سے پوچھو کیا ہم نے خدا کے سوا کچھ اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔

رسولؐ کی تسلّی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے تمہاری بات کان لگا کر نہیں سُنی اور تمہاری ہدایت پر عمل نہیں کیا ان کو اس سرکشی کی سزا ضرور ملے گی۔ ہمارا جو وعدہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ خواہ تمہاری زندگی ہی میں پورا ہو یا تمہارے اُٹھائے جانے کے بعد۔ ان کافروں کو اس کی طرف سے مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ تمہیں جو وحی کی گئی ہے اس پر قائم رہو تمہارا راستہ بالکل سیدھا ہے اسی پر چلے جاؤ اور بال برابر ہٹنے کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ یہ کافر جو کچھ بک رہے ہیں بکنے دو۔ اس خدائی راستہ پر چلنا تمہارے لیے بھی باعث شرف ہے اور تمہاری قوم کے لیے بھی۔ اے رسولؐ، تم سے پہلے جو رسول آئے تھے، اُن کی زندگی کے طریقوں پر غور کرو اور جو آیات ہم نے ان کو بھیجی تھیں اُن پر ایک نظر ڈالو۔ کیا ہم نے کبھی کسی نبی کے زمانہ میں خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم دیا ہے، ہرگز نہیں! پس کیسے ممکن ہے کہ ان کافروں کے دندنکار مچانے اور تم کو ستانے کی بنا پر ہم بُت پرستی پر راضی ہو جائیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف اپنے معجزات دے کر روانہ کیا۔ موسیٰ نے اُن سے کہا، میں رب العالمین خدا کا رسول ہوں۔ جب وہ ہمارے معجزات کے ساتھ ان کے پاس گئے تو وہ ان معجزات کا مذاق اڑانے لگے اور ہم جو معجزہ ان کو دکھاتے تھے وہ پہلے سے بڑھ کر ہوتا تھا اور جب وہ نہ مانے تو ہم نے ان کو عذاب میں دھر لیا۔ جب (عذاب میں گرفتار ہوئے تو) کہنے لگے اے جادوگر اُس عہد کے مطابق جو خدا نے تم سے کیا ہے اپنے رب سے ہمارے لیے دُعا کرو تو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے۔

جب حضرت موسیٰؑ فرعون اور اس کی قوم کے پاس آئے اور ان کو ہدایت کی اور بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت چاہی تو فرعون اور اس کی قوم نے مذاق اُڑانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد عذابوں کے نزول کا سلسلہ شروع ہؤا۔ پہلے قحط کا عذاب آیا۔ پھر شدید بارش اور بجلی کی کڑک چمک کا، پھر ان کے کپڑوں اور جسم میں جوئیں پیدا ہونے کا۔ پھر پانی کے خون ہو جانے کا، پھر جا بجا مینڈکیں پیدا ہونے کا۔ جو ظرف اُٹھاتے اس میں مینڈک نظر آتے۔ غرض جو عذاب آیا وہ پہلے سے زیادہ سخت ہوتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ مصیبت کسی طرح ٹلتی ہی نہیں تو حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگا، اے جادوگر، خدا سے دعا کر، یہ عذاب ہم سے ٹال دے تاکہ ہم راہِ راست پر آجائیں۔

یہاں حضرت موسیٰؑ کو "اے جادوگر" کہہ کر خطاب کیا ہے جس کی مفسرین نے کئی وجہیں لکھی ہیں:

۱- چونکہ فرعون کی نظر میں جادوگروں کی بڑی وقعت تھی لہٰذا اس نے حضرت موسیٰؑ کو تعظیماً جادوگر کہا۔
۲- چونکہ جادوگروں کو وہ حقیر سمجھتا تھا اس لیے جادوگر از راہ تذلیل کہا۔
۳- چونکہ معجزہ اور جادو میں اُسے تمیز نہ تھی لہٰذا جادوگر کہا۔
۴- چونکہ وہ معجزہ کو جادو ہی جانتا تھا اس لیے جادوگر کہا۔

فرعون جب ایک عذاب سے نجات پاتا تھا تو پھر اپنے وعدہ سے پھر جاتا تھا۔ اس کو یہ شرم لاحق نہ ہوتی تھی کہ جب میں خدا

بنا ہوا ہوں تو موسٰی علیہ السلام کو اپنے سے اعلیٰ کیسے قرار دوں۔ دوسرے اس کی قوم کے سردار بھی اُسے موسٰیؑ کی پیروی سے روکتے رہتے تھے۔ تیسرے اُسے یہ اندیشہ تھا کہ اگر موسٰیؑ نے ملک مصر پر قبضہ کر لیا تو میری بادشاہت ختم ہو جائے گی۔

فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرۡعَوۡنُ فِىۡ قَوۡمِهٖ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَيۡسَ لِىۡ مُلۡكُ مِصۡرَ وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِىۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۵۱﴾ اَمۡ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ هُوَ مَهِيۡنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيۡنُ ﴿۵۲﴾

جب ہم نے ان سے عذاب کو ہٹا لیا تو فوراً عہد کو توڑ بیٹھے۔ فرعون نے اپنی قوم سے کہا پکار کر، اے میری قوم کیا یہ ملک مصر میرا نہیں ہے کیا یہ نہریں جو ہمارے محل کے نیچے بہہ رہی ہیں ہماری نہیں ہیں۔ کیا تم کو بھی نہیں سُوجھتا۔ کیا میں اس شخص (موسٰیؑ) سے جو ذلیل ہے اور (ہکلے پن کی وجہ سے) صاف بات نہیں کر سکتا بہتر نہیں ہوں۔

فَلَوۡلَاۤ اُلۡقِىَ عَلَيۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ مُقۡتَرِنِيۡنَ ﴿۵۳﴾ فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ فَاَطَاعُوۡهُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۵۵﴾ لا فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۵۶﴾ ع وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ يَصِدُّوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوۡۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَيۡرٌ اَمۡ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ ﴿۵۸﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا

عَلَيۡهِ وَجَعَلۡنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿۵۹﴾ ط وَلَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ مَّلٰٓئِكَةً فِى الۡاَرۡضِ يَخۡلُفُوۡنَ ﴿۶۰﴾

(اگر موسٰیؑ مجھ سے بہتر ہوتا تو) اُس کے لیے (خدا کے ہاں سے) سونے کے کنگن کیوں نہیں اُتارے گئے۔ یا اُس کے ساتھ فرشتے جمع ہو کر آتے۔ غرض فرعون نے (باتیں بنا کر) اپنی قوم کی عقل مار دی اور وُہ لوگ اُس کے تابعدار بن گئے وہ لوگ بدکار تھے ہی۔ جب ان لوگوں نے ہم کو جھنجلا دیا تو ہم نے بھی ان سے بدلہ لے لیا۔ ان سب کو ڈبو دیا۔ جسے ہم نے گیا گزرا اور پیچھے آنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔ اور اے رسول جب مریم کے بیٹے (عیسٰیؑ) کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تمہاری قوم کے لوگ کِھل کِھلا کر ہنسے اور کہنے لگے کہ بھلا ہمارے معبُود اچھے ہیں یا وُہ (عیسٰیؑ)۔ ان لوگوں نے جو عیسٰی کی مثال تم سے بیان کی ہے تو صرف جھگڑنے کو۔ بلکہ حق یہ ہے کہ وہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ عیسٰی تو بس ہمارے ایک بندے تھے جس پر ہم نے احسان کیا (نبی بنایا اور معجزے دیئے) اور بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کا نمونہ بنایا۔ اگر چاہتے تو تم ہی لوگوں میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمہاری جگہ زمین پر رہتے۔

جب پہلا عذاب ہٹ گیا تو اس خیال سے کہ قوم اس سے برگشتہ نہ ہو جائے، وہ ایک ٹیلہ پر جا چڑھا اور بآوازِ بلند اپنی قوم کو وہاں بُلایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو کہنے لگا۔ لوگو، کیا میں اس ملک مصر کا بادشاہ نہیں ہوں۔ کیا یہ سب میری ملکیت نہیں۔ کیا یہ نہریں جو میرے محل کے نیچے بہہ رہی ہیں میری ملکیت نہیں۔ ذرا سوچ سمجھو۔ اس شخص یعنی موسٰیؑ کی حقیقت میرے سامنے کیا ہے۔ ایک چھوٹا آدمی ہے۔ کمبل کا کرتا پہنے ہوئے اور ایک چھڑی ہاتھ میں لیے بھٹے ہے۔ اُسے تو بات کرنی بھی نہیں آتی ہکلا کر بولتا ہے۔ غور تو کرو، اگر یہ خدا کا فرستادہ ہوتا تو اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن نہ ہوتے۔ (اس زمانہ میں بادشاہوں کا دستور تھا کہ سونے کے کنگن پہنتے تھے)۔ اور اگر اس کے خدا کی سلطنت میں یہ رواج نہ تھا تو کم سے کم کچھ فرشتے ہی اس کے ساتھ بھیجے جاتے جو اس کی گواہی دیتے کہ یہ خدا کا فرستادہ ہے۔ غرض اس نے ایسی باتیں کر کے قوم کی عقل مار دی۔ اور وہ سب اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ اور اس کی اطاعت پر بدستور قائم رہے۔ بدکار لوگ تھے اس کی مخالفت کی جرأت کیسے کرتے۔ اس سرکشی اور مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عذابِ الٰہی نے اُنہیں لے ڈالا اور اُن سب کو غرق کر دیا گیا اور اُن کی یہ ہلاکت آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا ایک افسانہ ہو گئی۔

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے جتنے پیغمبر بھیجے ان میں سے کسی نے بھی نہیں کہا تھا کہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کرو۔ اس سلسلہ میں حضورؐ ایک روز بتوں کی مذمت کر رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ

جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ الانبیآء " (تم اور وہ چیزیں جن کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے) - یہ سُن کر کفار کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ غصہ میں عبداللہ بن زبعیر کو حضرتؐ کے مقابلہ کے لیے لے آئے۔ اُس نے کہا، اگر آپؐ یہ کہتے ہیں کہ پوجنے والے اور جن کی پوجا کی جاتی ہے سب جہنم رسید ہوں گے تو اس سے فرشتوں کا حضرت عیسیٰؑ و عزیر کا بھی جہنمی ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ لوگ تو ان کی بھی پرستش کرتے ہیں۔ یہ سُن کر آپؐ ان کی نادانی پر چُپ رہے۔ اُس نے کہا، بس ہم جیت گئے اور اس کے ساتھی قہقہے لگانے اور غل مچانے لگے کہ میدان مار لیا۔ حالانکہ یہ اس کمبخت کی بے عقلی کی دلیل تھی۔

خدا نے مذکورہ آیت میں لفظ مَا استعمال کیا ہے جو بے جانوں پر بولا جاتا ہے۔ ہاں اگر اس کی جگہ لفظ مَن ہوتا تو البتہ جاندار بھی اس میں شامل ہوتے۔

اس موقع پر آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا، اے علیؑ، تمہاری مثال بھی عیسیٰؑ جیسی ہے کہ کچھ لوگ تو ان کی دوستی میں گمراہ ہوئے اور کچھ ان کی دشمنی میں۔ یہ سُن کر منافقین کہنے لگے، آپؐ کو بھی عیسیٰؑ کے سوا کوئی دوسری مثال ہی نہ ملی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور اسی کی مؤید وہ روایت ہے جس کو امام احمد حنبل نے آٹھ طریقوں سے اور صواعق محرقہ میں ابنِ حجر نے بیان کیا ہے۔

کفار کا کہنا یہ بھی تھا کہ آیا ہمارے معبود اچھے ہیں یا عیسیٰؑ۔ یہ مسئلہ انہوں نے صرف جھگڑا کرنے کے لیے چھیڑا تھا۔ ورنہ حضرت عیسیٰؑ کا معبود ہونے سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ وہ خواہ مخواہ اُن کو اپنے معبودوں کے مقابلہ میں لا رہے تھے۔

عیسیٰؑ تو خدا کے ایک بندے تھے جن پر خدا نے بہت سے احسان کیے تھے۔ مثلاً مردہ کو زندہ کرنا، کوڑھیوں اور جذامیوں کو اچھا کرنا۔ چڑیا بنا کر اڑانا۔ ان باتوں سے وہ خدا تو نہیں بن گئے تھے۔

خدا فرماتا ہے ہم جیسا چاہیں کسی کو بنا دیں۔ ہماری قدرت میں سب کچھ ہے۔ عیسیٰؑ کا ذکر کیا ہم تم میں سے جن کو چاہیں فرشتے بنا دیں کہ اس زمین پر وہ تمہارے قائم مقام بن کر رہیں۔

بہر حال ہمارے انبیاءؑ جو معجزات دکھاتے ہیں وہ ہمارے حکم سے دکھاتے ہیں۔ اس سے ان کا خدا ہونا لازم نہیں آتا۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ

هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾

وہ (عیسیٰ) قیامت کی ایک روشن دلیل ہے تم لوگ اس میں ہرگز شک نہ کرو اور میری پیروی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے شیطان تم لوگوں کو اس سے روک نہ دے۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ جب عیسیٰ واضح اور روشن معجزے لے کر آئے تو لوگوں سے کہا، میں تمہارے پاس دانائی (کتاب) لے کر آیا ہوں۔ تاکہ جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے تم کو صاف صاف بتلا دوں کہ تم خدا سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ پس اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کو علامتِ قیامت فرمایا گیا ہے۔ یعنی کس لحاظ سے وہ علامتِ قیامت ہیں۔ آپؑ کا قربِ قیامت آسمان سے نزول ہے۔ سُرف الوردی اور کتاب صراط سویٰ میں بکثرت احادیث اس بارہ میں موجود ہیں کہ جب قائم آلِ محمد حضرت امام مہدی آخرالزمان کا ظہور قربِ قیامت میں ہوگا تو اس وقت حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اُتریں گے اور امام آخرالزمانؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ مرزائیوں کا یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں اس آیت کی رُو سے غلط ہے۔ صواعق محرقہ اور درمنثور سیوطی میں ہے کہ یہ آیت امام آخرالزمانؑ کے ظہور کے ثبوت میں ہے۔

اس سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کا اشارۃً ذکر کر کے ان کی عبدیت کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر ان کو علامتِ قیامت بیان کر کے ان کی عبدیت ظاہر کی گئی۔ ان سب باتوں کے بیان سے غرض یہ ہے کہ وہ نہ خدا ہیں اور نہ اُس کے شریک بلکہ خدا کے خاص بندے ہیں۔ پس اے اہلِ مکہ تم ان کے بارہ میں کیوں شک میں پڑے ہوئے ہو۔ میرا اتباع کرو کہ یہی سیدھا راستہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ پُر از حکمت کتاب لے کر آئے تھے تاکہ بنی اسرائیل میں جو اختلاف ہے اس کو مٹا دیں۔ انہوں نے لوگوں سے کہا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا اور تمہارا دونوں کا رب ہے اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾

(اس کے بعد) ان میں سے کئی اختلاف کرنے لگے۔ پس جن لوگوں نے ظلم کیا ان پر دردناک دن کے عذاب آنے کا افسوس ہے۔ کیا یہ لوگ قیامت ہی کے منتظر بیٹھے ہیں کہ اچانک ان پر آ ہی جائے اور ان کو خبر تک نہ ہو۔ دوست اُس دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے مگر پرہیزگار (کہ وہ دوست ہی رہیں گے اور خدا ان سے کہے گا) اے میرے بندو، آج نہ تم کو کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور ہمارے فرمانبردار رہے (ان سے کہا جائے گا) تم مع اپنی بی بیوں کے اعزاز و اکرام کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

یعنی حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک گروہ نے (معاذ اللہ) ان پر ناجائز ہونے کی تہمت لگائی اور اُن سے اس درجہ شدید عداوت رکھی کہ اُن کو سُولی پر چڑھوا دیا۔ اور دوسرے گروہ نے اس شدت سے محبت کی کہ (معاذ اللہ) ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ یہ لوگ جو سر تا سر ظلم کرنے والے ہیں قیامت کے دن دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

یہ لوگ جس قیامت کے منتظر ہیں وہ اچانک ان پر آ جائے گی اور انہیں خبر تک نہ ہوگی۔ ابھی انہیں پتہ نہیں کہ قیامت کا دن کیسا سخت ہوگا۔ آج دُنیا میں جو ان کے لنگوٹیا یار ہیں، جن کی صحبت میں وہ ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے ہیں قیامت کے دن وہی ان کے دشمن بن کر ان کے خلاف گواہیاں دیں گے۔ ہاں جو لوگ متقی ہیں خدا کے نیک بندے ہیں۔ وہ وہاں بھی ایک دوسرے کے دوست ہوں گے۔ جنت میں مع اپنے دوستوں اور بی بیوں کے داخل ہوں گے۔ اور خوشیاں منائیں گے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا

فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾

ان (جنتیوں) پر سونے کی رکابیوں اور پیالوں کا دَور چلے گا اور جس چیز کو ان کا دل چاہے گا، اور جس چیز سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی (سب موجود ہوگا) اور تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہاری نیک اعمال کا صلہ ہے وہاں تمہارے لیے بہت سے میوے ہیں جن کو تم کھاؤ گے اور مجرم تو ہمیشہ جہنّم کے عذاب میں رہیں گے جو اُن سے کبھی ناغہ نہ کیا جائے گا اور وہ اپنے عذاب میں ناامید ہو کر رہیں گے۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظلم کرتے رہے۔

جنت کی نعمتیں

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب انسان اس جسم مادی کے ساتھ جنت میں جائے گا اور قسم قسم کے میوے کھائے گا تو اس کے بدن سے فضلہ نکلے گا یا نہیں۔ اُن کو جاننا چاہیے کہ وہاں کے میووں کا قیاس اس دنیا کے میووں پر نہیں کرنا چاہیے جو مادی غذائیں ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ ایسے میوے ہوں گے کہ جتنے بھی انسان کھائے گا سب اس کے بدن کا جزو بن جائیں گے۔ انسان کو کھانے میں لذت محسوس ہوگی مگر اس کے شکم پر بار نہ ہوگا۔ جنت کی تمام نعمتوں کا یہی حال ہوگا۔ وہاں اس جسمِ مادی کے خصوصیات بھی بدل جائیں گے۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾ قُلْ اِنْ كَانَ

لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

دوزخیوں کی فریاد

جہنمی لوگ داروغۂ جہنم سے (گڑگڑا کر) کہیں گے اپنے رب سے دُعا کرو کہ وہ ہمیں موت دے دے وہ جواب دے گا تمہیں یہیں ٹھہرنا ہوگا۔ (اے کفارِ مکہ) ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق بات سے کراہت ہی کرتے رہے۔ کیا انہوں نے کوئی بات ٹھان لی ہے تو ہم نے بھی کچھ ٹھان لی ہے کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سُنتے۔ ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے جو ان کے پاس ہیں سب باتیں لکھتے جاتے ہیں (اے رسول) تم کہدو کہ اگر خدا کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اُس کی عبادت کرنے والوں میں سے ہوتا۔ یہ لوگ جو کچھ خدا کے متعلق بیان کرتے ہیں ہمارے آسمان و زمین کا مالک عرش کا مالک اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔

دوزخیوں کو کبھی موت نہ آئے گی۔ وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

جنت و دوزخ کا حال سُنا کر اب کفارِ مکہ سے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہارے پاس امرِ حق کو اپنے رسولؐ کے ذریعہ سے بھیجا لیکن تم نے ان کی بات کو سننا بھی گوارا نہ کیا۔ تم رسولؐ کے خلاف جو منصوبے باندھے ہوئے ہو، اور آپس میں مل کر ان کے خلاف سرگوشیاں کرتے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمیں ان باتوں کی خبر نہیں۔ ہمیں سب خبر ہے ہمارے علاوہ ہمارے فرشتے جو تمہارے کندھوں پر سوار ہیں تمہاری ایک ایک بات لکھتے جاتے ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں یا عیسٰیؑ و عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں ان سے کہو اگر خدا کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اُن کی عبادت کرتا۔ لیکن ہے ہی نہیں تو تم لوگ خواہ مخواہ کیوں اُسے اولاد والا فرض کر رہے ہو۔ ایسی باتوں سے خدا کی ذات منزّہ و مبرّہ ہے۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِى الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَ

هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ ع

(اے رسول) تم انہیں چھوڑو کہ پڑے بک بک کرتے اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کے سامنے آموجود ہو۔ وہ وہی ہے جس کی عبادت آسمان میں بھی کی جاتی ہے اور زمین میں بھی وہی معبود ہے وہ واقف کار حکمت والا ہے وہ بہت بابرکت ہے جس کے لیے آسمان و زمین اور دونوں کے درمیان کی حکومت ہے قیامت کا علم بھی اسی کو ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے خدا کے سوا یہ جس کی عبادت کرتے ہیں وہ تو سفارش کا بھی اختیار نہیں رکھتے، مگر ہاں جو سمجھ بوجھ کر حق کی گواہی دیں۔ اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے اللہ نے (پھر باوجود اس کے) یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں اور اس کو رسول کے اس قول کا بھی علم ہے کہ پروردگار یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لائیں گے تو تم ان سے منہ پھیر لو اور کہدو کہ تمہیں سلام۔ عنقریب (شرارت کا نتیجہ) یہ لوگ جان لیں گے۔

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ جو لوگ بکواسی ہیں اور آپس میں بیٹھ کر اُمورِ دین کا مذاق اُڑاتے ہیں اور لغویات میں اپنی عمر گنوا رہے ہیں انہیں چھوڑ دو۔ ان کی طرف کوئی توجہ نہ کرو۔ بات چیت تو معقول لوگوں سے کی جاتی ہے نہ ایسے مسخروں اور لایعنی لوگوں سے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آسمان کا خدا اور ہے اور زمین کا اور۔ انہوں نے اپنے خداؤں کے متعلق علاقے

تقسیم کر دیتے ہیں۔ یہ بکواس نہیں تو اور کیا ہے۔ آسمان ہو یا زمین یا ان کے درمیان کا حصّہ ہو، ہر جگہ خدا ہی کی عبادت کی جاتی ہے اور ان کو ایک خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اِن بُت پرستوں کا عقیدہ یہ ہے کہ روز قیامت اُن کے بُت ان کی سفارش کریں گے۔ نصارٰی کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسٰیؑ نے ان کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے لیا ہے اور وہ اپنی امت کی شفاعت کریں گے۔ یہودی کہتے ہیں کہ ہم تو عزیر نبی کے رشتہ سے خدا کی اولاد ہیں اور خدا کے دوستوں میں سے ہیں۔ خدا ہمارے معاملہ میں عزیر کی سفارش کو کیسے ٹال دے گا۔ ان کا یہ کہنا شیخ چلی کی سی باتیں ہیں۔ کس کی طاقت ہے کہ بغیر اس کے اذن کے شفاعت کر سکے۔ انبیاء اُن لوگوں کی کبھی سفارش نہیں کر سکتے جو خدا کے نافرمان بردار بندے تھے۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو کہیں گے "اللہ نے"۔ جب ایسا ہے تو پھر یہ خدا کی عبادت کو چھوڑ کر ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں جن کو خدا نے پیدا کیا ہے۔

وَقِیۡلِہٖ میں بعض مفسرین نے واؤ قسمیہ کہا ہے۔ یعنی قسم ہے رسولؐ کے اس قول کی کہ اے میرے پروردگار! یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ خدا ان کے اس جواب میں فرماتا ہے، ان سے درگزر کرو۔ علیحدہ ہو جاؤ۔ یہ ملنے کے قابل لوگ نہیں۔ اِن کو اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

---

(۴۴) سُوۡرَۃُ الدُّخَانِ مَکِّیَّۃٌ (۶۴)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۳﴾ فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۙ﴿۴﴾ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ۚ﴿۵﴾ رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۙ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا ۘ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ ﴿۷﴾ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ؕ رَبُّکُمۡ وَ رَبُّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸﴾ بَلۡ ہُمۡ فِیۡ شَکٍّ یَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۹﴾

فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۰﴾ یَّغۡشَی النَّاسَ ؕ ہٰذَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اکۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾

حا۔ میم۔ قسم ہے روشن کتاب کی ہم نے اس کتاب کو اس رات میں نازل کیا ہے جو برکت والی ہے کیونکہ ہم لوگوں کو آگاہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ وہ رات تھی جس میں حکمت کی رُو سے فیصلے کیے جاتے ہیں ہمارے حکم سے ہم ہی پیغمبروں کو بھیجنے والے ہیں۔ یہ تمہارے رب کی رحمت ہے۔ بے شک وہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اگر تم یقین رکھتے ہو تو اس پر ایمان لاؤ کہ وہ آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ داداؤں کا۔ لیکن وہ تو شک میں پڑے کھیل رہے ہیں پس تم اس دن کا انتظار کرو کہ آسمان سے ظاہر بظاہر دھوآں نکلے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ لوگ کہیں گے اے ہمارے رب اس کو ہم سے ہٹا لے۔ ہم ایمان لاتے ہیں۔

جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے کتابِ مبین کی قسم کھا کر بیان کیا جا رہا ہے۔ کس قدر اسرار و غوامض سے پُر ہے اور رُوحانی کمالات کا مرکز ہے۔ وہ کتاب جس کی قسم اٹھارہ ہزار عالموں کا بنانے والا کھا رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کتاب کی قسم کھا کر وہ کہہ کیا رہا ہے۔ ضرور کوئی اہم بات اس کتاب کے متعلق ہے۔

ہم نے اس کتاب کو ایک بابرکت رات میں لوح محفوظ میں اتارا۔ یعنی ماہ مبارک رمضان کی اُس رات میں اتارا جو شب قدر کہلاتی ہے۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ (۹۷/۱ سورۃ القدر) مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی اچھائی برائی سے آگاہ کر دیا جائے۔ فرشتے اس کتاب کے تھوڑے تھوڑے حصّے بقدرِ ضرورت ہمارے رسولؐ کے پاس لے جاتے رہیں اور وہ اُن لوگوں کو سناتے رہیں جن کے پاس برسوں سے کوئی ہدایت کرنے والا نہ آیا تھا۔

جس رات میں نزول قرآن ہوا وہ ایسی مبارک رات ہے کہ اس میں خدا کے حکم سے لوگوں کی قسمتوں کا فیصلہ اگلے سال تک کر دیا جاتا ہے۔ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ سَلٰمٌ ۟ۛ ہِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ (۹۷/۴-۵ سورۃ قدر)۔ اس رات کو ملائکہ اور روح فرشتہ ہر امر کو لے کر صبح تک نازل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک مفسر صاحب فرماتے ہیں کہ اس رات کو وہ تمام معاملات جو نظام کائنات سے متعلق ہوتے ہیں،

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ وہ موقع اور محل کے لحاظ سے سال بھر تک انہیں جاری کرتے رہتے ہیں۔

یہ تفسیر اپنے کسی جذبہ کے تحت لکھ ڈالی پر آنکھوں پر پٹی باندھ کر۔ یہ سراسر قرآن کی عبارت کے خلاف ہے۔ آیت کہتی ہے کہ ہر امر کو لے کر فرشتے شب قدر میں اول رات سے لے کر صبح تک نازل ہوتے رہتے ہیں۔ سوال یہ ہے۔ کہ کہاں نازل ہوتے ہیں اور کس پر نازل ہوتے ہیں۔ اگر زمین پر کوئی صاحب امر موجود نہ ہو تو ان کا نزول کہاں ہوتا ہے اور کیوں ہوتا ہے۔ کیا فرشتے محض تفریح طبع کے لیے زمین کی سیر کرنے آتے ہیں اور صبح تک سلامتی کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر وہ ذات جس پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اولی الامر میں سے نہیں ہے تو رسولؐ کی طرح اس کی اطاعت لوگوں پر واجب نہیں ہے۔ اگر وہ علم و حکمت کو خدا کے یہاں سے لے کر نہیں آیا ہے تو اس کو یہ خاص امانتِ الٰہی پہنچانا بھی عبث ہے۔ کیونکہ عام لوگ اس خدمت کو انجام نہیں دے سکتے۔

چونکہ شب قدر ہر سال آتی ہے اور نزولِ ملائکہ ہر سال قیامت تک اس رات کو ہوتا رہے گا لہٰذا اس صاحب امر کا ہر زمانہ میں زمین پر ہونا ضروری ہے اور یہ سلسلہ سوائے اہلبیتؑ رسولؐ اور کسی جماعت میں نہیں پایا جاتا۔ جبکہ خدا فرماتا ہے اِنَّمَآ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ "(۷/۱۳ الرعد)" "اے رسول تم ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے)۔ بس یہی ہادی جو زمانہ میں موجود رہتا ہے وہ صاحب امر ہوتا ہے جس کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بعدِ رسولؐ جن پر نزولِ ملائکہ ہوتا ہے وہ اصحابؓ تھے اُن کے بعد تابعین اور ان کے تبع تابعین یعنی علمائے کرام ہیں۔ لیکن آج تک تو کسی صحابی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میرے اوپر ملائکہ نازل ہوئے تھے۔ اور یہ حکم مجھے سُنا گئے۔ نہ کسی عالم نے۔ سب خاموش ہیں۔ شب قدر ہر سال آتی ہے اور فرشتے اپنا فرض پورا کر کے چلے جاتے ہیں۔ مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس آتے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس زمانہ کے صاحب امر قائم آلِ محمد ہیں جو رسول کی طرح معصوم اور خدا کے خاص بندے ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے آپ کے کسی صحابی نے کہا کہ مسئلہ امامت میں ہمارے مخالفین ہم سے اکثر مناظرہ کیا کرتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا، تمام دلائل کو چھوڑ کر تم سورۂ قدر کی اس آیت پر بحث کیا کرو اور یہ پوچھا کرو کہ ملائکہ کس پر نازل ہوتے ہیں۔

اس کے آگے جو آیات ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ جب بُت پرست اس کا یقین رکھتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک خدا ہے تو پھر یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں۔ اور انہیں خدا کا شریک کیوں بناتے ہیں۔ خدا کی صفت تو یہ ہے کہ وہ پیدا کرتا اور مارتا ہے تو کیا جن لوگوں کو خدا کا شریک بنایا گیا ہے وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ان سے کہو کہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا سب کا رب اللہ ہے۔ تم چونکہ غور نہیں کرتے اور کھیل کود میں پڑے ہوئے ہو اس لیے یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔

اے رسولؐ، جب یہ لوگ نہیں سمجھتے تو انہیں چھوڑ دو اور اس دن کا (قیامت کا) انتظار کرو۔ جب یہ آسمان تمام کا تمام دھوئیں سے بھر جائے گا۔ جس سے گنہ گاروں کا دم گھٹنے لگے گا اور مومن کو کوئی خاص تکلیف نہ ہوگی۔ کافروں کے لیے یہ بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کی پہلی علامت یہ

ہوگی کہ عدن میں ایک آگ ظاہر ہوگی جس کا دھواں تمام عالم میں پھیل جائے گا اور چالیس روز تک رہے گا۔ کفار سخت تکلیف میں رہیں گے۔ ان کی آنکھ، کان اور تمام اعضا سے یہ دھواں نکلے گا اور اُن کے سر بھُنے ہوئے معلوم ہوں گے۔ مگر مومنوں کو ایک زکام سے زیادہ تکلیف نہ ہوگی۔ کفار گھبرا کر کہیں گے۔ اے ہمارے رب، اس عذاب کو ہم سے ہٹا لے ہم تو ایمان لاتے ہیں۔ مگر اُس وقت اُنکی فریاد نہ سنی جائے گی کیونکہ توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا۔

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكۡرٰى وَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ عَآئِدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ يَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰى ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۱۶﴾

وقف لازم

اس وقت بھلا ان کو کیا نصیحت ہوگی جب ان کے پاس صاف صاف بیان کرنے والے پیغمبر آئے تھے تو ان لوگوں نے اُن سے منہ پھیرا اور کہنے لگے یہ تو سکھایا پڑھایا دیوانہ ہے (اچھا خیر) تھوڑے دن کے لیے عذاب کو ٹالے دیتے ہیں (مگر ہم جانتے ہیں کہ) تم ضرور کفر کرو گے ہم ان سے پُورا بدلہ تو بس اُس دن لیں گے جس دن سخت پکڑ کریں گے۔

کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ سکھایا پڑھایا دیوانہ ہے۔ کوئی شخص اس کے پاس آتا ہے وہ اسے اِدھر اُدھر کی باتیں سکھا کر چلا جاتا ہے اور اس دیوانہ کو پریشانی میں ڈال جاتا ہے۔ لوگ ان پر پتھر برساتے ہیں بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔ چونکہ دیوانہ ہے اس لیے اس کی کوئی بات سمجھنے میں نہیں آتی۔ ان لوگوں کا یہ کہنا محض عداوت کی وجہ سے تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی حضرتؐ کی بات کان دھر کر نہ سُنے۔ یہ بدبخت کہنے والے آنکھوں کے اندھے تو نہ تھے۔ اگر کوئی معلم حضرتؐ کو سکھانے آتا تو کیا اُن کو وہ نظر نہ آتا۔ کسی روز اُسے پکڑ کر مارتے پیٹتے۔ لوگوں کو دکھلاتے کہ بانیٔ فساد یہ شخص ہے۔ یہی سکھاتا پڑھاتا ہے۔ لیکن کوئی ہوتا تو ضرور دیکھتے۔ دوسرے اگر چھُپ کر وہ رات کو آتا تو باہر والے اگر اس کو نہ دیکھتے تو گھر والے تو ضرور دیکھتے۔ جناب خدیجہؓ اور حضرت علیؑ سے تو چھُپا نہ رہ سکتا تھا۔

وہ اس حالت میں آنحضرتؐ پر کیسے ایمان لاتے۔ اور جان و مال سے ان کے فدائی کیوں بنتے۔ عقیدت کا رشتہ فوراً ٹوٹ جاتا۔ خدا فرماتا ہے کہ اگر اس وقت اپنی مصلحت کے مطابق ہم ان کافروں سے عذاب روک لیتے ہیں تو قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب ان پر نازل ہوگا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿۱۷﴾ أَنْ أَدُّوٓا إِلَىَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۖ إِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۸﴾ وَأَن لَّا تَعْلُوا عَلَى اللّٰهِ ۖ إِنِّىٓ ءَاتِيكُم بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۱۹﴾ وَإِنِّى عُذْتُ بِرَبِّى وَرَبِّكُمْ أَن تَرْجُمُونِ ﴿۲۰﴾ وَإِن لَّمْ تُؤْمِنُوا لِى فَاعْتَزِلُونِ ﴿۲۱﴾

ان (کفارِ مکہ) سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی۔ اُن کے پاس ایک عالی مرتبہ رسول آیا اور اُن سے کہا، خدا کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے سپرد کرو۔ میں امانت دار رسول بن کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم اللہ سے سرکشی نہ کرو میں کھُلے ہوئے معجزات لے کر آیا ہوں۔ اگر تم مجھے سنگ سار کروگے تو میں اپنے اور تمہارے رب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔

یعنی جب فرعون اور اُس کی قوم کی سرکشی حد سے بڑھی تو ان کی ہدایت کے لیے حضرت موسیٰؑ کو بھیجا جو بڑے پاکیزہ خصلت انسان تھے۔ انہوں نے کہا، بنی اسرائیل کو جو سالہا سال سے تیرے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں میرے ساتھ بھیج دے۔ اس لیے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ میں اُس کا رسول امین ہوں یعنی کوئی بات اپنی طرف سے بنا کر نہیں کہتا۔ خدا کے مقابل زیادہ ہیکڑی نہ دکھاؤ۔ میں بہت سے معجزات واضح لے کر آیا ہوں۔ اگر باز نہ آؤگے تو پھر ان معجزات سے کام لے کر عذابِ خدا کو تم پر لا ڈالوں گا۔ اگر تم مجھے سنگسار کرنا چاہو گے تو ایسا کر نہیں سکتے۔ میں خدا کی پناہ طلب کروں گا اور وہ ضرور مجھے بچا لے گا۔ اگر تم مجھ پر ایمان لانا نہیں چاہتے تو پھر اتنا کرو کہ مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ میرے پیچھے نہ پڑو میرے ستانے کے درپے نہ ہو۔

فَدَعَا رَبَّهُۥٓ أَنَّ هَٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿۲۲﴾ فَأَسْرِ بِعِبَادِى لَيْلًا إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿۲۵﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿۲۶﴾ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَٰكِهِينَ ﴿۲۷﴾ كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَٰهَا قَوْمًا ءَاخَرِينَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿۲۹﴾

(جب وہ لوگ موسیٰ کو ستانے لگے تو) اُنہوں نے اپنے رب سے دُعا کی کہ یہ لوگ شریر ہیں (حکم خدا ہوا) کہ میرے ان بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ ان کا پیچھا کیا جائے گا اور دریا کو اپنی حالت پر ٹھہرا ہوا چھوڑ کر پار ہو جاؤ۔ یہ سب غرق کر دیئے جائیں گے۔ یہ لوگ معلوم کتنے باغ۔ چشمے۔ کھیت اور اچھی اچھی عمارتیں چھوڑ گئے اور آرام کی وہ چیزیں جن سے وہ عیش سے بسر کرتے تھے۔ پس نہ تو اُن پر آسمان رویا نہ زمین روئی اور نہ اُن کو مہلت ملی۔

جب موسیٰؑ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے اور فرعون کو پتہ چلا تو اُس نے حکم دیا کہ سارا لشکر اور قوم کا ہر شخص موسیٰؑ کا پیچھا کرنے کے لیے چل پڑے۔ چنانچہ جلدی میں وہ اپنا سارا سامان چھوڑ کر چل کھڑے ہوتے۔ جناب موسیٰؑ مع بنی اسرائیل دریا سے پار ہو گئے اور فرعون اور اُس کی ساری قوم ڈوب گئی۔ ان کی تمام املاک اور ساز و سامان پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔ کم بخت ایسے کتے کی موت مارے گئے کہ نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین اور نہ ہی ان کو مہلت ملی۔

فرعون اور اس کی قوم پر آسمان و زمین کا نہ رونا اس امر کو واضح کرتا ہے کہ ان میں رونے کا ملکہ ہے۔ لہٰذا کسی واقعہ سے اس کا ثبوت ملنا چاہیئے کہ آسمان و زمین روئے تھے۔

مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:

اس آیت کی تفسیر میں صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو اس مصیبت پر آسمان و زمین روئے۔ آسمان کا رونا اس کا سُرخ ہو جانا ہے۔ اس کی موید وہ روایت ہے جسے علامہ ابن حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں ذکر

کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام کا کربلا سے گزر ہوا۔ جب قبرِ حسین علیہ السلام کی جگہ پر پہنچے تو فرمایا، یہی ہمارے اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے۔ یہی ہمارے خون بہلنے کی جگہ ہے۔ رسولؐ کے اہلبیتؑ میں سے کچھ لوگ اس میدان میں شہید کیے جائیں گے جن پر آسمان بھی روئے گا اور زمین بھی۔

زمین کا رونا یہ تھا کہ بعد از شہادتِ امامِ مظلوم کربلا میں جہاں کہیں سے کوئی پتھر اکھاڑ اجاتا تھا تازہ خون جوش مارتا نکلتا تھا۔ آسمان کا خون رونا یہ تھا کہ عشرۂ محرم الحرام کو تمام آسمان میں سُرخی پھیل گئی تھی۔

مفسرینِ عامہ نے یہ معنی لیے ہیں کہ نہ آسمان والے ان پر روئے نہ زمین والے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ معنی کہاں سے لیے گئے۔ قرآن کہتا ہے، نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین۔ اور مفسرین صاحبان کہتے ہیں کہ نہ آسمان والے روئے نہ زمین والے۔ اگر ایسا تھا تو خدا نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ نہ اہلِ آسمان روئے نہ اہلِ زمین۔ بالفرض اگر ایسا ہی تھا تو پھر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اہلِ آسمان کب روئے اور کس پہ روئے۔ کوئی ایک واقعہ تو ایسا بتایا جائے۔ لیکن تاریخ میں تو کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ فرشتے کسی کے مرنے پر روئے ہوں یا حوروں نے کسی کے حالِ زار پہ آنسو بہائے ہوں۔ جب ایسا کبھی نہیں ہوا تو پھر اہلِ آسمان کے نہ رونے کا ذکر ہی کیوں کیا گیا۔ جن کے لیے رونا ثابت ہی نہ ہو تو ان کا فرعون اور اس کی قوم پہ نہ رونے کا ذکر ہی کیوں آیا۔

سب سے بڑا ثبوت اس امر کا کہ آسمان و زمین میں قوتِ فہم و ادراک ہے، یہ آیت ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔ احزاب (۳۳/۷۲)

(ہم نے اپنی امانت کو آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ پس اُنہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے اور انسان نے جو بڑا ظالم اور جاہل تھا اُسے اُٹھا لیا۔)

غور کیجئے اگر آسمان و زمین میں فہم و ادراک کی قوت نہ ہوتی وہ امانتِ الٰہیہ کے بار کو سمجھتے ہی نہ ہوتے تو اس کے اُٹھانے سے انکار کیوں کرتے اور ڈرتے کیوں۔ پس جس طرح وہ سب ڈرے اور اس بار کا احساس کیا اسی طرح امام حسینؑ کی شہادت کا احساس کیا دل پر چوٹ لگی اور رونے لگے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰۗـؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ

بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی جو فرعون کی طرف سے تھا۔ وہ بیشک سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا تھا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمجھ بوجھ کر سارے جہان سے برگزیدہ کیا تھا اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دی تھیں جن میں ان کی آزمائش تھی (کفارِ مکہ مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ ہمیں تو صرف ایک بار مرنا ہے اور پھر ہم دوبارہ زندہ کرکے نہ اُٹھائے جائیں گے۔ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کرکے) لے تو آؤ۔ بھلا یہ لوگ قوت میں اچھے ہیں یا تبّع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں۔ ہم نے اُن کو بھی ہلاک کیا کیونکہ وہ ضرور گنہ گار تھے۔

ذلیل کرنے والا عذاب یہ تھا کہ فرعون نے بنی اسرائیل کی لڑکیوں اور عورتوں کو اپنی قوم کی کنیزی میں دے دیا تھا اور مردوں کو بھی غلام بنا لیا تھا۔ وہ ان سے سخت سخت کام لیتے تھے۔ ایک دم بھی ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ فرعون اپنے مظالم میں حد سے گزر گیا تھا۔ وہ معمولی معمولی جرم پر لوگوں کو چومینخا کرا دیتا تھا۔ خصوصاً ایسے لوگوں کو جن کے متعلق اُسے پتہ چلتا تھا کہ یہ موسیٰؑ پر ایمان لے آئے ہیں۔ خدا نے بنی اسرائیل کو عام لوگوں کی نگاہ میں عزت دے رکھی تھی اور کچھ اپنی نشانیاں دی تھیں جن سے ان کی آزمائش بھی کی جاتی تھی مگر ان میں کچھ کمینے لوگ ایسے بھی تھے جو قیامت کے قائل نہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بس ایک ہی بار مرنا ہے۔ پھر ہم دوبارہ زندہ کرکے نہیں اُٹھائے جائیں گے۔ اگر سچے ہو تو ہمارے باپ دادا زندہ کرکے دکھاؤ۔ ان لوگوں کو اپنی قوت پر ناز تھا لیکن قوم تبّع سے زیادہ قوت والے تو نہیں۔ جب ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا تو ان کی کیا حقیقت ہے۔

قوم تُبّع آنحضرت کی بعثت سے ایک ہزار برس قبل یمن میں آباد تھی ان کو طبع حمیری بھی کہتے تھے ان میں سے کسی بادشاہ نے سمرقند کو برباد کرکے دوبارہ آباد کیا تھا یہ قوم پہلے آتش پرست تھی مدینہ کے لوگوں نے کسی وجہ سے ان کے ایک بادشاہ کی بیٹی کو قتل کر ڈالا تو اُس نے مدینہ پر چڑھائی کی لیکن بنی قریظہ کے دو اشخاص (کعب اور رلسہ) نے اسے سمجھایا کہ مدینہ پیغمبر آخرالزماں کی ہجرت کی جگہ ہے اور حضرتؐ کی بہت تعریف کی۔ تو وہ ایمان لایا اور پلٹ گیا۔ راستہ ہی میں کچھ لوگوں نے خانہ کعبہ کی ویرانی پر آمادہ کیا اور کہا اس کے نیچے جواہرات جڑے ہیں۔ مگر علمائے بہت مدح و ثنا کی اور اس ارادہ سے باز رکھا۔ پھر تو وہ اتنا خوش اعتقاد

ہوا کر سب سے پہلے خانۂ کعبہ پر اُس نے پوشش چڑھائی اور ہزار جانور قربانی کیے۔ اور ایک عریضہ شامول یہودی کے پاس حضرت رسولِ خدا کے نام لکھ کر رکھ دیا کہ اگر تجھ سے ملاقات ہو تو خود ورنہ اپنی اولاد کو وصیت کر دینا۔ اس خط کو ابوایوب انصاریؓ نے جو شامول کی اکیسویں پشت سے تھے حضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اُس کی قوم بڑی زبردست تھی وہ خدا پر ایمان نہ لائے۔ آخر کار خدا نے اس کو ہلاک کیا۔

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَا لٰعِبِیۡنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقۡنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ مِیۡقَاتُهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۴۰﴾ یَوۡمَ لَا یُغۡنِیۡ مَوۡلًی عَنۡ مَّوۡلًی شَیۡئًا وَّلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۴۲﴾

ع ۱۵

ہم نے آسمان و زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں ان کو ہم نے کھیل کود کے طور پر نہیں بنایا ہے ہم نے تو ان دونوں کو مصلحت سے پیدا کیا ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ بے شک فیصلہ کا دن (سب کے زندہ ہونے) کا مقررہ وقت ہے۔ اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی مگر جس پر خدا رحم فرمائے بے شک وہ سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے۔

جو لوگ اس دُنیا کو کھیل تماشہ سمجھتے ہیں اور عیش و عشرت میں وقت گزاری کرتے رہتے ہیں اُن کو چونکانے کے لیے بتایا جا رہا ہے کہ خدا نے اس کارخانۂ دنیا کو کھیل تماشہ تو نہیں بنایا بلکہ کسی مقصدِ خاص کے لیے بنایا ہے۔ یہ سارا کارخانہ اس کی مصلحت کے مطابق چل رہا ہے۔ کوئی چیز بھی بیکار پیدا نہیں کی گئی۔ لیکن اکثر لوگ اس کو سمجھتے ہی نہیں اور احمقانہ طریقہ سے اپنی زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں۔ خیر وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں ایک ایسا دن آنے والا ہے کہ یہ سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ وہاں کوئی دوست یا رشتہ دار کسی کی مدد نہ کر سکے گا۔ ہاں جس کسی پر خدا رحم کرے وہ ضرور اس مصیبت کے دن سے بچ جائے گا۔

قرآن میں مختلف طریقوں سے قیامت کے مسئلہ کو سمجھایا گیا ہے اور سب سے زیادہ سمجھایا گیا ہے۔ کیونکہ جب تک یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں نہ آئے گا اور پورا پورا اعتقاد اس پر نہ ہوگا وہ غلط کاریوں اور بداعمالیوں سے باز نہ آئیں گے کیونکہ بعد کی بازپرس کا خوف تو دل میں ہوگا ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں قرآن میں خدا سے واحد پر ایمان لانے

پر زور دیا گیا ہے ساتھ ہی قیامت پر ایمان لانا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ ﴿۴۴﴾ کَالۡمُهۡلِ ۚ یَغۡلِیۡ فِی الۡبُطُوۡنِ ﴿۴۵﴾ کَغَلۡیِ الۡحَمِیۡمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ ﴿۴۸﴾ ذُقۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا کُنۡتُمۡ بِهٖ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

(آخرت میں) تھوہر کا درخت ضرور گنہگاروں کا کھانا ہوگا جیسے پگھلا ہوا تانبا وہ پیٹوں میں اس طرح اُبال کھائے گا جیسے کھولتا ہوا پانی جوش میں آتا ہے (فرشتوں کو حکم ہوگا) انہیں پکڑ لو اور گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچ میں لے ڈالو۔ ان سب پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو (اور ان سے کہو) تم بڑے عزت دار سردار بنے پھرتے تھے اب اسے چکھو یہی دوزخ ہے جس کے بارہ میں تم شک کیا کرتے تھے۔

دُنیا کی جیلوں کی سختیاں اس خیال سے آدمی جھیل جاتا ہے کہ سزا کی مدت ختم ہونے کے بعد چھوٹ جاؤں گا۔ مگر آخرت کی جیل ایسی نہیں جس سے مجرم کبھی چھوٹ سکے۔ پھر وہاں کی تکلیفیں استغفراللہ۔ دُنیا کی جیلوں سے اُسے کیا نسبت؟

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ مَقَامٍ اَمِیۡنٍ ﴿۵۱﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ﴿۵۲﴾ یَّلۡبَسُوۡنَ مِنۡ سُنۡدُسٍ وَّاِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۵۳﴾ کَذٰلِکَ ۟ وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿۵۴﴾ یَدۡعُوۡنَ فِیۡهَا بِکُلِّ فَاکِهَةٍ اٰمِنِیۡنَ ﴿۵۵﴾ لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡهَا الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَةَ الۡاُوۡلٰی ۚ وَوَقٰهُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ ﴿۵۶﴾

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

بے شک پرہیز گار لوگ مقامِ امن میں ہوں گے سندس و استبرق کے لباس پہنے ہوئے ایک دُوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ایسا ہی ہوگا ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کے جوڑے لگا دیں گے۔ وہاں ہر قسم کے میوے منگوا کر کھائیں گے۔ وہاں پہلی دفعہ کی موت کے سوا ان کو موت کی تلخی چکھنی ہی نہ پڑے گی اور خدا ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ یہ تیرے ربّ کا ان پر فضل ہوگا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ ہم نے اس قرآن کو تمہاری زبان میں اس لیے آسان کر دیا تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں تو نتیجہ کے تم بھی منتظر رہو اور یہ بھی انتظار کریں۔

مقامِ امن سے یہ مراد ہے کہ نہ وہاں کوئی خطرہ ہوگا نہ رنج وغم کا حملہ نہ کسی بیماری کا کھٹکا نہ کسی دشمن کا خوف۔ سندس باریک ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اور استبرق دبیز ریشمی کپڑے کو۔

آمنے سامنے ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپس میں بات چیت کرتے ہوں گے۔

ہم نے قرآن کو عربی زبان میں بھیج کر لوگوں کے لیے سمجھنے میں آسانی کر دی تاکہ جو احکام ان کو دیئے گئے ہیں وہ ان کو سمجھ لیں۔ پس جو نتیجہ اس کا پھر ہوگا اس کا انتظار تم بھی کرو اور وہ بھی۔

﴿۴۵﴾ سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ ﴿۶۵﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ

وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۷﴾ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۸﴾

حا-م - یہ کتاب نازل کی گئی ہے اس خدا کی طرف سے جو غالب اور حکمت والا ہے۔ بیشک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری پیدائش میں بھی اور جو چوپائے وہ زمین میں پھیلاتا رہتا ہے یقین کرنے والوں کے لیے اس میں بھی خدا کی نشانیاں ہیں اور رات اور دن کے اُلٹ پلٹ کر آنے میں اور خدا نے آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے اس میں۔ اس بارش سے اُس نے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کر دیا اور اس میں کہ ہواؤں کو چلایا عقلمند لوگوں کے لیے خدا کی نشانیاں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جن کو ٹھیک ٹھیک تمہارے لیے پڑھتے ہیں۔ تو خدا اور اُس کی آیتوں کے بعد اور کون سی بات ہوگی جس پر یہ ایمان لائیں گے۔ افسوس ہے ہر جھوٹے اور گنہ گار کی حالت پر کہ جو آیات اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں ان کو سُنتا ہے پھر بھی از راہِ تکبّر کفر پر اَڑا رہتا ہے گویا اس نے سُنا ہی نہیں ایسے شخص کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔

ان آیات میں خدا نے جو نشانیاں بیان کی ہیں ان پر وہی ایمان لاتے ہیں جو خدا کے نیک بندے ہیں۔ اور صاحبانِ یقین ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نظامِ حیاتِ انسانی میں ان چیزوں کو کتنا بڑا دخل ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں، تو کوئی ذی حیات اس زمین پر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ پس جو خدا ہمارے اوپر اتنا مہربان ہے اس پر کیوں نہ ایمان

لائیں لیکن جو ضدی اور ہٹی لوگ ہیں وہ باوجود سب کچھ آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کے اپنے کفر پر اڑے رہتے ہیں اور ایسے بن جاتے ہیں گویا انھوں نے نہ کچھ سنا ہے نہ دیکھا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔

وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰيٰتِنَا شَيۡـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ؕ‏ ﴿۹﴾ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ مَّا كَسَبُوۡا شَيۡـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ؕ‏ ﴿۱۰﴾ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِيۡمٌ ع ﴿۱۱﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیات سے کچھ سمجھ لیا ہے تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور ان کے پیچھے جہنم ہے۔ جو کچھ ایسے لوگوں نے عمل کیا ہے وہ اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ وُہ جن کو خدا کے علاوہ اپنا سرپرست بنا رکھا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ ہدایت ہے (ہماری طرف سے)۔ پس جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کے قبول کرنے سے انکار کیا اُن کے لیے سخت قسم کا دردناک عذاب ہوگا۔

یعنی ایسے لوگ بھی ہیں کہ ہماری آیات میں سے بعض جان بھی لیتے ہیں پھر بھی ان کا مذاق اڑاتے ہیں گویا ان کے نزدیک وہ عقل میں آنے والی بات ہی نہیں ایسے لوگوں کو قیامت کے دن ذلیل ہونا پڑے گا اور اس کے پیچھے وہ جہنم لگا ہوگا جس سے وہ بالکل بے خبر ہیں اور اس پر یقین نہیں رکھتے۔ جو بدکاریاں وہ دنیا میں کرتے تھے وہاں ان کو پتہ چلے گا کہ کوئی عمل بھی ان کو آخرت کی سزا سے نہ بچا سکے گا۔ جن بتوں کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ قیامت میں یہ ان کے کام آئیں گے وہ کچھ بھی مدد نہ دیں گے۔ کافروں کے لیے وہاں بڑی سخت سزا ہوگی۔

اَللّٰهُ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَـكُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِىَ الۡـفُلۡكُ فِيۡهِ بِاَمۡرِهٖ

وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۚ‏ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مِّنۡهُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ‏ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَغۡفِرُوۡا لِلَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجۡزِىَ قَوۡمًۢا بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ‏ ﴿۱۴﴾ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًـا فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ‏ ﴿۱۵﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے دریا کو مسخر کیا تاکہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں جاری ہوں اور تاکہ تم اس کے فضل (روزی) کو تلاش کرو اور تاکہ تم اُس کے شکرگزار بنو اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کو (اپنے حکم سے) تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔ بے شک اس میں فکر کرنے والوں کے لیے اللہ کی نشانیاں ہیں۔ (اے رسول) تم مومنوں سے کہہ دو کہ جو لوگ خدا کے دنوں کی (جو جزا کے لیے مقرر ہیں) توقع نہیں رکھتے ان سے درگزر کریں تاکہ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے۔ جو کوئی نیک کام کرتا ہے تو اپنے لیے کرتا ہے جو بُرے کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

خدا نے تم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس کے حکم سے تمہاری کشتیاں دریا میں چلتی ہیں اور تم اپنی روزی تلاش کرنے کے لیے ان کے ذریعہ سے شہروں شہروں کا سفر کرتے ہو۔ اس کے علاوہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیے ہیں۔ تاکہ تم خدا کی ان نشانیوں کے متعلق فکر کرو اور اس کے شکرگزار بنو۔ جو لوگ قیامت کے دن کے منکر ہیں اے ایمان والو! ان کا ساتھ چھوڑ دو۔ تاکہ وہ اپنے کیے کو بھگتیں۔ جو نیک کام کرے گا اس کا فائدہ اُسی کو حاصل ہوگا اور جو بُرے کام کرے گا تو اس کی سزا اُسی کو بھگتنی پڑے گی۔ اُسی (اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹ کر سب کو جانا ہے۔ بچ کر جائیں گے کہاں۔ دُنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے آخری ٹھکانہ تو آخرت ہے۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقۡنٰهُمۡ

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی حکومت اور نبوّت دی اور ہم نے ان کو پاک و پاکیزہ رزق دیا۔ اور عالمین پر اُن کو فضیلت دی اور ان کو دین کے متعلق کھلی ہوئی دلیلیں دیں۔ تو انہوں نے علم آچکنے کے بعد اُس کی ضد میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔ یہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کر رہے ہیں، تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں فیصلہ کرے گا۔ (اے رسولؐ) ہم نے تم کو دین کے کھلے راستے پر قائم کر دیا ہے تو تم اس رستہ پر چلے جاؤ اور نادانوں کی پیروی نہ کرو۔ یہ لوگ خدا کے سامنے تمہارے کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ اور ظالم لوگ یہاں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور خدا تو پرہیزگاروں کا مددگار ہے۔

نزولِ قرآن سے پہلے ہم نے بنی اسرائیل کو توریت دی۔ معاملات کو فیصل کرنے کی صلاحیت دی۔ کتاب کو سمجھنے کے لیے عقل و فہم دی۔ ملکی معاملات کو چلانے کی صلاحیت بخشی۔ دین کی تبلیغ کے لیے نبوّت عطا کی۔ عمدہ عمدہ کھانے کھلائے، سارے جہاں پر فضیلت دی معجزات دیئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ہمارے فرمانبردار بن کر رہتے اور باہمی اختلاف کو راہ نہ دیتے مگر ہوا یہ کہ باوجود ہر بات کا علم آجانے کے۔ اُنہوں نے آپس کی ضد اور عداوت کی بنا پر گروہ بندی اختیار کر لی اور ایک دین اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ اے رسولؐ، تمہارا پروردگار قیامت کے دن اختلافات کا فیصلہ کرے گا۔ یعنی صرف ایک فرقہ کو برحق قرار دے کر باقی سب کو عذاب کے شکنجہ میں کس دے گا۔ خیر ان کا قصہ تو ختم ہوا۔ اب ہم نے ان کو ایک رستہ پر قائم کر دیا ہے۔ ایک شریعت قائم کی ہے پس اس پر قائم رہو۔ پس اسی پر قائم رہو اور ان لوگوں کے خیالات کی پیروی نہ کرو۔ جو امرِ دین کے متعلق کچھ جانتے ہی نہیں۔ ان سے خلط ملط نہ

رہے۔ اور ان کے خیالات پر عمل کرنے میں تمہارا بھلا نہ ہوگا۔ ان ظالموں نے اس دُنیا میں ایک دوسرے کو اپنا دوست بنا لیا ہے۔ لیکن اس سے ہونا کیا ہے۔ یہ دوستی چند روزہ ہے۔ قیامت میں اس کا تار پود بکھر جائے گا۔ اور یہی ایک دوسرے کے دُشمن بن جائیں گے اور ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ اللہ تو صرف متقیوں کا سرپرست ہے کافروں سے اس کا کیا واسطہ۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں اُن کے لیے یہ قرآن مجموعۂ ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ کیا جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم اُن کو اُن لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لانے والے اور اچھے اچھے کام کرنے والے ہیں اور سب کا مرنا اور جینا یکساں ہوگا۔ یہ لوگ کیا بُرے حکم لگاتے ہیں۔

یہ قرآن عقلی روشنی ہے لوگوں کو تعلیم دیتا ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ جو لوگ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں کیا ان کا گمان یہ ہے کہ ہم ایمان والوں اور اعمالِ صالحہ بجا لانے والوں کو ان کے برابر کر دیں گے اور اُن کی زندگی و موت یکساں ہو جائے گی۔ یہ لوگ کیسا بُرا حکم لگاتے ہیں۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ نیک و بد اور مومن و کافر برابر ہو جائیں۔

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ

بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوۡا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾

اللہ نے آسمان و زمین کو (اپنی مصلحت کے موافق) ٹھیک پیدا کیا ہے کہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا، جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے جان کر اس کو گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مُہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس خدا کے سوا اس کی ہدایت کون کر سکتا ہے کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ ہماری زندگی تو بس دُنیا ہی کی زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور کوئی ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ۔ اور ان کو اس کی کچھ خبر تو ہے نہیں۔ اٹکل سے باتیں کرتے ہیں۔ جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کی کج بحثی بس یہی ہوتی ہے کہ کہنے لگتے ہیں اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھاؤ۔

اللہ نے آسمان و زمین کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ انسان ان کے درمیان رہے بسے اور نیک کام کرے تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے۔ اے رسولؐ تم نے ان بُت پرستوں کو دیکھا کہ آج ایک بُت کی عبادت کرتے ہیں کل جب اس سے زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے تو اُس کی پُوجا پاٹ کرنے لگتے ہیں پس یہ بتوں کی پُوجا تو نہ ہوئی بلکہ ان کی خواہشوں کی پُوجا ہوئی۔ خدا نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ لوگ راہِ راست پر آنے والے نہیں ان کو گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور ان کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی ہے کہ فرشتے آسانی سے ان کو پہچان

لیں اور ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو اُن کے سمجھنے بوجھنے کے ذرائع تھے اُن کو بیکار کر دیا۔ کیونکہ جب وہ ان کو کام ہی میں نہیں لاتے تو حق بات سننے سے انہیں محروم کر دیا۔ کان تو ہیں مگر حق بات سننے کے نہیں۔ دل تو ہیں مگر سمجھنے کے لیے نہیں۔ آنکھیں ہیں مگر حق بات دیکھنے کے لیے نہیں۔ گویا ان پر مہریں لگ گئی ہیں اور پردے پڑ گئے ہیں۔ خدائی توفیق سلب ہو گئی۔ اب خدا کو کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ ان کو سنوائے اور دکھائے۔ یہ نہیں سمجھتے نہ سمجھیں، نہیں دیکھتے نہ دیکھیں۔ اس کا جو انجام ہو گا انہیں بھگتنا پڑے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں رات دن مرے جیا ہی کرتے ہیں۔ اس میں خدا کے مارنے جلانے کا کیا سوال۔ ہمیں تو زمانہ مارتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ کارخانہ قدرت میں اب اس کی ضرورت نہیں مار دیتا ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ اہلِ علم کی سی باتیں نہیں ہیں بلکہ اٹکل پچو باتیں ہیں۔ جو جس کے جی میں بات آئی اتنی کہہ دی۔ چاہے وہ حقیقت ہو یا نہ ہو۔ دہریہ فرقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا سے ہماری حیات و ممات کا کوئی تعلق نہیں بلکہ زمانہ کے چکر ہماری موت کا باعث ہیں۔ ایسے لوگ حیات بعد الموت کے بھی قایل نہیں۔ ان کے عقیدہ میں خدا کا وجود نہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے، گردشِ روزگار کی بنا پر ہوتا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس عالمِ کون و فساد میں بے شمار نظام چل رہے ہیں اور ہر نظام ایک قانونِ معینہ کے تحت چل رہا ہے۔ اگر ان کا چلانے والا کوئی صاحبِ حکمت اور قادرِ مطلق نہیں ہے تو یہ تمام خود بخود چل کیسے رہا ہے۔ کائنات میں فعل و انفعال، محرک و متحرک، نظم و ضبط سب کچھ ہو رہا ہے یہ بغیر کسی قادرِ مطلق کے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جس ذاتِ احد کے قبضہ میں یہ تمام نظام ہے کیسے ممکن ہے کہ موت و حیات کا اس سے تعلق نہ ہو۔ مادّہ کی کوئی صورت بھی صاحبِ عقل و شعور نہیں اور بغیر کسی مخفی طاقت کے اس میں حرکت پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی حرکت رُک سکتی ہے۔ جو بچہ بیشمار ردّ و بدل کے بعد بطنِ مادر میں بنتا ہے صرف اسی کی خبر دیتا ہے کہ اس کا بنانے والا بڑا صاحبِ قدرت و حکمت ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کا مارنے والا ایسا نہ ہو۔ ایک گھڑی ساز اس کے کل پُرزے اس طرح سے بناتا ہے کہ وہ ایک مدتِ معیّن تک کام کر سکتے ہیں اسی لیے وہ گارنٹی لیتا ہے کہ مثلاً پانچ برس تک یہ گھڑی چلتی رہے گی۔ چنانچہ پانچ برس بعد وہ چلنے سے رُک جاتی ہے۔ پس جس طرح ایک گھڑی کی رفتار کا تمام قانون گھڑی ساز کے اختیار میں ہے اسی طرح انسان کی موت کا قانون خدا کے ہاتھ میں ہے۔ زمانہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ ع وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَئِذٍ يَّخۡسَرُ

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً قف كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ط اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ط اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٠﴾

اے رسول کہہ دو اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے اور اللہ ہی تم کو مارتا ہے پھر تم سب کو قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں جمع کر دے گا لیکن بہت سے لوگ اس بات کو جانتے نہیں اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے جس روز قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست خسارہ میں رہیں گے اور تم ہر اُمّت کو دیکھو گے کہ فیصلہ کی منتظر گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی اور ہر امّت اپنے نامۂ اعمال کی طرف بُلائی جائے گی۔ جو کچھ یہ کرتے رہتے تھے آج تم کو اس کا بدلہ دے دیا جائے گا۔ یہ ہماری کتاب (جس میں اعمال لکھے ہیں) تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہی ہے۔ جو کچھ تم کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے تھے۔ لیکن جو لوگ ایمان والے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں خدا ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

پہلی آیت میں جواب ہے دہریوں کی اس بات کا کہ موت خود ہی آجاتی ہے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ پیدا کرنے والا اور مارنے والا خدا ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ یاد رکھو جب قیامت آئے گی تو جو لوگ اس دُنیا میں باطل پرست ہیں خدا کو چھوڑے ہوئے ہیں وہ سب سے زیادہ خسارہ میں رہیں گے کیونکہ ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

ہر امّت پر وہاں اس قدر خوف و ہراس طاری ہوگا کہ گھٹنوں کے بل لوگ بیٹھے ہوئے اپنے متعلق فیصلہ کا انتظار کر رہے ہوں گے اور جو اعمال نامہ جس کسی کا ہوگا اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ اس میں سب سچی سچی

باتیں لکھی ہوں گی۔ ہر ایک سے ایک ایک بات کا جواب طلب کیا جائے گا۔ یہ سب تحریر خدا کے قلم قدرت کی لکھی ہوئی ہوں گی یا وہ ہوگی جس کو کراماً کاتبین نے بطور اپنی ڈائری کے لکھا ہوگا۔ اس میں چھوٹی سے چھوٹی بات بھی درج ہوگی۔ انسان سمجھتا ہے جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کا نہ کوئی دیکھنے والا ہے نہ سننے والا۔ نہ میرے کرتوتوں کی کبھی کہیں پرسش ہونے والی ہے۔ اس روز غلط کار و بدکار پر وہ مصیبت نازل ہوگی جسے کوئی ہٹانے والا نہ ہوگا۔ البتہ جو ایمان والے اور اعمالِ صالحہ کرنے والے ہوں گے رحمتِ الٰہی ان پر سایہ فگن ہوگی۔ ان لوگوں کے لیے یہ کتنی بڑی کامیابی ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قف اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ لا اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿٣٢﴾

لیکن جو لوگ کافر رہے ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیات تم پر پڑھی نہیں گئی تھیں۔ پس تم نے تکبّر سے کام لیا اور مجرموں میں سے ہو گئے اور جب تم سے کہا گیا تھا کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے ہم تو ایک خیالی بات سمجھتے ہیں اور ہم اس پر یقین لانے والے نہیں۔

قرآن کریم میں مختلف طریقوں سے قیامت کے آنے کا یقین دلایا گیا ہے لیکن ہر نبی کی امّت میں ایسے لوگ بکثرت پائے گئے جو قیامت پر ایمان لائے ہی نہیں اور یہی کہتے رہے کہ یہ ایک ڈھکوسلا ہے جو ہمیں ڈرانے کے لیے گڑھ لیا گیا ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٣﴾

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٤﴾ ذَٰلِكُم بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٣٥﴾ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣٧﴾

ان کے اعمال کی بُرائیاں ان پر ظاہر ہوگئیں اور جس عذاب کا مذاق اُڑایا کرتے تھے اُس نے ان کو گھیر لیا اور ان سے کہا جائے گا ہم نے تمہیں اس طرح بھلا دیا جیسے تم نے ہماری آج کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔ اب تمہارا ٹھکانہ جہنّم ہے اور تمہاری مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ عذاب اس وجہ سے تم پر نازل ہوا کہ تم نے آیاتِ خدا کا مذاق اُڑایا تھا اور زندگانیٔ دُنیا نے تمہیں دھوکا دیا تھا پس اب نہ تو یہ لوگ اس سے نکالے جائیں گے اور نہ (اس کا ان کو موقع دیا جائے گا) کہ وہ (توبہ کرکے) خدا کو راضی کرسکیں گے حمد تو بس اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمان کا بھی پالنے والا ہے اور زمین کا بھی اور تمام عالموں کا پالنے والا بھی وہی ہے۔ آسمان و زمین میں اسی کے لیے بڑائی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

خدا کے بھلانے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے دُنیا میں تم نے ہم کو نظر انداز کر دیا تھا اور ہماری کسی بات پر توجہ نہیں کرتے تھے اسی طرح آج ہم نے بھی تمہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ تم نے آیاتِ خدا کا مذاق اڑایا تو اب تم کو اس گستاخی کی سزا مل کر رہے گی۔ اب تو دوزخ کی بھڑکتی آگ ہے اور تم ہو۔

---

(٤٦) سُورَةُ الْأَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ (٦٦)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

حمٓ ﴿١﴾ تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿٢﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾ قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ۖ ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّن قَبْلِ هَٰذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤﴾ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ﴿٥﴾

حا۔ م۔ یہ کتاب عزیز و حکیم خدا کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔ ہم نے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے بڑی حکمت سے ایک وقتِ مقررّہ تک کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا گیا ہے وہ اس سے منہ پھیرے ہیں۔ تم ان سے کہو جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا ہے۔ اگر تم نے دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھاؤ۔ یا ان (بُتوں) کی آسمانوں کی خلقت میں (خدا کی) شرکت ہوگئی ہے

اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا ان کے علم کا کوئی حصّہ ہو تو ذرا مجھے بھی دکھاؤ۔ اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے شخص کو پکارے جو قیامت تک اس کی بات کا جواب ہی نہ دے اور ان کو ان کے پکارنے تک کی خبر ہی نہ ہو۔

ان آیات میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ خدا نے آسمان و زمین کو ایک کھلونا نہیں بنایا ہے بلکہ بڑی گہری مصلحت سے بنایا ہے اور یہ نظام ہمیشہ کے لیے نہیں ہے بلکہ ایک خاص وقت تک کے لیے ہے۔ اس کے بعد یہ سب کارخانہ تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اور قیامت کے بعد ایک دوسرا نظام چلے گا۔ جو لوگ اس دُنیا میں بستے ہیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ یہ آخر سب نظام قدرت نے کس طرح قائم کیا ہے اور انسان یہاں کیوں آیا ہے۔ اگر انہوں نے اس نظام کے بنانے والے کو پہچانا ہی نہیں اور اس کے سوا دوسری چیزوں کی عبادت کی ہے تو یہ اس معبودِ حق کی کھُلی نافرمانی ہوگی۔ جس کی سزا ایک دن ان کو ملے گی۔ کافر لوگوں کو جب اس آنے والے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ منہ پھیر لیتے ہیں اور توجہ سے نہیں سنتے۔ اے رسولؐ، ان سے پوچھو تو کہ خدا کو چھوڑ کر جن بتوں کی تم پُوجا کرتے ہو کیا تم نے اُن کو کبھی کوئی چیز روئے زمین پر پیدا کرتے دیکھا ہے۔ اگر دیکھا ہے تو ذرا مجھے بھی دکھاؤ۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ کیا خدا نے آسمان و زمین کے نظام قائم رکھنے میں ان بُتوں کو اپنا شریک بنالیا ہے۔ اگر تمہارے نزدیک شریک بنایا ہے تو ذرا قرآن سے پہلے کی کوئی کتاب مجھے لاکر دکھاؤ کہ اس میں اس شرکت کا کوئی ذکر ہے یا کسی علم کے ذریعہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ فلاں فلاں خدا کے شریک ہیں۔ تمہارے عقلاؔ کے ابطال کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ جن کو تم اپنی مشکلات کے حل کرنے کے لیے پکارا کرتے ہو کیا انہوں نے تمہاری کسی بات کا جواب دیا ہے۔ اگر ایسا نہیں اور قیامت تک ایسا نہ ہوگا تو پھر تم سے زیادہ گمراہ کون ہوگا۔ انہیں تمہاری دعاؤں کی خبر تک نہیں ہوتی اور تم ہو کہ انہیں کے آگے سر جھکاتے فریاد کیے چلے جا رہے ہو۔ اس سے زیادہ بے عقلی کی دلیل کیا ہو سکتی ہے۔

اس پر بُت پرست کہتے ہیں کیا جب تم اپنے خدا سے فریاد کرتے ہو تو خدا تمہاری بات کا جواب دیتا ہے۔ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ وہ تمہاری بات سنتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے اپنی کتابوں میں یہ ظاہر فرما دیا ہے کہ وہ فریاد کرنے والوں کی فریاد کو سنتا ہے۔ علاوہ بریں اس نے اپنے انبیاء و مرسلینؑ سے مکالمہ کیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ وہ ہر ایک کی آواز کو سنتا ہے۔ برخلاف اس کے بتوں نے کبھی کسی سے نہ کلام کیا اور نہ کوئی کتاب ان کی ایسی سامنے آئی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ اپنے پجاریوں کا کلام سنتے ہیں اور ان کی مشکلات کو حل کرتے ہیں۔ پجاریوں کا یہ فرض کر لینا کہ بُت ان کی آواز سنتے اور ان کی مشکلات کو حل کرتے ہیں خود ان کا من گھڑت عقیدہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ کتنے بُت شکنوں نے ان کے سر پہ کلہاڑے مار کر ان کی کل کل توڑ دی لیکن وہ ان کا کچھ نہ کر سکے تو جو اپنے آپ کو نہ بچا سکے وہ دوسروں کو کیا بچا سکیں گے۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٨﴾

قیامت میں جب سب لوگ جمع کیے جائیں گے تو یہ ان کے معبُود وہاں ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی پُوجا پاٹ سے انکار کر دیں گے۔ جب ہماری روشن آیات ان کو پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں تو کافر لوگ باوجود حق بات ان کے سامنے آجانے کے کہتے ہیں یہ تو کھُلا جادو ہے یا یہ کہتے ہیں یہ تو (محمدؐ نے) اپنے دل سے گڑھ لیا ہے۔ تم ان سے کہو اگر میں نے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے تو تم خدا کے سامنے میرے کچھ بھی کام نہ آؤ گے۔ جو جو باتیں تم اس کے بارہ میں کرتے رہتے ہو وہ ان سب کو خُوب جانتا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو بس وہی کافی ہے وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

قیامت میں جن معبودوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت سے انکار کریں گے ان سے مراد پتھر کے بُت نہیں بلکہ فرشتے، جنّ، بھُوت وغیرہ ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خدا قیامت میں پتھروں کے بُتوں کو بھی قوتِ گویائی عطا کر دے۔

جو لوگ یہ الزام لگاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ قرآن اپنے جی سے گڑھ لیا ہے۔ رسولؐ سے کہا جا رہا ہے تم ان سے کہو کہ اگر میں نے بالفرض یہ قرآن خود گڑھ لیا ہے اور قیامت میں مجھ سے اس کے متعلق بازپرس ہوئی تو کیا تم مجھے وہاں خدا کے عذاب سے بچا لوگے۔ یہاں انکار کر دینا تو آسان ہے لیکن وہاں جب

مار پڑے گی تو اپنا بچاؤ کیسے کروگے۔ میرا معاملہ تو چھوڑو۔ ذرا اپنی خبر لو۔

تم اس معجزانہ کلام کو جادو کہتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے غیر معمولی ہونے کے قائل ہو۔ لیکن جب میں کہتا ہوں کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں تو تم نہیں مانتے۔ اگر تمہارے نزدیک یہ میرا ہی کلام ہے تو میری طرح تم بھی تو انسان ہو۔ پھر ایسا کلام بنا کیوں نہیں لاتے اور قرآن کے اس دعوٰی کو کیوں نہیں توڑتے کہ اس جیسا ایک سورہ بھی تم بنا کر نہیں لا سکتے۔ تم انسان اس فکر میں سرد ھن رہے ہو کہ اس کی مثل ایک سورہ بنا لاؤ اور تم اب تک ایسا نہیں کر سکے تو پھر یہ بات کیوں نہیں مانتے کہ یہ بشر کا کلام نہیں۔ میرے اور تمہارے درمیان خدا کی گواہی کافی ہے یعنی اس کا کلام ہی اس کی گواہی دے رہا ہے کہ میں اس کا سچا رسولؐ ہوں اور جو کلام پیش کر رہا ہوں وہ خدا کا کلام ہے میرا نہیں۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ ع وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾

(اے رسول) تم ان کافروں سے کہو کہ میں کوئی نیا رسول تو نہیں آیا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ جو مجھ پر وحی کی گئی ہے میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں۔ میں تو کھلم کھلا عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ ان سے کہو ذرا غور تو کرو اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہوا

اور تم اس سے انکار کر بیٹھے درآنحالیکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس کے بے مثل ہونے کی گواہی بھی دے چکا ہے اور ایمان بھی لے آیا اور تم نے سرکشی کی (تو تمہارے ظالم ہونے میں کیا شک ہے) بے شک خدا ظالم لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ کافروں نے ایمان لانے والوں سے کہا اگر یہ (دین) بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ دوڑ پڑتے اور چونکہ قرآن کے ذریعے ان کی ہدایت نہیں ہوئی لہٰذا اب یہی کہیں گے۔ یہ تو پُرانا جھوٹ ہے۔

کفار کہا کرتے تھے بھلا ہم محمدؐ کو کیسے رسول مان لیں جبکہ ان کی ساری باتیں ہم ہی جیسی ہیں۔ وہ بال بچوں والے ہیں۔ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ خدا ان کے جواب میں فرماتا ہے۔ اے رسولؐ! ان سے کہو کہ دُنیا میں میں ہی تو ایک رسول نہیں آیا۔ مجھ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول آچکے ہیں تو کیا ان میں وہ باتیں تھیں جو مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ کیا وہ چلتے پھرتے نہ تھے۔ کھاتے پیتے نہ تھے۔ گھر گرہستی والے نہ تھے۔ اگر تم نے ان کو نبی مان لیا تھا تو میرے ماننے میں کیوں تامل ہے۔ تم کہتے ہو کہ خدا ہمارے ساتھ کوئی برائی نہ کرے گا کیونکہ ہم اولادِ انبیاء ہیں۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا اپنے پیارے بندوں کی اولاد سے بُرا سلوک کرے۔ اے رسولؐ! کہہ دو کہ میں نہیں جانتا کہ تمہارے اور میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اس کا پتہ تو قیامت میں چلے گا۔ سُنو، جو وحی مجھ پر کی جاتی ہے میرا کام تو اس پر عمل کرنا ہے۔ میں تو اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تم کو عذابِ آخرت سے ڈراؤں اور وہ صحیح راستہ تم کو دکھاؤں جس پر چلنے سے خدا خوش ہو اور آخرت میں تمہیں اس کا اچھا بدلہ ملے۔

اگر تم اس قرآن کو خدا کی طرف سے آیا ہوا نہیں مانتے تو اس کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیئے۔ بنی اسرائیل میں توریت کا سب سے بڑا عالم عبداللہ بن سلام ہے۔ اُس نے قرآن کی صداقت کی گواہی دی ہے اور منزّل من اللہ ہونے کا نہ صرف اقرار کیا ہے بلکہ ایمان بھی لے آیا۔ مگر اس پر بھی تم اکڑے ہوئے ہو تو سمجھ لو کہ خدا ظالم لوگوں کو کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

کافر لوگ اہلِ ایمان سے کہتے ہیں کہ یہ دین برحق ہوتا تو تم مومنوں سے پہلے ہم ایمان لاتے چونکہ یہ گروہ ہدایت یافتہ نہیں لہٰذا یہی بکتا رہتا ہے کہ یہ تو پُرانا جھوٹ ہے۔ انبیاء یوں ہی ڈراتے دھمکاتے چلے آئے ہیں۔ یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

چونکہ قرآن میں بُت پرستی کی مذمت ہے اور بُت پرستوں کو جہنمی بتایا گیا ہے اس لیے جو بت پرست تھے ان کو قرآن سے سخت عداوت تھی اور وہ اس کو جھوٹا ثابت کرنے کی فکر میں رہتے تھے مومنوں سے کہتے تھے اگر یہ خدا کی کتاب ہوتی تو تم سے پہلے ہم اس پر ایمان لے آتے۔ تم نے دھوکا کھایا ہے کہ اسے کتاب خدا سمجھ کر ایمان لے آئے ہو۔

عبداللہ بن سلام کے ایمان لانے کا قصہ یہ ہے کہ یہ یہودی توریت کے بہت بڑے عالم تھے اور یہودیوں کے پیر اور سرتاج تھے۔ اور حضرتؐ کی نبوت کی پیشگوئیاں توریت میں دیکھے ہوئے تھے۔ جب آپؐ کی خبر معلوم

ہوئی تو آکر کہنے لگے میں آپ سے تین سوال کرتا ہوں اگر آپ نے درست جواب دیئے تو سمجھوں گا آپ سچے پیغمبر ہیں :

۱۔ قیامت کے آنے کی پہلی علامت کیا ہے ؟
فرمایا، مشرق کی طرف سے ایک آگ پیدا ہوگی جو تمام لوگوں کو مغرب کی طرف لے جائے گی۔

۲۔ بہشت میں سب سے پہلے کیا چیز کھانے کو ملے گی ؟
فرمایا، مچھلی کی کلیجی۔

۳۔ بعض لڑکے باپ سے کیوں مشابہ ہوتے ہیں ؟
فرمایا، اگر مرد کی منی پہلے نکلے تو باپ سے اور اگر عورت کی نکلے تو اُس سے مشابہ ہوتے ہیں۔

یہ سُن کر عبداللہ فوراً ایمان لے آئے۔ اُن کے ایمان لانے پر یہودی ان کو بُرا بھلا کہنے لگے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚۗ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور اس قرآن سے پہلے موسٰی کی کتاب (توریت) پیشوا اور رحمت بن کر آئی تھی - اور یہ قرآن وہ کتاب ہے جو عربی زبان میں اس کی تصدیق کرتا ہے تاکہ اُن لوگوں کو ڈرائے جو ظلم کرنے والے ہیں اور نیکوکاروں کے لیے قرآن خوش خبری ہے - جن لوگوں نے کہا، ہمارا رب اللہ ہے اور اس پر قائم رہے ان کے لیے نہ خوف ہے نہ وُہ غمگین ہوں گے - یہ جنتی لوگ ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے - یہ بدلہ ہے ان اعمال کا جو وُہ دُنیا میں کرتے تھے اور اُس نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا (کیونکہ) اس کی ماں نے رنج کی حالت میں اس کو پیٹ میں رکھا اور رنج ہی سے اس کو جنا اور اس کے حمل اور دُودھ بڑھائی کے تیس مہینے ہُوئے یہاں تک کہ جب پُوری جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کے سن کو پہنچا تو خدا سے کہا اے میرے رب، تُو مجھے توفیق عطا فرما کہ تُو نے جو احسانات مجھ پر اور میرے والدین پر کیے ہیں اُن کا شکریہ ادا کروں اور یہ بھی توفیق دے کہ میں ایسے نیک کام کروں جسے تُو پسند کرے اور میرے لیے میری اولاد میں صلاح و تقوٰی عطا کر میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں یقیناً فرمانبرداروں میں ہوں -

---

آخر آیت میں جس انسان کی ولادت کا ذکر کیا گیا ہے اس کے حمل اور دُودھ بڑھائی کی مدت تیس ماہ بیان کی گئی ہے - عموماً دودھ بڑھائی کی مدت دو سال ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے "وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ" البقرہ ۲/۲۳۳ "(ماؤں کو چاہیئے کہ اپنی اولادوں کو دو سال یعنی چوبیس ماہ تک دودھ پلائیں) - پس ۲۴ ماہ دودھ پلائی کے نکالنے کے بعد حمل کی مدت چھ ماہ رہ جاتی ہے - اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ چھ ماہ حمل والا بچہ زندہ نہیں رہتا - تاریخ یہ بتاتی ہے کہ چھ ماہ حمل والے صرف دو ہی بچے زندہ رہے - ایک حضرت یحییٰؑ دوسرے حضرت امام حسینؑ - پس یہ آیت انہی کی شان میں ہے -

اگر عام بچے مراد لیے جائیں اور حمل کی مدت نو ماہ لی جائے تو پھر دودھ بڑھائی کی مدت ۲۱ ماہ رہتی ہے - اس کا مطلب یہ ہُوا کہ کم سے کم دودھ بڑھائی کی مدت ۲۱ ماہ ہونی چاہیئے - افسوس ہے کہ ماؤں کے دُودھ پلانے کا طریقہ ہی اب اسلامی دُنیا سے اٹھتا جا رہا ہے بلکہ اُٹھ ہی گیا ہے - اب مائیں یہ تکلیف گوارہ ہی نہیں کرتیں ادھر بچہ پیدا ہُوا اور دودھ کی شیشی اُس کے منہ میں لگا دی - اور مادری فریضہ سے آزاد ہو گئیں - یا انا یا گورنس کے حوالے کر دیا کہ تُو اپنا دودھ پلائے جا - قدرت نے بچہ کا رزق اس کی ولادت سے پہلے جہاں پیدا کیا تھا اس سے وہ محروم ہو گیا - اگر شیشی کا دودھ پلوانا مقصود ہوتا تو خدا ماں کی چھاتی میں دودھ ہی پیدا نہ کرتا - کاش ان مہربان ماؤں کو معلوم ہوتا کہ ان کے بچے کے لیے سب سے زیادہ سازگار، صحت بخش اور محبت کے قریب دودھ وہی ہے جو ان کی چھاتیوں سے اُبلتا ہے - اس کو پی کر بچہ کی نشو و نما جلد ہوتی ہے اور اس کی صحت برقرار رہتی ہے -

جو بچے ماں کے دُودھ سے محروم رہتے ہیں اُن کے اندر ضرور کوئی نہ کوئی روگ پیدا ہو جاتا ہے اور ماں کی محبت کا وہ جوش
ان کے اندر باقی نہیں رہتا جو اُن بچوں میں پایا جاتا ہے جو ماں کا دودھ پی کر پیدا ہوتا ہے۔ ماں کا دودھ خشک ہو جائے
تب تو مجبوری ہے ورنہ خدائی چھلکتے ہوئے چشموں کا منہ بند کر دینا کہاں کی دانائی ہے۔

جو خصوصیات ان آیات میں بیان کی گئی ہیں اگرچہ مفسرین عامہ نے ان کا مصداق کسی خاص انسان کو نہیں ٹھہرایا
لیکن ان پر غور و خوض کرنے والے پر ہر بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ سے لے کر مِنَ الْمُسْلِمِينَ
تک جو باتیں ذکر ہوئی ہیں وہ امام حسین علیہ السلام کے سوا دوسرے میں نہیں پائی جاتیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ
سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا
يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ
وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ ۚ
إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُولُ مَا هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾

(جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا) یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک عمل کو ہم قبول فرمائیں گے اور جنّت
والوں میں قرار دے کر اُن کے گناہوں سے درگزر کریں گے۔ یہی وہ سچّا وعدہ ہے جو ان کے
لیے کیا جاتا تھا اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تمہارا بُرا ہو تم کیا مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ میں
(قبر سے) نکالا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سے لوگ گزر چکے (اور کوئی نہ زندہ ہوا)۔
اور وہ دونوں فریاد کر رہے تھے کہ تجھ پر وائے ہو ایمان لے آ۔ بے شک خدا کا وعدہ حق ہے
(وہ پورا ہو کر رہے گا)۔ تو وہ کہنے لگا یہ تو بس پہلے لوگوں کے جھوٹے افسانے ہیں۔

اُفّ کے معنی میل کچیل کے ہیں۔ مجازی معنی تنگ دل ہو کر کچھ کہنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس کسی نے
گناہ کر کے اپنے ماں باپ سے کہا، تمہارا بُرا ہو کیا تم اس بات سے ڈراتے ہو کہ میں مرنے کے بعد قبر سے پھر اُٹھا کھڑا کیا جاؤں گا

میں کیسے مان لوں۔ مجھ سے پہلے بیشمار لوگ مر چکے ہیں۔ کیا ان سے کوئی آج تک اپنی قبر سے زندہ ہو کر نکلا ہے جو میں بھی
نکلوں گا۔ ماں باپ فریاد کر رہے تھے ارے یہ کیا بک رہا ہے قیامت پر ایمان لے آؤ۔ خدا نے قیامت کا جو وعدہ
کیا ہے وہ بالکل سچا ہے۔ وہ بدبخت جواب میں کہتا ہے۔ اجی یہ بات یوں ہی پرانے فرسودہ قصے ہیں جو لوگوں کو
ڈرانے دھمکانے کے لیے بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ مومن ماں باپ اور کافر اولاد کا حال سُنایا گیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا
عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ
يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ
الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۖ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ
بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ ان سے پہلے جنّوں اور انسانوں کے جو
گروہ (اس قسم کے) ہو چکے ہیں انہی میں یہ شامل ہوں گے۔ یہ خسارہ پانے والوں میں سے ہیں
جیسے جس کسی نے اعمال کیے ہوں گے ایسے ہی ان کے درجات ہوں گے اور یہ اس لیے ہے
تاکہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا اور کافر لوگ جب جہنّم
پر پیش کیے جائیں گے (تو اُن سے کہا جائے گا) تم تو اپنی زندگانیِ دُنیا کے مزے اُڑا چکے
اور چین سے بسر کر چکے آج تم کو رسوا کرنے والے عذاب سے بدلہ دیا جائے گا اس لیے کہ تم
روئے زمین پر خواہ مخواہ اکڑا کرتے تھے اور بدکاریاں کیا کرتے تھے۔

جو لوگ قرآن پر ایمان نہیں لائے اور اس کو پرانے قصّے کہانی سمجھتے ہیں ان کا شمول ان ہی لوگوں میں ہوگا جو ان سے پہلے قوم جنّ و انسان میں گزر چکے ہیں۔ قیامت میں حساب کتاب کے بعد ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جنّت یا دوزخ میں کوئی درجہ دیا جائے گا اور وہ اپنے عمل کا پورا پورا بدلہ پائے گا۔ کسی پر ذرّہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ جب بدکار لوگ جہنّم کے سامنے پیش ہوں گے تو اُن سے کہا جائے گا دُنیا کی زندگی تو خوب عیش و آرام سے تم گزار چکے اور خوب خوب مزے اُڑا چکے۔ آؤ اب اپنی بدکاریوں کا مزہ چکھو۔ تم تو زمین پر خواہ مخواہ اکڑے اکڑے پھرا کرتے تھے اور غرور و تکبّر میں چھکے رہتے ہیں۔ بدکاریاں کر کے خوش ہوتے تھے۔ دیکھو اس کے بدلہ میں کیسا ذلیل کرنے والا عذاب تمہارے سر پر ہے۔

یہ جواب ہے کفّارِ مکّہ کی اُن لن ترانیوں کا جو مسلمانوں کے سامنے بگھارا کرتے تھے اور کہتے تھے تم نے مسلمان ہو کر کیا پایا۔ دیکھو ہمارے بُتوں نے ہمیں کیا کچھ نہیں دیا۔ دوست بھی، دولت اور عزت بھی غرض سب کچھ حاصل ہے اس خبط میں تم مبتلا ہو کر غریب مسلمانوں کو ستاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد تمہاری بدکاریوں کا کوئی پوچھ گچھ کرنے والا نہ ہوگا

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا

يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

اے رسول تم عاد کے بھائی ہود کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف پر (عذابِ خدا سے) ڈرایا اور ان سے پہلے اور بعد بھی بہت سے ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے تھے (ہود نے کہا) خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں اُس دن کے سخت عذاب سے ڈرتا ہوں جو تم پر آنے والا ہے۔ انہوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمارے معبودوں کی طرف سے ہمارے دل پھیر دو۔ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب دکھاؤ جس کا تم وعدہ کرتے ہو۔ انہوں نے فرمایا اس کا علم تو خدا ہی کے پاس ہے میں تو جو احکام خدا کی طرف سے دے کر بھیجا گیا ہوں، وہ پہنچائے دیتا ہوں۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو لیکن جب انہوں نے (اس عذاب کو) دیکھا کہ (بادل کی طرح) ان کے میدانوں کی طرف اُمڈا چلا آرہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا۔ (ہودؑ نے کہا نہیں) یہ وہی (عذاب ہے) جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر شے کو ہلاک کر دے گا (پس وہ ایسے تباہ ہوئے) کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ مجرموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

قوم عاد بڑی طاقتور قوم تھی۔ احقاف کے علاقہ میں آباد تھی اور یہ لوگ عمّان سے یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ بڑے سرکش اور ظالم تھے۔ ان کے ڈھے ہُوئے مکانات کے نشانات اب تک پائے جاتے ہیں۔ جن کو سیّاح دیکھنے کے لیے جاتے ہیں۔ ان کو ہدایت کے لیے حضرت ہودؑ کو بھیجا گیا تھا۔ حضرت ہودؑ نے بُت پرستی سے روکنے کی ہر چند کوشش کی مگر وہ نہ مانے۔ حضرت ہودؑ سے کہتے تھے اگر تم ہمارے بُتوں کی مذمّت سے باز نہ آؤ گے تو ہم تم کو قتل کر دیں گے۔ حضرت ہودؑ نے ان کو عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے ہم تمہارے عذاب سے ڈرتے نہیں۔ اگر سچّے ہو تو عذاب لا کر دکھاؤ۔ آخر ایک روز آندھی اُٹھی۔ ہودؑ نے کہا دیکھو عذاب آرہا ہے اب بھی خدا پر ایمان لے آؤ انہوں نے کہا یہ عذاب نہیں ہے بلکہ بادل ہے جو ہم پر برسنے کے لیے آرہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد آندھی نے اُن کو آ لیا اور ایسے کنکر اُن پر برسائے کہ سب ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ ان کے گھروں کی چھتیں اُکھڑ اُکھڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑیں اور ساری بستی ویرانہ بن کر رہ گئی۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع

ہم نے انہیں جو کچھ دیا تھا تم کو کچھ بھی نہیں دیا۔ ہم نے اُن کو کان دیئے تھے انہیں دل دیئے تھے اور آنکھیں دی تھیں مگر چونکہ انہوں نے آیاتِ خدا سے انکار کیا لہٰذا نہ اُن کے کان کام آئے نہ آنکھیں نہ دل اور جس عذاب کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے اُس نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔

کفارِ مکہ سے کہا جا رہا ہے تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں جیسے قوم عاد وغیرہ۔ وُہ مقدرت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں۔ ان کے پاس کیا نہ تھا۔ مال و دولت۔ عزت و وقار۔ جماعتی قوت۔ تمہارے پاس تو ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ پھر کان۔ آنکھ اور دل بھی دیئے تھے گونگے بہرے نہ تھے۔ واقعات کے نتائج سے صحیح فیصلہ کرنے والے بھی تھے۔ مگر تمہاری طرح انہوں نے بھی ان قوتوں سے کچھ کام نہ لیا۔ آیاتِ خدا سے انکار ہی کرتے رہے نہ کمبختوں نے آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے ہدایت کو سُنا اور نہ دلوں سے سمجھا۔ یہ ساری قوتیں انہوں نے بیکار بنا ڈالیں۔ وہی حال تمہارا ہے۔ جس طرح اُن لوگوں نے عذاب کا مذاق اُڑایا اور اُس کی لپیٹ میں آگئے یہی حشر تمہارا بھی ہونے والا ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

(اے اہلِ مکہ) ہم نے تمہارے آس پاس کی بہت سی بستیوں کو تباہ کر دیا اور اپنی قدرت کی بہت سی نشانیاں ان کو دکھائیں تاکہ وہ لوگ ہماری طرف رجوع کریں۔ جن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبُودوں کو خدا کے تقرب کا ذریعہ بنایا ہے انہوں نے ان کی مدد کیوں نہیں کی بلکہ وہ تو غائب ہو گئے۔ یہ حقیقت تھی ان کے جھُوٹ اور ان کی افترا پردازی کی۔

(اے اہلِ مکہ) ذرا اس پر تو غور کرو کہ تمہارے آس پاس کی بستیوں والوں نے خدا کو چھوڑ کر بُتوں کو اپنا معبُود بنایا تھا۔ ہم نے اس جُرم کی سزا میں ان سب کو تباہ و برباد کر دیا۔ ہم نے اسی طرح سے اپنی نشانیاں بھیج کر ان کو سمجھانا چاہا تاکہ وہ اپنی کافرانہ حرکات سے باز آجائیں مگر نہ مانے۔ اُنہوں نے سمجھا تھا کہ ان کے معبُود (بُت) خدا کی درگاہ میں ان کے تقرب کا باعث ہوں گے۔ لیکن وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور جب عذاب آیا تو غائب ہو گئے۔ پس اے اہلِ مکہ سمجھ لو کہ تمہارے یہ بُت بھی تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے۔ تم نے سمجھ لیا کہ ان کے جھوٹ اور ان کی افترا پردازیوں کا انجام کیا ہوُا۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اور جب ہم نے جنّوں میں سے کئی شخصوں کو تمہاری طرف متوجّہ کیا کہ وہ دل لگا کر قرآن سُنیں تو جب اُس کے پاس حاضر ہوئے (تو ایک دوسرے سے) کہنے لگے خاموش بیٹھے سنتے رہو۔ جب

جنّوں کا ایمان لانا

پڑھنا تمام ہُوا تو اپنی قوم کے پاس واپس گئے کہ ان کو عذاب سے ڈرائیں۔ کہنے لگے، اے بھائیو، ہم ایک ایسی کتاب سُن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جو کتابیں پہلے نازل ہوئی ہیں، اُن کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتی ہے۔ میرے بھائیو اللہ کی طرف بُلانے والے کی بات کو قبول کرو اور خدا پر ایمان لاؤ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور دردناک عذاب سے بچالے گا۔

جنّوں کے ایمان لانے کا قصّہ یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد جب آنحضرتؐ بالکل بے یار و مددگار رہ گئے تو اس خیال سے کہ شاید کوئی میرا مددگار نکل آئے طائف تشریف لے گئے۔ وہاں کے اشقیا نے بجائے خاطر مدارت کرنے کے حضرتؐ کو سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ یہاں تک کہ بازاری لونڈوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ حضرتؐ کو ڈھیلے اور پتھر مارنے لگے آپؐ کے پاؤں مبارک لہولہان ہوگئے۔ وہاں سے حضرتؐ پریشان حال واپس چلے۔ راہ میں کھجوروں کا ایک باغ تھا، تنہا شب کو وہیں قیام فرمایا۔ جب نماز کو اُٹھے تو نصیبین و نینوا کے رہنے والے سات جن اُدھر سے گزرے۔ آپؐ کو قرآن پڑھتے دیکھ کر ٹھہر گئے۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ لوگ ظاہر ہوئے اور ایمان لائے اور اپنے مقام پر جا کر دینِ اسلام کو جاری کیا۔

اس سے معلوم ہُوا کہ یہ جن حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے۔ جب ہی تو انہوں نے قرآن سُن کر اس کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کی۔ یہ لوگ جو ایمان لے آئے تھے اکثر ان کے وفود آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپؐ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

بعض تفسیروں میں جنّات کے متعلق بہت سی غیر ضروری باتیں بھی لکھی ہیں۔ جیسے وہ کس ہیئت میں رہتے ہیں کہاں رہتے ہیں ان کی ازدواجی شان کیا ہے۔ میں نے ان سب بحثوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ البتہ ایک امر ضرور قابلِ غور ہے وہ یہ کہ ہماری اُن کی شریعت ایک ہے یا مختلف۔ آیا وہ ہماری طرح ہی نماز ادا کرتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں یا کچھ اختلاف ہے۔ نیز یہ کہ وہ ہمارے ساتھ تمام نعمتوں میں شریک ہیں یا نہیں؟

بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے روزِ حشر مؤاخذہ ہماری طرح ہوگا۔ وہ ہماری طرح مکلف ہیں ان کو بھی ہماری طرح عبادت کا حکم ہے۔ آیہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نعمتوں میں شریک ہیں۔ ایمان لانا بھی ان کے لیے ضروری ہے۔ جو قرآن ہمارے لیے باعثِ ہدایت ہے اُن کے لیے بھی ہے۔ خدا کی توحید اور رسولؐ کی رسالت پر وُہ بھی ایمان لاتے ہیں۔ رہا طریقِ عبادت، تو ممکن ہے اس میں اختلاف ہو کیونکہ وہ ہماری جنس سے نہیں ہیں۔

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن و کافر ان میں بھی ہوتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کا بیرالعلم میں کافر جنّوں کو قتل کرنا اس کا ثبوت ہے۔ مومن جنّوں سے اکثر لوگوں کو فائدے پہنچتے ہیں۔

وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی ؕ بَلٰٓی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۳﴾

خدا آسمان و زمین کی تخلیق سے تھکا نہیں

جس نے خدا کی طرف بُلانے والے کی بات نہ مانی وہ خدا کو روئے زمین پر عاجز نہیں کر سکتا اور نہ اس کے سوا اس کا کوئی سرپرست ہوگا یہی لوگ سخت گمراہی میں ہیں۔ کیا ان لوگوں نے اس پر بھی غور نہیں کیا کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے ذرا بھی نہیں تھکا۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جو کفّار و مشرکین حضرتؐ کے کام میں رکاوٹ ڈالتے تھے وہ سمجھتے تھے ہم اپنی اس منصوبہ میں غالب آجائیں گے اور اللہ جو چاہتا ہے اُسے پورا نہ ہونے دیں گے۔ ان کے جواب میں کہا جا رہا ہے کہ تم کتنی ہی کوشش کرو ہمارے دین کی تبلیغ کو نہیں روک سکتے اور نہ ہمیں عاجز بنا سکتے ہو۔ تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو اس پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کرے بھلا وہ تم سے دب کر رہے گا۔ کیا تمہاری عقل میں یہ بات آتی ہے کہ تم اس کے ارادہ کے مقابل کامیاب ہو سکو گے۔

وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَی النَّارِ ؕ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً
مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۳۵﴾ ع

جس دن کفار جہنم کی آگ کے سامنے پیش کیے جائیں گے (تو ان سے پوچھا جائے گا) کیا اب بھی (قیامت) برحق نہیں ہے۔ وہ کہیں گے اپنے پروردگار کی قسم برحق ہے۔ خدا فرمائے گا تو اب اپنے انکار کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔ اے رسول پیغمبروں میں سے جس طرح اولوالعزم رسول کرتے تھے تم بھی صبر کرو اور ان کے لیے (عذاب میں) جلدی کی خواہش نہ کرو۔ جس دن یہ لوگ قیامت کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو ان کو معلوم ہوگا کہ گویا یہ لوگ (دُنیا میں) بہت رہے ہوں گے تو سارے دن میں سے ایک گھڑی بھر۔ بات پہنچا دی گئی تو وہی لوگ ہلاک ہوں گے جو بدکار تھے۔

انبیائے اولوالعزم وہ لوگ ہیں جو صاحبِ شریعت تھے۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ان میں سے ہر ایک کی شریعت اپنے سے پہلے کی شریعت کی ناسخ تھی۔
حضورؐ سے کہا جا رہا ہے جس طرح تم سے پہلے انبیاء اولوالعزم نے اپنی اپنی اُمتوں کے ظلم پر صبر کیا تم بھی کرو۔ ان کے عذاب میں جلدی نہ کرو۔ جب وقتِ عذاب ان کے سر پر آجائے گا تو ان کو اپنی زندگی کا دن ایک گھڑی کے برابر معلوم ہوگا۔ یعنی دنیا کی ساری زندگی ایک گھڑی بھر کی برابر معلوم ہوگی۔

اولوالعزم رسول

﴿۴۷﴾ سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ ﴿۹۵﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ

مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ
بَالَهُمْ ﴿۲﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ
الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ
اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ﴿۳﴾

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا تو اُن کے اعمال اکارت ہوگئے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اور ایمان لائے اُن باتوں پر جو محمدؐ پر نازل کی گئیں اور وہ اُن کے رب کی طرف سے برحق ہیں تو اُن کے گناہ خدا نے دُور کر دیئے اور اُن کی حالت سنوار دی۔ یہ اس لیے ہے کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہوں نے باطل کا اتباع کیا اور جو لوگ ایمان لائے اُس حق کا اتباع کیا جو اُن کے رب کی طرف سے آیا۔ لوگوں کے لیے اللہ ایسی ہی مثالیں بیان کیا کرتا ہے۔

جو لوگ خدا پر ایمان لائے ہیں اور جو احکام رسولؐ پر نازل ہوئے ہیں اُن کو دل سے مانتے اور اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں خدا اپنی رحمت سے جو گناہ ان سے صادر ہوتے ہیں اُن کو بخش دے گا۔ لیکن جن کافروں نے باطل پرستی اختیار کی ان کے ساتھ کوئی رعایت نہ ہوگی۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا
أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً
حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَا
نتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨

جب جنگ میں کافروں سے تمہاری مڈھ بھیڑ ہو تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب انہیں زخموں سے چُور چُور کر ڈالو تو اُن کی مشکیں کس لو اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو، یا معاوضہ لے کر رہا کر دو۔ یہاں تک کہ دشمن لڑائی کے ہتھیار رکھ دے۔ یہ (یاد رکھو) اگر اللہ چاہتا تو اور طرح بدلہ لے لیتا مگر اُس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش ایک دوسرے سے لڑوا کر کرے۔ جو لوگ راہِ خدا میں شہید ہو گئے ان کے اعمال کو خدا ہرگز اکارت نہ کرے گا۔ انہیں عنقریب منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا اور اُن کی حالت سنوار دے گا اور اس بہشت میں داخل کرے گا جس کا انھیں پہلے سے شناسا کر رکھا ہے۔ اے ایمان والو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور جن لوگوں نے کفر کیا تو اُن کے لیے تباہی و بربادی ہے اور ان کے اعمال برباد کر دے گا۔ یہ اس لیے ہے کہ خدا نے جو چیز نازل فرمائی اُنھوں نے اسے ناپسند کیا پس ان کے اعمال اُس نے اکارت کر دیئے۔

جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے مشرکین کے دل میں عداوت کی بے پناہ آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ ہر روز مسلمانوں کو ستانے کے منصوبے بناتے تھے۔ کبھی مسلمانوں کے اونٹ بھگا کر لے جاتے کبھی تنہا پاکر اُن کو شہید کر دیتے۔ کبھی ان کا قافلہ لُوٹ لیتے۔ آخر خدا نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ تم بھی ڈٹ جاؤ اور ان کا مقابلہ کرو۔ جنگ میں جو لوگ ہاتھ لگیں ان کی کس کر مشکیں باندھیں اور اُن کو اتنی مار مارو کہ زخموں سے

چُور چُور ہو جائیں۔ جب تک یہ اپنے ہتھیار نہ ڈالیں اور تمہارے مقابل جنگ سے باز نہ آئیں ان کے مقابلہ سے جی نہ چراؤ۔ جن کو تم قیدی بنالو یا تو اُن پر احسان رکھ کر اور یہ وعدہ لے کر چھوڑ دو کہ آئندہ ایسا نہ کریں گے یا پھر رہائی کے بدلہ میں کوئی موٹی رقم ان سے لو۔

پھر فرماتا ہے کہ اُن کو بغیر تم سے لڑائے بھی تباہ و برباد کر سکتے تھے لیکن ہم نے ایسا اس لیے کیا کہ تمہاری قوتِ ایمانی کا امتحان لے لیں اور یہ دیکھ لیں کہ محبتِ دین اور حمایتِ حق میں تم کس طرح سر بکف ہو کر لڑتے ہو۔ مسلمانو! یہ بھی یاد رکھو، اگر تم میری مدد کرو گے یعنی میرے دین کی حفاظت و حمایت کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا تمہارے مقابلہ میں تمہارے دشمنوں کو شکست دے گا اور میدانِ جنگ میں تمہارے قدم جمائے رکھے گا۔ جو لوگ میدانِ جنگ میں قدم جما کر نہیں لڑتے تھے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے خدا اُن کی مدد اس لیے نہیں کرتا تھا کہ اُن کے ایمان پکے نہ تھے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ⑩ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ⑪

ع ۱ ۵

کیا ان لوگوں نے روئے زمین پر سیر نہیں کی تاکہ یہ دیکھتے کہ ان سے پہلے (کافروں کا) انجام کیا ہوا ہے۔ خدا نے ان پر تباہی ڈال دی اور کافروں کے لیے ایسی ہی تباہی ہوگی۔ یہ اس لیے ہے کہ ایمان والوں کا سرپرست اللہ ہے اور کافروں کا سرپرست کوئی نہیں۔

اہلِ مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ہمارے رسولؐ کو بے وجہ ستا رہے ہیں۔ کیا انہوں نے روئے زمین پر چل پھر کر ان لوگوں کی تباہی و بربادی کا حال نہیں دیکھا ان کے کھنڈر نہیں دیکھے جو ان سے پہلے گزرے تھے۔ اور ہمارے پیغمبروں کو ستایا کرتے تھے پس یہی انجام اس پیغمبرؐ کے ستانے والوں کا ہوگا۔

یہاں "مولیٰ" کے معنی سرپرست اور کارساز کے ہیں، دوست کے نہیں۔ کیونکہ آیت کا سیاق و سباق یہی بتا رہا ہے کہ معنی سرپرست ہے۔ اسی طرح غدیرِ خم میں آنحضرتؐ نے جو فرمایا تھا من کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ۔ اس میں بھی مولا کے معنی اولیٰ بتصرف ہی ہیں۔ کیونکہ حضورؐ نے اس سے پہلے فرمایا الست اولیٰ بکم من انفسکم۔ کیا میں تمہارے نفسوں سے بہتر نہیں ہوں۔ پس جن لوگوں نے مولا کے معنی دوست لیے ہیں،

اُنہوں نے حدیث کی عظمت کو گرا دیا ہے۔ اور رسولؐ کے کلام کو ایک معمولی انسان کے کلام سے بھی زیادہ بے ربط قرار دیا۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے خدا اُن کو مرنے کے بعد ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کفر کی حالت میں ہیں وُہ دُنیا میں اس طرح جیتے مرتے اور کھاتے پیتے ہیں جیسے چوپائے۔ (مرنے کے بعد) جہنّم ان کا ٹھکانہ ہو گا۔ اے رسول، جس بستی سے ان لوگوں نے نکالا، ان سے طاقت و قوت میں بڑھ کر بہت سی بستیاں تھیں جن کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔ ایسی حالت میں کہ کوئی اُن کا ناصر و مددگار نہ تھا۔

مکّہ والوں نے کونسا ظلم تھا جو حضرت رسولؐ پر نہ کیا۔ مگر آپؐ مکّہ کی محبت میں وہ تمام مظالم جھیلتے رہے لیکن جب وہ شقیا حضرتؐ کے قتل پر آمادہ ہوئے تب حکم خدا ہوا کہ اے رسولؐ، اب تم یہاں سے مدینہ کو ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ آپؐ انتہائی پریشانی میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ راہ میں مڑ مڑ کر مکّہ کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ اور فرطِ محبت میں فرماتے تھے، اے مکّہ تُو مجھے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے اگر یہاں کے لوگ میرے قتل کا ارادہ نہ کرتے تو میں تجھے ہرگز نہ چھوڑتا۔

حضرتؐ کے ہجرت کرنے کے بعد مشرکینِ مکّہ بہت خوش تھے کہ محمدؐ کی وجہ سے ہمارے دین پر جو مصیبت آگئی تھی وہ ٹل گئی۔ لیکن بہت جلد ان کو پتہ چل گیا کہ اس نکالنے کا انجام کیا ہوا۔ چند ہی سال کے اندر لڑائیوں میں ان کے نامی گرامی سردار مارے گئے اور ان کا عسکری نظام اتنا درہم برہم ہوا کہ پھر ان میں حضرتؐ سے لڑنے

کی طاقت باقی نہیں رہی۔

آٹھ ہی سال بعد انہی ظالموں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ جس رسولؐ کو انہوں نے بیکس و بے بس بنا کر مکّہ سے نکالا تھا وہ کس فاتحانہ انداز سے اُسی مکّہ میں داخل ہو رہا تھا اور وہ ظالم کیسی ذلت کے ساتھ مجرمانہ حیثیت میں اُس کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿۱۵﴾

کیا ایسا شخص جو اپنے رب کی طرف سے (اپنی صداقت پر) روشن دلیل لے کر آیا ہو، اُس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کی بد اعمالی کو اس کی نظر میں زینت دی گئی ہو اور جنہوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہو (ہرگز نہیں ہو سکتا) جس جنّت کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفات یہ ہیں کہ اس میں جو نہریں ہیں ان کا پانی (کبھی) بدبودار نہیں ہوتا۔ ان میں دُودھ کی ایسی نہریں ہیں جن کا ذائقہ کبھی نہیں بدلتا۔ اور شراب کی ایسی نہریں ہیں جن کے پینے سے پینے والوں کو لذّت حاصل ہوتی ہے اور ایسی نہریں ہیں جن میں صاف و شفّاف شہد لہریں مارتا ہو گا اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی مغفرت ان پر سایہ فگن ہو گی۔ کیا یہ لوگ ان کے برابر ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنّم میں جھونک دیئے گئے ہوں اور ان کو ایسا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا۔

جو اُن کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

دُنیا کی نعمتوں کا قیاس جنّت کی نعمتوں پر نہ کرنا چاہیئے۔ یہاں کی نعمتیں ایک حالت پر نہیں رہتی تھوڑا سا وقت گزرنے، ناموافق ہواؤں کے چلنے، موسمی حالت بدلنے سے ان کے ذائقہ میں فرق آجاتا ہے۔ پانی میں بُو پیدا ہو جاتی ہے۔ دُودھ بُودار اور کھٹا ہو جاتا ہے۔ شراب میں تلخی آجاتی ہے۔ شہد کا مزہ بدل جاتا ہے۔ پھل سڑ جاتے ہیں۔ جن کے کھانے سے بیماریاں پھوٹ نکلتی ہیں۔

جنّت کی نعمتوں کی خوبیاں ہمارے تصوّر میں بھی نہیں آسکتیں۔ ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایسی نعمتیں ہوں گی کہ نہ آنکھوں نے دیکھی ہوں گی نہ کانوں نے سُنی ہوں گی اور نہ کسی دل میں ان کی صفات کا گزر ہوا ہوگا۔ نہ وہ پانی ایسا پانی ہوگا نہ وہ دُودھ ایسا دُودھ ہوگا۔ نہ وہ شراب ایسی شراب ہوگی۔ نہ وُہ شہد ایسا شہد ہوگا نہ وہ پھل ایسے پھل ہوں گے۔

صرف اہلِ ایمان کو رغبت دلانے کے لیے ان ناموں کا ذکر کیا گیا ہے جو یہاں لذّتِ کام و دہن سمجھے جاتے ہیں۔ ورنہ کہاں وہ لذّتِ روح و ایمان کہاں یہ محرّکِ ہوا و ہوس۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾

(اے رسول) کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تمہاری باتوں پر کان لگائے رہتے ہیں لیکن جب تمہارے پاس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جنہیں (قرآن کا) علم دیا گیا ہے پوچھتے ہیں اس شخص نے ابھی

کیا کہا تھا۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے علامت مقرر کر دی ہے اور جنہوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا ہے اور ان کو پرہیزگاری عطا فرمائی ہے۔ تو کیا ہوا جو لوگ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ یکایک قیامت ان کے پاس آجائے۔ تو اس کی نشانیاں آ ہی چکی ہیں تو جس وقت قیامت ان کے سر پر آ پہنچے گی پھر انہیں نصیحت کہاں مفید ہوگی۔

آیت نمبر ۱۶ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفلِ پند آموز کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آنحضرتؐ کی باتیں تو بہت کان لگا کر سنتے تھے مگر سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا تھا۔ باہر نکلتے تو صاحب علم حضرات سے پوچھتے کہ حضرتؐ ابھی کیا فرما رہے تھے۔ اس درسگاہِ تعلّم کے انوکھے طالب علم کون تھے جنہوں نے باوجود صحبتِ رسولؐ میں موجود رہنے کے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ یا تو یہودی و مشرکین ہوں گے مگر یہ صحبتِ رسولؐ میں جم کر کہاں بیٹھا کرتے تھے کبھی کبھی آ بھی جاتے ہوں گے تو چونکہ اُن کا مقصد حضورؐ پر اعتراض کرنا ہوتا تھا لہٰذا ضرور پوری توجہ سے باتیں سنتے ہوں گے دوسرے ایسا کبھی کبھار ہوتا ہوگا۔ اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے سننے والے ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اگر یہودی وغیرہ نہ تھے تو پھر مسلمانوں ہی میں کچھ لوگ ہوں گے یعنی اصحابِ رسولؐ ہی میں سے۔ غالباً ایسا کرنے والے منافق ہی ہوں گے۔ جو بظاہر اصحابِ رسولؐ میں داخل تھے مگر صحبت سے کیا فیض پاتے تھے اُسے آیت بتا رہی ہے۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں سے نہیں پوچھتے تھے کہ حضرتؐ نے کیا فرمایا۔ بلکہ اُن لوگوں سے پوچھتے تھے جنہیں خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن میں جہاں کہیں اُوْتُوْا بصیغہ ماضی مجہول آیا ہے وہاں وہ لوگ مراد ہیں جنہیں خدا کی طرف سے علم عطا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ حضرت رسولِ خداؐ جب آیاتِ قرآنی کی تلاوت فرماتے تھے اور کچھ لوگوں کی سمجھ میں مطلب نہیں آتا تھا تو اُن لوگوں سے مطلب دریافت کرتے تھے جن کے متعلق انہیں علم ہوتا تھا کہ ان کو علم وہبی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صحبتِ رسولؐ میں دو قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ ایک وہ جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا تھا۔ دوسرے وہ جنہوں نے دُنیا والوں سے حاصل کیا تھا۔ بس پوچھنے والے اس دوسرے گروہ سے نہیں پوچھتے تھے۔ غالباً جانتے ہوں گے ع

ورنہ اوتوا لعلم کی قید بیکار تھی۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سب مسلمان اوتوا العلم والے تھے تو پھر کوئی مسلمان جاہل قرار ہی نہیں پا سکتا اور سب کے سب خدا کے یہاں کے پڑھائے ہوئے بن جاتے ہیں۔ اور یہ مسلّم نہیں۔

قرآن کی تعلیم کو صحیح معنوں میں محفوظ رکھنے والے صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کا علم وہبی ہو۔ اگر تمام اصحابِ رسولؐ اوتوا العلم والے ہوتے پھر ان کے درمیان آیات کے معانی و مفاہیم و تاویلات میں

اختلاف نہ ہوتا اور ایک کو دوسرے سے دریافت کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اور ایک مفسّر کے قول کو دوسرے کے قول پر ترجیح نہ دی جاتی۔

آخر آیت میں اشراطِ قیامت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ قیامت کے قریب ہونے کی ایک بڑی علامت تو وجودِ رسولؐ ہے کہ وہ نبیؐ آخر الزمان ہیں۔ اب انؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اب کائنات کے بند ہونے کا وقت قریب آگیا ہے

۱۔ لوگ نماز ضائع کریں گے۔ ۲۔ نفسانی خواہشوں کی پیروی کریں گے۔ ۳۔ مالداروں کی تعظیم کریں گے۔ ۴۔ دین کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالیں گے۔ ۵۔ جب مومن بدی کو دیکھے گا اور اس کے دُور کرنے کی قوت نہ ہوگی تو اس کا دل اس طرح پگھلے گا جیسے پانی میں نمک۔ ۶۔ ظالم حکام اور بدکار وزیر پیدا ہوں گے۔ ۷۔ اچھی بات بُری ہو جائے گی اور بُری بات اچھی۔ ۸۔ خائن امین ہوگا اور امین خائن۔ ۹۔ عورتیں حکومت کریں گی۔ ۱۰۔ لونڈیوں سے مشورہ کیا جائے گا۔ ۱۱۔ لڑکے ممبروں پر بیٹھیں گے۔ ۱۲۔ جھوٹ اور ظرافت شغلِ محفل ہوگا۔ ۱۳۔ زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے گا۔ ۱۴۔ والدین پر ظلم ہوگا۔ ۱۵۔ عورتیں زیادہ ہوں گی۔ ۱۶۔ دمدار ستارہ ظاہر ہوگا۔ ۱۷۔ زنا کا بازار گرم ہوگا۔ ۱۸۔ عورتیں تجارت میں شوہر کی شریک ہوں گی۔ ۱۹۔ بارش کم ہوگی۔ ۲۰۔ تنگدست ذلیل ہوگا۔ ۲۱۔ عورتیں مردوں کی طرح ذلیل ہوں گی۔ ۲۲۔ سود کی ترقی ہوگی۔ ۲۳۔ گانے والیوں کی کثرت ہوگی۔ ۲۴۔ ظاہر میں دوستی ہوگی مگر دل میں بغض ہوگا۔ ۲۵۔ دولتمند سیر و تماشے کے لیے۔ متوسط تجارت کے لیے۔ فقراء دکھاوے کے لیے حج کریں گے۔ ۲۶۔ پردہ داری دُور ہو جائے گی۔ ۲۷۔ جھگڑے بہت ہوں گے۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ﴿١٩﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٠﴾ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ

خَيْرًا لَهُمْ ﴿٢١﴾

اور یہ جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس سے اپنے اور مومنین و مومنات کے گناہوں کی معافی مانگو۔ اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں (جہاد کے بارہ میں) کوئی سورہ کیوں نہیں نازل ہُوا۔ لیکن جب کوئی صاف صریح معنوں کا سورہ نازل ہُوا اور اس میں قتال کا ذکر کیا گیا تو تم نے دیکھا ہوگا کہ جن کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی چھائی ہو (آنکھیں پتھرا جائیں) وائے ہو ان کے لیے۔ (اچھا کام تو) فرمانبرداری اور پسندیدہ بات ہے۔ پس جب لڑائی ٹھن جائے، تو اگر یہ لوگ خدا سے سچے ہیں تو ان کے حق میں بہت بہتر ہے۔

پہلی آیت میں جو رسولؐ سے کہا گیا ہے کہ تم اپنے گناہ کے لیے استغفار کرو تو اس سے یہ مراد نہیں کہ معاذ اللہ رسولؐ سے صدورِ گناہ ہوتا تھا۔ رسول معصوم ہوتا ہے من المھد الی اللحد اس سے عمداً یا سہواً کوئی گناہ ہوتا ہی نہیں۔ پس یہاں طلبِ مغفرت کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:

اوّل یہ کہ رسول چاہے کتنا ہی عالی مرتبت ہو اُسے اپنے کو خدا کے سامنے قصوروار ہی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ عبدیت اس کی متقاضی ہے۔ اخلاقِ انسانی میں انکساری اور فروتنی بہترین صفت ہے۔ پس رسولؐ جو اعلیٰ مراتبِ اخلاق پر فائز ہوتا ہے سب سے زیادہ اس کی عملی صورت پیش کرے۔

دوسرے اس لیے بھی کہ لوگ حضورؐ کی اس مبارک سنت کو دیکھ کر اپنے اندر بھی یہ عادت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اپنے بڑوں کو جیسا کام کرتے دیکھتا ہے ویسا ہی کرتا ہے۔

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آئندہ گناہوں سے بچنے کے لیے خدا سے طلبِ مغفرت کرے۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہلکی ہلکی فروگذاشتیں بطور ترکِ اولیٰ انبیاء سے ہو جاتی ہیں ان کو بڑا گناہ سمجھ کر توبہ و استغفار کی جائے۔ اور اس پر نظر رکھی جائے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکوں کی نیکیاں مقربانِ بارگاہِ ایزدی کے نزدیک بمنزلہ گناہ ہوتی ہیں۔)

آیت کے آخری حصہ کا مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے مظالم سے تنگ آکر مسلمان یہ چاہتے تھے۔ کہ ہمارے لیے جہاد کا حکم کیوں نہیں نازل ہوتا تاکہ ہم ان کافروں سے جی کھول کر لڑیں اور مارے جائیں تو شہادت کا مرتبہ حاصل ہو۔ لیکن جب جہاد کا حکم آگیا تو جو منافق مومنوں میں ملے ہوئے اپنے کو تیس مار خاں ظاہر کرتے تھے۔ اہلِ ایمان سے جُدا نظر آنے لگے۔ وہ لڑنے والے کہاں تھے بس یوں ہی شیخیاں مارا کرتے تھے۔ حکمِ جہاد جوں ہی کُھلے لفظوں

میں آیا تو اُن کی جان پر بن گئی اور رسولؐ کی طرف اس امید میں دیکھنے لگے کہ شاید حضرتؐ خود ہی جہاد سے گریز کریں۔ یا ہمیں قابلِ جہاد نہ سمجھ کر لڑنے کے لیے اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ بھلا ایسے لوگ فی سبیل اللہ کہاں لڑتے۔ اگر شرما شرمی میں ساتھ چلے بھی جاتے تو سوائے اس کے کہ بھاگنے کے لیے راہیں تلاش کریں اور کیا کرتے۔ یا مدینہ سے نکلتے ہی نہیں تھے۔ بس بہانے تراش لیتے۔ کبھی کہتے حضورؐ ہمارے گھر خالی ہو جائیں گے۔ سوائے عورتوں کے جب کوئی مرد نہ رہے گا، تو دشمن آسانی سے لوٹ لے گا۔ کبھی کہتے ہمارے باغوں میں پھل پکے ہوئے ہیں اگر ہم چلے گئے تو کون توڑے گا اور کون بیچے گا۔ کبھی کہتے یہ موسم ایسا سخت ہے کہ سفر کرنا مشکل ہے۔ وہ بھی نہ جائیں جب موسم ٹھیک ہو جائے تو ہم سب بھی حضورؐ کے ساتھ ہوں گے۔ بعض لدھڑ بن کر وہیں پہ گر پڑتے اور ظاہر کرتے کہ بیماری کی وجہ سے قابلِ سفر نہیں جو سچے مومن تھے اُن کا ان حیلہ سازیوں اور فریب کاریوں سے کیا تعلق تھا۔ فوراً تیار ہو جاتے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا
اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى
اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ
الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

(منافقو) کیا تم سے کچھ دور ہے کہ اگر تم حاکم بنو تو روئے زمین پر فساد پھیلانے اور اپنے رشتے ناطے توڑنے لگو، یہ وہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور گویا خود اُس نے اُن کے کانوں کو بہرا اور آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ یہ لوگ قرآن میں غور کرتے ہی نہیں یا ان کے دلوں پر تالے لگے

ہوئے ہیں۔ بے شک جو لوگ راہِ راست ٹھیک ٹھیک معلوم ہونے کے بعد بھی اُلٹے پاؤں (کفر کی طرف) پھر گئے شیطان نے انہیں (غچے دے کر) ڈھیل دے رکھی ہے اور ان کی تمناؤں کی رسیاں دراز کر دی ہیں۔ جو لوگ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب سے بیزار ہیں یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم تمہاری بات مان جائیں گے اور خدا ان کے پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے۔

معلوم ہوا، اصحابِ رسولؐ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے یہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ حاکم ہو جائیں گے تو اپنی حکومت کے زور میں فساد برپا کریں گے اور اپنی خود غرضی کی بنا پر اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیں گے۔ ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ کلمۂ حق سننے سے یہ لوگ بہرے بن جائیں گے اور حقیقتِ امر کو دیکھنے سے اندھے۔ یہ لوگ قرآن میں غور و فکر کرنے سے اس لیے باز رہیں گے گویا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔ جو لوگ راہِ حق ظاہر ہونے کے بعد بھی پلٹ گئے تو گویا شیطان کا ان پر غلبہ ہے اور اُس نے اعمالِ بد کرنے کے لیے انہیں چھوڑ رکھا ہے۔ غرض یہ ہے کہ یہ لوگ شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔

اصحابِ رسولؐ جو سب کے سب عدول ہیں ان کی شان میں ایسی آیات کا نزول سخت تعجب ڈالتا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ
اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا
رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ
فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ
مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

ایسے لوگوں کی جب فرشتے جان نکالیں گے اُس وقت اُن کا کیا حال ہوگا۔ فرشتے ان کے

چہروں اور پُشت پر (کوڑے) ماریں گے۔ یہ اس لیے ہوگا کہ جس چیز سے خدا ناخوش ہے اُس کی تو یہ لوگ پیروی کرتے ہیں اور جس میں خدا کی خوشی ہے اس سے بیزار ہیں تو خدا نے بھی ان کے تمام اعمال کو اکارت کر دیا۔ کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا ان کے دل کے کینوں کو کبھی ظاہر نہ کرے گا اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں ان لوگوں کو دکھا دیں تو تم ان کی پیشانی سے ان کو پہچان لوگے اور تم ان کو ان کے اندازِ گفتگو ہی سے ضرور پہچان لوگے اور خدا تو تمہارے اعمال سے واقف ہے اور ہم تم لوگوں کو ضرور آزمائیں گے تاکہ تم میں سے جو لوگ جہاد کرنے والے اور (تکلیف) جھیلنے والے ہیں ان کو دیکھ لیں اور تمہارے حالات جانچ لیں۔

یہ آیات اُن منافقوں کے بارہ میں ہیں جو بظاہر دائرہ اسلام میں تھے اور رسولؐ کے صحابی بھی بنے ہوئے تھے اور باطن میں اسلام کے دشمن بھی تھے اور ایسے اعمال کرتے تھے جو خدا کی ناخوشنودی کا باعث ہوتے تھے۔ رضی اللہ عنہم کہلانے والے رضوانِ الٰہی کو کیوں ناپسند کرتے تھے۔ جو کینہ ان کے دلوں میں رسولؐ کی طرف سے تھا وہ سمجھتے تھے کہ یہ چھپا رہے گا لیکن خدا سے کیونکر چھپ سکتا تھا۔ خدا فرماتا ہے، اے مسلمانو! تم ان کے چہرے دیکھتے ہی پہچان لوگے کہ یہ منافق ہیں۔ اُن کی باتیں ہی کچھ اس قسم کی ہوتی ہیں کہ ان سے ان کا نفاق ٹپکتا ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کے دکھانے کو جیسے وہ اعمال کرتے ہیں اللہ ان کی حقیقت سے خوب واقف ہے۔ اے مسلمانو، ہم نے جہاد کا جو حکم دیا ہے تو اس آزمائش کے لیے کہ تم میں کون سچے دل سے اپنی جان دینے کے لیے تیار ہوتا ہے اور جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں ان پر صبر کرتا ہے اور کون اس کے خلاف کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی جانچ تو جنگ ہی کے موقعوں پر کی جاتی ہے ورنہ دسترخوان پر تر لقمے اڑانے والے تو بے شمار ہوتے ہیں۔ غزوات ہی تھے جنہوں نے مومنوں سے منافقوں کو جدا کیا اور اُن کے زبانی دعووں کی قلعی کھولی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور دین کے راستہ سے لوگوں کو روکا اور ہدایت ظاہر ہونے کے بعد جنہوں نے رسول کو ستایا تو انہوں نے اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑا۔ ان کے سب اعمال اکارت ہو گئے۔ اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔

یہ اُن کافروں کے متعلق ہے جو مکہ میں طرح طرح سے رسول کو ستا رہے تھے ان کی مخالفت پر کمر باندھے ہوئے تھے اور جو لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے حالانکہ ہدایت کی تمام صورتیں اُن پر واضح ہو چکی تھیں اس مخالفت سے انہوں نے خدا کا کیا بگاڑا، اپنے ہی اعمال غارت کرائے کیونکہ بغیر اطاعت اللہ و رسولؐ کوئی عمل مقبول ہو ہی نہیں سکتا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ﴿٣٨﴾

خدا کفر کرنے والوں، راہِ خدا سے روکنے والوں اور کفر ہی کی حالت میں مرنے والوں کو ہرگز نہ بخشے گا۔ پس تم ہمت نہ ہارو اور (دشمنوں کو) صلح کی طرف دعوت نہ دو تم غالب ہو ہی اور اللہ تمہارے ساتھ ہے، تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ دُنیا کی زندگی تو کھیل تماشہ ہے اگر تم خدا پر ایمان رکھو گے اور پرہیزگار بنے رہو گے تو تم کو تمہارے اعمال کا اجر فرمائے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا اور اگر وہ تم سے مال طلب کرلے اور سب کا سب طلب کرلے تو تم ضرور بخل سے کام لو گے اور خدا تمہارے کینے ضرور ظاہر کر کے رہے گا۔ دیکھو تم لوگ وہی تو ہو کہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بُلائے جاتے ہیں تو بعض تم میں سے ایسے بھی ہیں جو بخل کرتے ہیں (یاد رہے) جو بخل کرتا ہے وہ خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے۔ خدا تو بے نیاز ہے اور تم اس کے محتاج ہو۔ اگر تم خدا کے حکم سے منّہ پھیرو گے تو خدا تمہارے سوا دوسروں کو بدل دیگا جو تمہارے ایسے بخیل نہ ہوں گے۔

کفارِ مکہ کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ جو کافر ہیں اور اسلام میں داخلہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں، اللہ اُن کو ہرگز نہ بخشے گا۔ کیوں بخشے جبکہ وہ خدا کے کھُلے دشمن ہیں۔ اے مسلمانو! اگرچہ تم تھوڑے سے ہو اور تم کو دشمنوں سے مقابلہ کرنا دشوار ہے لیکن ہمت سے کام لو۔ اپنے ایمان کی کمزوری نہ دکھاؤ۔ ان سے صلح کی بات چیت بھی نہ کرو۔ اس لیے نہیں کہ صلح بُری چیز ہے بلکہ اس لیے کہ اس وقت اس سے تمہاری کمزوری ظاہر ہوگی، اور دشمن تم پر دلیر ہو جائے گا۔ گھبراؤ مت، اُن پر غالب تم ہی رہو گے۔ آج نہیں تو کل۔ کیونکہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ جو کچھ کرو گے اس کا بہترین اجر تم کو دے گا۔ اس دنیا کی راحت و آرام کو دھیان میں نہ لاؤ۔ یہ دنیا ہے کیا، کھیل تماشہ ہے۔ اگر تم ایمان پر قائم رہو گے اور پرہیزگاری کو اپنائے رہو گے تو اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ وہ تمہارے مالوں کے متعلق سوال نہ کرے گا کہ زندگانیٔ دنیا میں تم نے کتنی دولت کمائی تھی یا کتنی دولت تمہارے پاس ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تمہیں مال کی کتنی محبت ہے۔ اگر وہ تم سے ساری دولت مانگ لے تو کیا تم دے دو گے۔ نہیں، تم بخل سے کام لو گے۔ مگر یہ یاد رکھو جو بخل سے کام لے گا وہ اپنے ہی لیے نقصان کرے گا۔ اللہ کو تمہارے مال کی احتیاج نہیں۔ وہ غنی ہے تم سب اس کے محتاج ہو۔ تم جو کچھ راہِ خدا میں دو گے اس سے تمہارے ہی اعمالِ خیر میں اضافہ ہوگا۔ اللہ کو تمہارے مال سے کیا فائدہ۔ اگر تم احکامِ الٰہی سے رُوگردانی کرو گے تو کرو اُسے تمہاری کیا پرواہ ہے۔ تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسائے گا جو تم جیسے کنجوس نہ ہوں گے۔

راہِ خدا میں خرچ کرنے پر خدا نے اس لیے زور دیا ہے کہ اس سے وہ اپنے نادار اور محتاج بندوں کو

فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ اس بات سے کیسے خوش ہوسکتا ہے کہ اس کے کچھ بندے تو افراطِ دولت کے سبب مزے اڑائیں، رنگ رلیاں منائیں اور کچھ لوگ فاقہ پر فاقہ کریں۔ ننگے بدن مارے مارے پھریں۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح انسان ہیں۔ اُن کی ضروریاتِ زندگی بھی وہی ہیں جو تمہاری ہیں۔ تمہیں شکر گزار ہونا چاہیئے کہ تمہارے ہاتھ سے اپنے محتاج بندوں کی ضرورتوں کو پورا کراتا ہے۔ کیا ناشکری کی صورت میں اُسے یہ قدرت نہیں کہ تم کو بھی ان ہی جیسا بنا دے۔

---

(۴۸) سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿۱﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۴﴾ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۵﴾

(اے رسول یہ حدیبیہ کی صلح نہیں) بلکہ ہم نے حقیقتاً تم کو کھلم کھلا فتح عطا کی ہے تاکہ خدا تمہاری

اُمّت کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے اور تم پر اپنی نعمت پُوری کر دے اور تمہیں سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھے اور خدا تمہاری زبردست مدد کرے۔ خدا وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی تاکہ اپنے پہلے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھائیں اور سارے آسمان و زمین کے لشکر تو بس خدا ہی کے ہیں اور خدا بڑا واقف کار حکیم ہے۔ تاکہ مومن مرد اور مومن عورتوں کو بہشت کے باغوں میں جا پہنچائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور یہ ہمیشہ وہاں رہیں گے اور تکفرات کو ان سے دُور کر دے اور یہ خدا کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ سنہ ۶ھ میں حضرت رسولِ خداؐ نے خواب دیکھا کہ میں خدا کے حکم سے چند اصحاب کے ساتھ مکہ گیا ہوں۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور عمرہ بجا لایا۔ آپؐ نے یہ خواب مسلمانوں سے بیان کیا۔ اصحاب یہ سمجھے کہ اس کی تعبیر اسی سال ظاہر ہوگی۔ غرض آپؐ پہلی ذیقعد کو سات سو آدمیوں کے ساتھ عمرہ کو روانہ ہوگئے اور قربانی کے اُونٹ بھی ساتھ لے گئے۔ جب مکہ کے قریب ذوالحلیفہ پر پہنچے اور احرام باندھا تو جاسوسوں کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ کفارِ مکہ آپؐ کی آمد کی خبر سُن کر جنگ کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ مکہ کے سوانہ پر بھیج دیا ہے قریش بالاتفاق آپؐ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہیں۔ اسی اثنا میں جب حضورؐ مقام حدیبیہ پر پہنچے تو آپؐ کا اُونٹ چلتے چلتے رُک گیا۔ چنانچہ آپؐ نے وہیں قیام کیا۔ حدیبیہ میں ایک خشک کنواں تھا۔ اصحاب نے اُسے کھودا مگر پانی نہ نکلا۔ حضورؐ نے وضو فرما کر ایک کلّی اس میں ڈالی اور خدا سے دعا کی تو چشمہ پھوٹ نکلا۔ غرض جب یہ خبریں متواتر آپؐ تک پہنچیں تو آپؐ نے اصحاب سے مشورہ کیا کہ تم لوگ ان سے جنگ کرو گے یا جب یہ لوگ حملہ کریں گے تب صرف ان کا جواب دو گے۔ اصحاب نے کہا ہم لوگ تو زیارتِ کعبہ کو آئے ہیں۔ دوسری ہی صورت اچھی ہے۔ جب آپؐ نے ان کو پست ہمت پایا تو صلح کا خیال دل میں پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ سے فرمایا، تم مکہ جاؤ اور ان لوگوں سے کہو کہ ہم جنگ کرنے نہیں آئے ہیں۔ صرف اعمالِ عمرہ بجا لا کر چلے جائیں گے۔ مگر حضرت عمرؓ نے عذر کیا کہ اب خاندانِ بنی کعب میں کوئی نہیں کہ میری مدد کو اُٹھ کھڑا ہوگا۔ مجھے لوگ مار ڈالیں گے۔ آپؐ عثمانؓ کو بھیجیں کہ اُن کے بہت سے اعزہ موجود ہیں۔ غرض حضرت عثمانؓ یہ پیغام دے کر بھیجے گئے۔ راستہ میں قبیلہ ہوازن کے ثوبان بن سعد سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ان کی بہت خاطر کی اور اپنے گھوڑے پر آگے بٹھا لیا۔ جب مکہ میں پہنچے اور پیغام پہنچایا تو وہ لوگ جہالت پر اُتر آئے اور کہنے لگے ہم محمدؐ کو مکہ کے اندر نہ آنے دیں گے۔ اگر تیرا جی چاہے تو طواف کر لے۔ جب یہ جواب لے کر پلٹنے لگے تو اُن کو قید کر دیا۔ اور یہاں اصحاب میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ تب حضرتؐ نے اصحاب کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا اور ان سے اس بات پر بیعت لی کہ لڑائی سے کبھی نہ بھاگیں گے ان سے لڑیں گے یہاں تک کہ مارے جائیں یا فتح ہو جب آپؐ اس سے

فارغ ہوئے تو طرفین سے صلح کی گفتگو ہوئی۔ کئی آدمی اس میں آگے ہوگئے۔ آخر بڑی تُو تُو میں میں کے بعد جناب امیر علیہ السلام صلحنامہ لکھنے لگے تو ایک ایک لفظ پر وہ وہ بحثیں ہوئیں کہ صلحنامہ لکھنا دشوار ہوگیا۔ جناب امیرؑ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو کفار نے کہا ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہیں مانتے۔ اس کی جگہ بسمک اللھم لکھو۔ غرض جب یہ طے ہوا تو حضرت علی علیہ السلام نے لکھا ھٰذَا مَا قَاضٰى بِهٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس پر کفار پھر برافروختہ ہوئے اور کہا (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۳۴۳) اگر ہم محمدؐ کو رسول مانتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ اسے کاٹو، حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں تو اسے کاٹ نہیں سکتا کیونکہ میں آپؐ کی رسالت پر ایمان لا چکا ہوں۔ غرض آنحضرتؐ نے اُسے کاٹ کر محمدؐ بن عبداللہ لکھا۔ الغرض بعد از خرابی بسیار صلح ہوئی کہ دس برس تک دونوں فریق میں جنگ موقوف رہے گی اور اس سال حضورؐ عمرہ کیے بغیر ہی واپس جائیں گے۔ اگلے سال تین روز کے لیے کفار مکہ کو خالی کر دیں گے مگر کوئی مسلمان مکہ میں تین روز سے زیادہ نہ رہے گا اور ان تین دن کے اندر کوئی مسلمان اپنی تلوار نیام سے نہیں نکالے گا۔ زمانۂ صلح میں اگر کوئی کافر مسلمانوں سے جا ملے تو اُسے واپس کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان یا کافر کسی ضرورت سے مکہ یا مدینہ جائے تو جان و مال سے محفوظ رہے گا۔ غرض یہ صلحنامہ جوں توں کر کے لکھا گیا مگر اس قدر دب کر صلح کرنے سے مسلمانوں کی دل شکنی ہوئی اور طرح طرح کے وسوسے اور خیالات دلوں میں پیدا ہونے لگے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں کہ اس دن جیسا گہرا شک مجھے حضرت کی نبوت میں جب سے مسلمان ہوا ہوں کبھی نہ ہوا تھا۔ اس پر بھی اکتفا نہ کی حضرت سے دو بدو گفتگو کی۔ جب اس پر بھی شک زائل نہ ہوا تو حضرت ابوبکرؓ سے اسی قسم کی باتیں ہوئیں۔

غرض اس کے بعد آپؐ نے مسلمانوں کو ایک متفقہ جگہ پر سر منڈوانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا۔ مگر لوگوں نے مکرر کہنے پر بھی ایسا نہ کیا۔ آپؐ رنجیدہ ہو کر حضرت ام سلمہؓ کے خیمے میں چلے گئے اور لوگوں کی حالت بیان کی۔ انہوں نے عرض کی آپؐ اپنے اُونٹ قربانی کر دیں اور سر منڈوا لیں اور ان لوگوں سے کچھ نہ کہیں۔ غرض آپ نے ایسا ہی کیا تب سب مسلمانوں نے قربانی دی۔

صلح حدیبیہ اگرچہ بہت دب کر ہوئی تھی مگر حقیقتاً اس میں مسلمانوں کی بڑی جیت تھی۔ اسی وجہ سے خدا نے اس صلح کو فتح مبین فرمایا ہے۔ ایک تو ابتدائے اسلام میں آئے دن کی لڑائی سے مسلمان پنپنے نہ پاتے تھے اب دس برس کے لیے اطمینان ہوگیا۔ اتنی لمبی مدت میں مسلمان اچھی طرح اپنا سامانِ جنگ درست کر سکتے تھے۔ دوسرے معلوم تھا کہ کفار کی طرف سے بدعہدی ضرور ہوگی اور ہوئی۔ بنی خزاعہ اور بنی بکر عرب کے دو قبیلے تھے۔ بنی خزاعہ مسلمانوں کے طرفدار تھے اور بنی بکر کفار کے۔ اور یہ دونوں صلح کی شرائط میں داخل بھی تھے مگر چند ہی روز بعد ان میں جنگ ہوگئی اور کفار نے درپردہ بنی بکر کی مدد کی۔ صلح ٹوٹ گئی اور مسلمانوں کو حجت ہاتھ آئی اور دوسرے ہی سال مکہ پر چڑھ دوڑے اور خدا کا کرنا کہ مکہ بے لڑے بھڑے فقط مسلمانوں کے رُعب سے فتح ہوگیا۔ تیسرے حضرت رسولِ خداؐ حدیبیہ سے فارغ ہو کر خیبر کی طرف متوجہ ہوئے کیونکہ وہاں کے یہودی بھی مسلمانوں کو پریشان کرتے رہتے تھے۔ پھر خدا کی شان تھوڑی مدت میں حضرت علی علیہ السلام کے زورِ بازو سے خیبر بھی فتح ہوگیا اور مسلمانوں کو بہت کچھ مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ چوتھے

اس زمانہ میں رومیوں نے اہلِ فارس پر فتح پائی۔ اس کی پیشگوئی حضرت رسولِ خدا کر چکے تھے۔ یہ بھی گویا مسلمانوں ہی کی فتح تھی۔ کیونکہ کفار اس سے بہت دل شکستہ ہوئے اور کفار پر حضرتؐ کی صداقت کا بڑا اثر پڑا تھا جس سے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔ غرض یہ ہے کہ اس صلح سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔

جو لوگ عصمتِ انبیاء کے قائل نہیں اور جن کو ان حضرات معصومین کو گنہ گار ثابت کرنے میں مزہ آتا ہے اور گویا دین کی بڑی خدمت انجام دیتے ہیں وہ کہتے ہیں دیکھئے سورہ کے اوّل میں خدا فرماتا ہے تاکہ اللہ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کردے اس سے ثابت ہوا کہ (معاذ اللہ) رسول گنہ گار تھے۔

پہلے تو ان کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر معاذ اللہ رسول گنہ گار تھے تو ایک گنہ گار کا اتباع بھی گناہ ہوگا اور امت پر اس کی اطاعت مطلقہ واجب نہیں ہوسکتی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کفار فتح مکہ سے پہلے جو گناہ تم سے منسوب کرتے تھے جیسے کہتے تھے کہ تم شاعر ہو، کاہن ہو، افترا پرداز ہو یہ سب تہمتیں تم سے ہٹادی گئیں۔ فتح مکہ کے بعد سب پر ثابت ہوگیا کہ وہ الزام تراشیاں سب بے معنی تھیں۔

مغفرت کے معنی کسی شے کو دبانے یا چھپانے کے ہیں۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار جو الزام کھلم کھلا تم پر لگاتے تھے اب وہ سب چھپ گئے یعنی نیست و نابود ہوگئے۔

بعض مفسرین نے یہ معنی لیے ہیں کہ اس سے مُراد اُمت کے گناہ ہیں یعنی مسلمانوں نے دینِ اسلام کی حمایت میں جو کمزوریاں دکھائی تھیں وہ معاف کردی گئیں لیکن یہ بات تو کان کو نہیں لگتی کہ فتح مکہ ہوتے ہی ان کے پچھلے گناہ بھی معاف ہوگئے اور آگے جو کریں گے وہ بھی معاف کردیئے گئے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ان کے اعمال کی جانچ پڑتال ختم، سارا اعمال نامہ پُرنور، سارے گناہ معاف، ہر مسلمان جنت کا مستحق۔

صحیح بات یہی ہے کہ کفار جو الزام تم پر پہلے لگاتے تھے یا بعد کو لگائیں گے وہ سب ختم کردیئے گئے اور یہ بہت بڑی فتح ہوئی۔ کیونکہ اسلام کی صداقت کا نقش لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ جس مکہ سے ظالموں نے رسولؐ کو نکالا تھا، انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اس مکہ میں آنحضرت بغیر لڑے بھڑے کس طرح فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے۔

ایک مفسر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں سے جو کوتاہیاں عمل میں آتی رہیں، وہ اسلام کے حق میں کارآمد ثابت نہ ہوئیں اور انہی کی وجہ سے فتح مبین میں تاخیر ہوتی رہی۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی جماعت سے کسی عمل میں کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں تو ان کو سردارِ جماعت ہی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ایک فوج اگر کسی میدان میں شکست کھا جائے تو عموماً یہ کمزوری جنرل سے منسُوب کی جاتی ہے حالانکہ اس تمام تر کمزوری کی ذمّہ دار فوج ہوتی ہے۔

آگے جو حضرتؐ پر نعمت کے تمام کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کفار و مشرکین سے جو پریشانیاں تم کو لاحق تھیں اور تبلیغ دین میں جو رکاوٹیں پڑ رہی تھیں فتح مکہ کے بعد وہ دُور ہوگئیں اور تبلیغِ رسالت میں تمہارے لیے آسانیاں پیدا ہوگئیں۔

اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ فتح مکہ کے بعد خدا نے تمہیں اس راستہ پر لگا دیا

جو تمہارے کام میں ہر طرح سہولت پیدا کرنے والا ہے۔ اب اسلام کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

دیکھو خدا نے اس فتح مکہ اور حدیبیہ کی صلح میں تمہاری کیسی شاندار مدد کی اور مومنین جو صلح حدیبیہ کے بعد گھبرا گئے تھے ان کے دلوں کو خدا نے کیسی تسکین دی اور کیسی عزت و رفعت کے ساتھ ان کو مکہ میں داخل کیا۔ اس کامیابی سے ان کے ایمانوں میں کیسی زیادتی ہوگئی۔

کفار و مشرکین ہیں کیا، اُن کی طاقت ہی کیا ہے۔ اللہ کے پاس آسمان و زمین کے لشکر موجود ہیں۔ اُس نے نمرود کے لشکر کو مچھروں سے ہلاک کرا دیا اور ابرہہ کے لشکر کو جو خانہ کعبہ کو تباہ کرنے کے لیے آئے تو ابابیل کی فوج سے دم کے دم میں نیست و نابود کرا دیا۔ یہ خدائی بمبار طیارے تھے ان سے مقابلہ کرنے کی کس میں طاقت تھی۔

جن مومنین و مومنات نے ایمان پر ثابت قدم رہ کر اچھے کام کیے۔ اُن کے ہمیشہ رہنے کے لیے جنت کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ خدا اُن کے گناہوں کو معاف کردے گا اور یہی ان کے لیے بڑی کامیابی ہے۔

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ⑥ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ⑦

منافق مرد اور منافق عورتیں مشرک مرد اور مشرک عورتیں عذاب دی جائیں گی کیونکہ یہ خدا کے متعلق بُرے بُرے خیال رکھتے ہیں۔ ان پر مصیبت کی بڑی گردش ہے خدا ان پر غضب ناک ہے اور اس نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے جہنّم مہیّا کیا ہے جو کیا بُری جگہ ہے۔ آسمان و زمین کے لشکر اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔

یہاں منافقوں کو مشرکوں سے پہلے بیان کیا ہے کیونکہ اسلام کے حق میں یہ مشرکوں سے زیادہ خطرناک تھے مشرک تو کھُلے ہوئے دشمن تھے ان سے بچنا آسان تھا۔ لیکن منافق تو ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے والے تھے۔ ظاہر میں دوست باطن میں دشمن۔ یہ مسلمانوں سے بھی ملے رہتے تھے اور کفار و مشرکین سے بھی۔ یہ دونوں طبقے اللہ کے متعلق بُرے بُرے خیالات رکھتے تھے۔ اُن پر خدا کا غضب تھا۔ لعنت بھی اور اُن کا آخری ٹھکانہ جہنّم تھا۔

اللہ نے اپنے آسمان و زمین کے لشکروں کا ذکر پہلے بھی کیا ہے۔ وہ مشرکوں اور منافقوں کو بار بار آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ تم خدا کے خلاف کارروائیاں کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس کے پاس آسمان و زمین میں بے شمار لشکر ہے۔ وہ اپنی جس فوج کو اشارہ کر دے گا وہ دم کے دم میں تباہی مچا دے گی۔ تم اس سے بچ کر جا نہیں سکتے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٨﴾ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۚ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَٰهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾ ع سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ أَمْوَٰلُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْـًٔا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًۢا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١١﴾

اے رسول ہم نے تم کو (تمام دُنیا پر) گواہ اور خوشخبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ (مسلمانو) تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر بھی اور اس کی مدد کرو اور اس کی عزت کرو اور صبح و شام تسبیح کرتے رہو۔ اے رسول جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ (بیعت کے وقت) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اُوپر

ہوتا ہے پس جو کوئی عہد کو توڑے گا اس کا نقصان اُسی کی ذات کو پہنچے گا اور جس نے خدا کے عہد کو پورا کیا تو ہم اُسے بہت بڑا اجر دیں گے جو دیہاتی لوگ حدیبیہ میں جانے سے رہ گئے تھے اب وہ تم سے کہیں گے کہ ہمارے مال اور لڑکے بالوں نے ہمیں روک رکھا تھا۔ آپ خدا سے ہماری مغفرت کے لیے دُعا مانگیے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں۔ اے رسول، تم اُن سے کہہ دو کہ اگر خدا تم لوگوں کو نقصان پہنچانا چاہے یا تمہیں فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرلے تو کیا خدا کے مقابلہ میں تمہارے گرد و پیش کا بس چل سکتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے خوب واقف ہے۔

بیعتِ رضوان

بیعت کے یہ معنی ہیں کہ بیعت کرنے والا اپنے نفس کو رسولؐ کے ہاتھ بیچ ڈالتا تھا۔ یعنی رسولؐ کو اپنے نفس کا مالک بنا دیتا تھا پھر اس کو رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کا اختیار نہیں رہتا تھا۔ اور رسولؐ اس سے روزِ قیامت اس کی بخشش کا وعدہ کرتے تھے۔ معصوم کے سوا دُوسرے کی بیعت جائز نہیں کیونکہ سوائے معصوم کے تمام افعال و اقوال میں دوسرے کا اتباع نہیں کیا جا سکتا۔

حدیبیہ میں جن لوگوں نے رسولؐ سے بیعت کی تھی، خدا فرماتا ہے وہ بیعت درحقیقت ہم سے تھی۔ وقتِ بیعت جو تمہارا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا تھا وہ درحقیقت ہمارا ہاتھ ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا فعلِ رسولؐ، خدا کا فعل ہوتا ہے۔ یہ مرتبہ سوائے معصوم کے دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے کہ حدیبیہ میں صلح کرنے کے بعد بیعت کو توڑ بیٹھے اور لڑائیوں سے جان چرانے لگے اور ایسے بھی تھے جو مرتے دم تک اپنے اس عہد پر قائم رہے۔

جب حضورؐ حدیبیہ کو جا رہے تھے تو بہت سے بدّو عرب اس خیال سے حضرتؐ کے ساتھ نہ گئے کہ سب مارے جائیں گے کیونکہ اوّل تو ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے دوسرے ان کی تعداد تھوڑی تھی۔ لیکن جب وہاں سے واپس آ کر حضورؐ نے جنگِ خیبر کا ارادہ کیا تو یہ بدّو مالِ غنیمت کے لالچ میں چلنے پر تیار ہو گئے اور حضورؐ سے معذرت کرنے لگے کہ ہمیں مال اور گھر، اہل و عیال نے روک لیا تھا۔ اب ہمارا عذر قبول فرما کر ہمیں ساتھ لے چلیے۔ خدا فرماتا ہے یہ سب ان کا زبانی جمع خرچ ہے جو زبان سے کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں ہے یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ چنانچہ حضورؐ خیبر میں ان کو اپنے ساتھ نہ لے گئے اور وہاں کا مالِ غنیمت صرف انہی لوگوں میں تقسیم کیا جو صلح حدیبیہ کے وقت وہاں موجود تھے یہ لوگ بھی صحابہ کرام میں داخل تھے۔ ایک حدیث بڑے زور شور سے سُنائی جاتی ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں اگر عادل کی یہی تعریف ہے کہ منہ سے کچھ کہے اور دل میں کچھ ہو تب تو بے شک عدول کی فہرست میں داخل تھے ورنہ ان کو صحابہ کی فہرست میں شامل کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے بھی رسولؐ کو دیکھا تھا۔ رسولؐ کے ساتھ رہے تھے

رسولؐ کی صحبت میں بھی بیٹھے تھے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿١٢﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿١٣﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٤﴾ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥﴾

(اے حدیبیہ میں نہ جانے والو) تم تو یہ گمان لیے بیٹھے تھے کہ رسول اور مومنین ہرگز اپنے اہل و عیال کی طرف پلٹ کر آنے والے ہی نہیں اور یہی بات تمہارے دلوں میں جم گئی تھی اور طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے تھے آخر کار تم لوگ آپ برباد ہوئے اور جو شخص خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لیے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے۔ آسمان و زمین کی حکومت اللہ ہی کے لیے ہے۔ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ مسلمانو اب جو تم (خیبر کی) غنیمتوں کو لینے جانے لگو گے

تو جو لوگ حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے تم سے کہیں گے، ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو ہم تمہارا اتباع کریں گے۔ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے قول کو بدل دیں۔ تم کہہ دو، تم ہرگز ہمارے ساتھ چلنے نہ پاؤ گے۔ خدا نے پہلے ہی ایسا قرار دیا ہے کہ یہ لوگ کہیں گے کہ تم لوگ ہم سے حسد رکھتے ہو۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ بہت ہی کم سمجھ ہیں۔

یہ انہی لوگوں کا ذکر ہے جو حدیبیہ کے موقع پر رسولؐ کے ساتھ نہ گئے تھے۔ وہ اپنے مقام پر خوش تھے کہ ہم ہلاکت سے بچ گئے جو لوگ رسولؐ کے ساتھ گئے ہیں وہ بچ کر زندہ آ ہی نہیں سکتے۔ اور یہ بدگمانی ان کے دلوں میں ایسی جمی کہ خدا کے متعلق نہ جانے کیا کیا کہنے لگے۔

اب حضورؐ چند ماہ بعد ہی خیبر میں یہودیوں سے جنگ کرنے جانے لگے تو یہ تخلف کرنے والے اس لالچ میں کہ بہت سا مالِ غنیمت ملے گا مسلمانوں سے آ کر کہنے لگے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لو۔ ہم تمہارے کہنے پر چلیں گے خدا نے ان کے بارہ میں جو کچھ نازل کیا تھا یہ اس کو بدلنا چاہتے تھے۔ مسلمانوں سے کہتے تھے۔ خدا نے ہمارے بارہ میں ایسا ہرگز نہیں کہا۔ تم از راہِ حسد ہم سے ایسا بیان کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ یہ گنوار لٹیرے عرب بات کو سمجھتے تو تھے نہیں چاہتے یہ تھے کہ جان بھی بچی رہے اور مالِ غنیمت بھی مل جائے۔ یہ ایک دو نہیں بہت سے قبیلے تھے جنہوں نے مل کر یہ طے کیا ہوا تھا کہ ہمیں حضورؐ کے ساتھ مکّہ کی طرف نہیں جانا۔ رسولؐ ہم سب کو موت کے منہ میں لیے جا رہے ہیں ہم کیوں ان کا ساتھ دیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ

يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٧﴾

اے رسول تم بدّو عربوں سے جو (حدیبیہ والے واقعہ میں) تمہارے ساتھ نہیں گئے تھے کہہ دو کہ عنقریب ہی تم ایک ایسی سخت جنگجو قوم سے لڑنے کے لیے بُلائے جاؤ گے کہ تم یا تو ان سے لڑتے ہی رہو گے یا وہ مسلمان ہی ہو جائیں گے۔ اگر تم خدا کا حکم مانو گے تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا۔ اور اگر پہلے کی طرح تم نے اب بھی رُوگردانی کی تو خدا تم کو دردناک عذاب دے گا۔ (جہاد میں شریک نہ ہونے پر) اندھے لنگڑے اور بیمار پہ گناہ نہیں۔ جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گا خدا اُسے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو سرتابی کرے گا اُسے دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

بات یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی دائرہ میں داخل ہو جاتے تھے۔ ان سے یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ پوری طرح حکم رسولؐ کی پیروی کریں گے۔ لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی مسلمان کہلانے لگے تھے۔ جو بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے تھے لیکن حقیقتاً وہ اسلامی احکام سے متفق نہ تھے۔ بالخصوص حکم جہاد سے۔ مالِ غنیمت کے لالچ میں لشکر میں شامل تو ہو جاتے تھے مگر لڑنے سے اپنے کو حتی الامکان بچائے ہی رکھتے تھے۔ چاہتے تھے کہ دوسرے کٹ کٹ مریں اور جب فتح ہو تو غنیمت میں سے سب کے برابر ہمیں بھی حصہ ملے۔ بعض ایسے تھے کہ حضرتؐ کے ساتھ لڑنے کے لیے جاتے ہی نہ تھے۔ چنانچہ جب عمرہ کے خیال سے حضورؐ مکہ کو جا رہے تھے تو دیہاتی عربوں کے بہت سے قبیلے آپؐ کے ساتھ نہ تھے۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ یہ جانے والے بچ کر نہ آئیں گے۔ اوّل تو ان کی تعداد کم ہے دوسرے ان کے پاس تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہیں۔ خدا کو ان کی یہ غداری سخت ناپسند آئی۔ اوّل تو ان کو خیبر کے مالِ غنیمت سے محروم کیا گیا۔ دوسرے ان کو یہ سُنا دیا گیا کہ تمہاری اس غداری کی سزا میں تمہارا مقابلہ ایک سخت طاقتور قوم سے کرا دیا جائے گا کہ ان کے مقابل یا تو تم لڑتے لڑتے مر جاؤ گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ وہ کونسی قوم تھی جس کے متعلق اشارہ کیا گیا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ لڑائیاں ہیں جو آنحضرتؐ کے بعد خلفائے ثلٰثہ کے زمانہ میں ہوئیں لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ جن عرب بدّوؤں کے متعلق یہ کہا گیا ہے ان میں سے بہت سے مر چکے تھے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ خیبر کے بعد جو لڑائیاں ہوئیں وہ جنگِ حنین۔ موتہ۔ تبوک تھیں۔ ان ہی معرکوں میں سخت رَن پڑے تھے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿١٨﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٩﴾

جس وقت مومنین تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا اُن سے اس بات پر ضرور خوش ہوا غرض جو کچھ اُن کے دلوں میں تھا خدا نے اسے دیکھ لیا۔ پھر ان پر تسلّی نازل فرمائی اور اس کے عوض بہت جلد انہیں فتح عنایت کی اور (اس کے علاوہ) بہت سی نعمتیں بھی انہوں نے حاصل کیں اور خدا تو غالب اور حکمت والا ہے۔

اُسی بیعتِ حدیبیہ کا سلسلہ چل رہا ہے۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی۔ لوگوں نے اُسے ایسا مقدّس اور متبرک سمجھا کہ اس کے نیچے دُور دُور سے آکر نمازیں پڑھتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے لوگوں کو بُلا کر ڈانٹا اور اس کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا۔ یہ بیعت، بیعتِ رضوان کہلاتی ہے۔ خدا چونکہ ان کے دلوں کی حالت کو جانتا تھا کہ سخت پریشان ہیں لہٰذا اس نے ان پر تسکین نازل کی۔ یعنی ان کی بے چینی دُور ہو گئی اور اس کے بعد اُن کو مالِ غنیمت دلانے کا بھی وعدہ کیا تاکہ خوش ہو جائیں۔

جن مومنین نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی اللہ اُن سے راضی ہوا یعنی اس وقت کے اس عمل سے راضی ہوا نہ یہ کہ اللہ سے رضامندی کا عمر بھر پٹہ لکھوا لیا۔ آیندہ جیسا کوئی کرے گا ویسا اس کا بدلہ پائے گا۔ اسی طرح جہاں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ اُن کے اس وقت کے عمل سے راضی ہوا۔ نہ یہ کہ عمر بھر جو کچھ وہ کرتے رہیں گے ان سب اعمال سے خوش ہونے کا اقرار نامہ اُس نے لکھ دیا۔ اس میں بھی شرط مومنین کی لگی ہوئی ہے۔ جہاں کہیں کسی کے ایمان میں کمزوری پیدا ہوئی رضائے الٰہی کا اس سے تعلق نہ رہے گا۔

یہ ماننا پڑے گا کہ جن لوگوں سے اللہ راضی ہوا اُن سے اس سے پہلے ناراض تھا ورنہ راضی ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کا تعین کون کر سکتا ہے کہ جن سے راضی ہوا ہے ان کے کس کس عمل سے وہ ناراض رہا تھا۔ تیسرے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آئندہ جو اعمال ان سے سرزد ہوں گے وہ ان سب سے راضی رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص تمام عمر اچھے اچھے کام کرتا رہا ہو لیکن آخر عمر میں اس سے کچھ ایسے اعمال سرزد ہو گئے ہوں جن کو خدا ناپسند کرتا ہے تو پھر خدا کی رضا کا تعلق اس سے کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ بات تو یہ ہے کہ آخر وقت تک کوئی گناہ اس سے سرزد نہ ہوا ہو۔ تمام اصحابِ رسولؐ میں صرف ایک حضرت علیؑ ہی ایسے نظر آتے ہیں جن کے نام پاک کے آگے رضی اللہ عنہ نہیں لکھا جاتا بلکہ کرم اللہ وجہہ لکھا

جاتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ صدورِ گناہ کا ان سے تعلق نہیں رہا۔ جب سے ان کا چہرہ ہے جب ہی سے وہ مکرم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی بُت کے سامنے سجدہ ہی نہیں کیا۔ کبھی کوئی شرک کا کلمہ زبان پر جاری ہی نہ ہوا۔ کبھی ان کو رسول ؐ کی رسالت میں شک ہی نہیں ہوا۔ کبھی انہوں نے رسول ؐ کے کسی حکم کو ماننے سے انکار ہی نہیں کیا۔ انتہا یہ ہے کہ جب صلحنامہ حدیبیہ میں مشرکوں نے لفظ رسول اللہ کو مٹانے پر زور دیا اور حضورؐ نے فرمایا اسے مٹا دو تو آپؑ نے اس کے مٹانے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں حضورؐ کی رسالت پر ایمان لا چکا ہوں پھر کن ہاتھوں سے اس کو مٹا دوں۔ چنانچہ حضورؐ نے خود مٹایا۔ علیؑ کا چہرہ مبارک ایسا چہرہ منور تھا کہ اس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا: اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْهِ عَلِیٍّ عِبَادَةٌ۔ علیؑ کے چہرہ پر نظر کرنا عبادت ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ تم ان پر قابض ہوگے۔ تو اس نے یہ (خیبر

کی غنیمت) تو جلدی دلوا دی اور لوگوں کی دست درازی کو تم سے روک دیا اور غرض یہ تھی کہ یہ مومنین کے لیے قدرت کا نمونہ ہو اور خدا تم کو سیدھی راہ پر لے چلے اور دوسری (غنیمتیں) بھی دیں جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے اور خدا ہی ان پر حاوی تھا۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے اگر کفار تم سے لڑتے تو تم ضرور پیٹھ دکھا کر بھاگ جاتے۔ پھر وہ نہ اپنا کسی کو سرپرست پاتے نہ مددگار یہی خدا کی عادت ہے جو پہلے ہی سے چلی آتی ہے اور تم اللہ کی سنت میں تبدیلی تک نہ دیکھو گے اللہ وہ ہے جس نے تم کو ان کفار پر فتح دینے کے بعد مکہ کی سرحدیں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیئے اور تم جو کچھ کرتے تھے خدا اُس کو دیکھ رہا تھا۔

مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ حُدیبیہ کے بعد ہم نے پہلی غنیمت تو خیبر سے دلوا دی اور تم اچھی طرح اس پر قابض ہوگئے۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ ہم نے دشمنوں کے ہاتھ تم سے روکے رہے۔ تیسرے جب تم خیبر کے محاصرہ میں مشغول تھے تو قبیلہ بنی اسد نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مدینہ پر حملہ کر کے عورتوں اور بچوں کو قید کر لیں اور تمہارا سازوسامان لوٹ کر لے جائیں۔ مگر ہم نے مسلمانوں کا ایسا رعب ان کے دلوں پر ڈالا کہ وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر خیبر کی فتح تمہارے لیے کیسی مشکل ہوگئی۔ تم ہر روز میدان سے شکست کھا کر واپس آتے تھے مگر ہم نے علیؑ کے زورِ بازو سے فتح کرا دیا۔ اور وہاں سے اتنا مالِ غنیمت تم کو ملا کہ اس سے پہلے کہیں سے نہ ملا تھا۔

جب حدیبیہ کا صلحنامہ لکھا جا رہا تھا، کفارِ قریش کے ستر آدمی جبلِ تنعیم کی راہ سے چپکے سے اندر آگئے۔ حضرتؐ نے بددعا کی اور مسلمانوں نے باسانی ان کو گرفتار کر لیا۔ مگر حضورؐ نے بمصلحتِ وقت ان کو چھوڑ دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حدیبیہ کی بیعت کے بعد خدا نے تم پر کتنی مہربانیاں کیں۔ اگر حدیبیہ میں کفار تم سے لڑ پڑتے تو تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ اور تم کو ہم نے مکہ میں جنگ کرنے سے بچا لیا ورنہ حرمِ خدا میں جنگ کرنے کا الزام تم پر عاید ہوتا۔ تمہارے سب عمل ہماری نظر میں ہیں۔ بیعت کرنے کے بعد تم نے کیا کیا رنگ نہیں دکھائے مگر ہم نے اپنا طریقہ بدلا نہیں برابر تمہاری مدد کرتے ہی رہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَــــُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾

یہ اہلِ مکّہ وہی تو ہیں جو کافر تھے اور تمہیں مسجد الحرام تک اور قربانی کو اس کے اصلی مقام تک جانے نہ دیا اگر مکّہ میں کچھ ایسے ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں نہ ہوتیں جن سے تم واقف نہ تھے تو تم ان کو (لڑائی میں کفّار کے ساتھ) پامال کر ڈالتے پس تم کو ان کی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا۔ تم کو فتح تو ہوئی مگر ذرا تاخیر سے تاکہ خدا جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اگر وُہ ایماندار کفّار سے الگ ہو جاتے تو جو کافر تھے ہم انہیں دردناک عذاب کی ضرور سزا دیتے۔

حدیبیہ کی جو صلح دب کر ہوئی تھی وہ مسلمانوں کو سخت ناگوار تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مکّہ میں داخل ہو کر خون خرابہ کریں اور اس گستاخی کا مزہ چکھائیں کہ عمرہ کے لیے انہیں خانہ کعبہ تک نہیں جانے دیا اور نہ ان کی قربانیوں کو صحیح مقام تک پہنچنے دیا۔ خدا فرماتا ہے تم نے سمجھا نہیں کہ ہم نے کس مصلحت سے اس وقت جنگ کو روکا۔ مکّہ میں کچھ ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں تھیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے اور چھپ چھپاتے اپنے خدا کو یاد کرتے تھے۔ اگر اس وقت تم مکّہ میں داخل ہو کر جنگ کرتے تو گیہوں کے ساتھ گھُن پس جاتا۔ یعنی وہ مومن بے قصور تمہارے ہاتھوں سے مارے جاتے۔ اگر وہ ان سے الگ ہو گئے ہوتے تو پھر کافروں کو دردناک سزا دی جاتی۔ اللہ نے اپنی رحمت سے ان مومنوں اور مومنات کو بچا لیا۔ اور تم پر ان کے قتل کا الزام عاید نہ ہونے دیا۔ غرض حدیبیہ کی صلح سے بڑے بڑے فائدے مسلمانوں کو پہنچے۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ

ع ۳

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

جب کافروں کے دلوں میں جاہلیت کی ضد سما گئی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنا سکینہ (تسلّی) نازل کی اور پرہیزگاری کے طریقہ پر انہیں قائم رکھا اور وہ اس کے حق دار اور اہل بھی تھے۔ اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ خدا نے اپنے رسول کو ایک سچّا خواب دکھایا تھا۔ کہ تم لوگ انشاء اللہ امن و امان کے ساتھ مسجد الحرام میں داخل ہو گے اپنے سر منڈواؤ گے اور تھوڑے سے بال کتر واؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہو گا۔ جسے تم نہ جانتے تھے خدا اسے جانتا تھا اور اس کے قریب ہی تمہیں ایک اور فتح (خیبر کی) دے دی۔

پہلے اوراق میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ سنہ ۶ھ میں حضورؐ نے یہ خواب دیکھا کہ مسلمان خانہ کعبہ میں عمرہ کے لیے گئے ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ مسلمانوں کو لے کر روانہ ہوئے تھے اور پھر حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا تھا۔ مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ اسی سال اس خواب کی تعبیر ملے گی۔ جب عمرہ بجا لا نہ سکے اور خانہ کعبہ تک نہ پہنچ سکے تو ان کے دلوں میں شکوک پیدا ہوئے۔ حالانکہ آنحضرتؐ نے یہ خبر نہیں دی تھی کہ اسی سال ایسا ہو گا، بلکہ فتح مبین کی خبر دی تھی۔ چنانچہ حدیبیہ کی صلح سے پہلی فتح مبین ظاہر ہوئی۔ پھر اس کے بعد ہی خیبر فتح ہوا۔ مسلمانوں کو وہاں سے بہت سا مالِ غنیمت ملا پھر اگلے سال مکہ فتح ہوا اور مسلمان وہ اعمال بجا لائے جو خواب میں دکھائے گئے تھے یعنی سر بھی منڈائے تھوڑے سے بال بھی کٹوائے اور قربانیاں بھی کیں۔ اس سورہ میں اس خواب کا سلسلہ بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔

چونکہ اس خواب کی تعبیر میں ذرا سی تاخیر ہو گئی تھی اس لیے مسلمانوں کے ایمان شیشہ کی طرح ٹوٹ گئے اور رسولؐ کی رسالت میں بڑے بڑے شک پیدا ہوئے اور خدا سے بدگمان ہو گئے۔ آپس میں کہتے تھے حضرتؐ نے یہ خواب غلط بیان کیا ہے۔ کوئی کہتا تھا خدا نے مسلمانوں کے مقابل کفّار کی بات اونچی رکھی۔ کوئی کہتا تھا کہ فتح کا وعدہ جھوٹا تھا۔ کوئی کہتا مالِ غنیمت ملنے کا وعدہ جھوٹا تھا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ انہی لوگوں کی بدگمانی اور غلط خیال کو دُور کرنے کے لیے دُور سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ عمرہ کے سلسلہ میں جو لوگ حضرتؐ کے ساتھ گئے تھے وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح انہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے تاکہ وہاں خوب لُوٹ مار مچائیں۔ حالانکہ یہ ان کا غلط خیال تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت سے

مسلمان مارے جاتے کیونکہ اوّل تو اُن کی تعداد تھوڑی تھی دوسرے سوائے تلوار کے اور کوئی ہتھیار اُن کے پاس نہ تھا۔ کفار اُن سب کو گھیر کر ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے۔ اور سب سے بڑی خرابی یہ ہوتی کہ جو غریب مسلمان مکّہ میں چھپے چھپائے زندگی بسر کر رہے تھے وہ سب مارے جاتے اور انہی مسلمانوں کے ہاتھوں جنہیں اُن کے مسلمان ہونے کی خبر نہ تھی۔ خدا کی مصلحتوں کو رسولؐ کے سوا کون سمجھ سکتا تھا مسلمانوں کی بہادری کے دعوے جھوٹے تھے۔ چنانچہ چند ماہ بعد ہی جب خیبر کا واقعہ پیش آیا تو اُن کی شجاعت کی قلعی کھل گئی۔ اگر علیؑ جیسا بہادر ساتھ نہ ہوتا تو پتہ چل جاتا کہ ان کی بہادری کتنے گہرے پانی میں ہے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ټ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹ ع ۴ ۱۲

اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس سچے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں

پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرنے والے ہیں تم ان کو رکوع کرتے پاؤ گے یا سجدہ کرتے اور خدا کے فضل اور خوشنودی کے خواستگار ہوں گے۔ کثرتِ سجود سے ان کی پیشانیوں پر گھٹے پڑے ہوئے ہیں۔ یہی اوصاف ان کی توریت میں بھی مذکور ہیں اور انجیل میں بھی۔ ان کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی پھر اس سوئی کو مضبوط کیا تو وہ موٹی ہوئی۔ پھر اپنی جگہ پر سیدھی کھڑی ہوئی اور اپنی تازگی سے کسانوں کو خوش کرنے لگی اور اتنی جلد ترقی اس لیے دی کہ اس کے ذریعہ سے کفّار کا جی جلائے۔ جو لوگ ایمان لائے اور عملِ صالحہ بجا لائے خدا نے ان سے بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

ان آیات میں بہت سی باتوں پر غور کرنا ہے :

۱۔ خدا نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ تمام ادیان پر دین کے غالب کر دینے کے یہ معنی نہیں کہ بہت سے ملک فتح ہو جائیں اور مسلمانوں کی تعداد تمام ادیان والوں سے بڑھ جائے۔ اگر یہ مراد ہو تو اب تک ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ اسلام کے جو اصول اور نظامِ حیات اخلاق ہے وہ ایسا فطری اور عقلی ہے کہ اس کے مقابل کوئی دین ٹھہر نہیں سکتا۔ جب کسی دین سے مقابلہ ہوگا تو اسلام اپنے دلائلِ عقلی و نقلی سے اس پر غالب آئے گا۔ تو اس کے لیے ضرورت ہے کہ ہر زمانہ میں ایک شخص ایسا موجود رہے جو اس دین کا پورا پورا علم رکھنے والا ہو۔ اور اس دین کا پورا قانون جس کتاب کے اندر ہے اس کے سینہ میں محفوظ ہو تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے صحیح ہدایت بھی کر سکے اور دین کی ضرورت کو واضح بھی کر سکے۔ اس غلبہ کی پوری شان تو اُس وقت نظر آئے گی جب دنیا میں سوائے دینِ اسلام اور کوئی دین نظر ہی نہ آئے گا۔ سب ادیان باطل قرار پا کر خس و خاشاک کی طرح اُڑ جائیں گے اور یہ صورت اُسی وقت ہوگی جب قائم آلِ محمد امام مہدیؑ آخر الزماں کا ظہور ہوگا۔ وہی حدیثِ رسولؐ کے مطابق تمام روئے زمین کو عدل و داد سے اسی طرح پُر کر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ اسلام کے غالب آنے کی سب سے بڑی نشانی یہی ہے۔ کیونکہ اسلام کے علاوہ تمام ادیان کے قوانینِ حیات میں ظلم و جور کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔

اس کے بعد یہ آیت ہے کہ محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں اُن کی صفات یہ ہیں جو بیان کی گئی ہیں۔ اُن کے متعلق یہ پتہ چلانا ضروری ہے کہ یہ صفات حضورؐ کے تمام ساتھیوں یعنی اصحاب میں پائی جاتی تھیں یا کچھ خاص ہستیاں تھیں جو ان صفات کی مصداق تھیں۔

(ا) اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ (کافروں پر سخت) کیا اس صفت میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو اسلامی معرکوں میں کبھی قدم جما کر نہ لڑے ہوں اور جنگِ احد کے سلسلہ میں جو لوگ پہاڑ پر چڑھے چلے جا رہے ہوں اور رسولؐ ان کو بلند آواز سے پکار پکار کر واپس بُلا رہے ہوں۔ کیا وہ لوگ اس آیت کے مصداق ہوں گے جن کی تعریف جنگِ خندق

کے سلسلہ میں یوں آتی ہو کہ ان کے کلیجے منہ کو آ رہے تھے اور اللہ کے متعلق بڑی بڑی بدگمانیاں ان کے دلوں میں پیدا ہو رہی تھیں۔ یا جنگِ حنین میں رسولؐ اُن کو پکار رہے ہوں اور وہ بھاگے چلے جا رہے ہوں۔

(ب) رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ ۔ (آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے)۔ کیا اس صفت کے مصداق ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے کسی کا حق غصب کر لیا ہو یا کسی مظلوم بی بی کو ایسا ستایا ہو کہ وہ خوف سے سامنے تڑپ رہی ہو۔ یا کسی صحابیٔ رسولؐ کو اتنا پٹوایا ہو کہ اسے عارضہ فتق لاحق ہو گیا ہو یا کسی حق گو کو سچی بات کہنے کی سزا میں جلاوطن کر دیا ہو۔

(ج) تَرٰىھُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا ۔ (تم ان کو رکوع میں یا سجدہ کرتے پاؤ گے)۔ یوں نماز سب ہی پڑھتے تھے۔ کیا ایسے لوگوں کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جن کی راتیں عبادتِ خدا میں بسر ہوتی ہوں۔ جن کے دن ذکرِ الٰہی میں بسر ہوتے ہوں۔

اگر ایسے لوگ مراد نہیں ہو سکتے تو غالباً وہی لوگ مراد ہوں گے۔ جنہوں نے بقول ابنِ عباسؓ دس ہزار مشرکوں کو تہِ تیغ کیا ہوگا جو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح میدانِ جنگ میں جم کر لڑے ہوں گے۔ جنہوں نے رحماء بینھم کی یہ شان دکھائی ہوگی کہ خود فاقہ پر فاقے کیے ہوں گے۔ اور دوسروں کو سیر کیا ہوگا۔ جن کی عبادت کی یہ شان ہوگی کہ ساری رات رکوع و سجود میں گزارتے تھے۔ سجدہ کرتے کرتے جن کے ماتھوں پر گھٹے پڑ گئے تھے۔

اگر ان الفاظ کو جدا جدا لوگوں میں تقسیم کیا جائے تو عبادت کا اعجاز تو بڑی چیز ہے نحوی قاعدہ سے بھی یہ تاویل صحیح نہ رہے گی۔ یعنی اگر یہ کہا جائے کہ والذین معہٗ ایک شخص کی شان میں ہے اور اشداء علی الکفار دوسرے کی شان میں اور رحماء بینھم تیسرے کی شان میں۔ کیونکہ الذین معہٗ مبتدا ہے اور اشداء علی الکفار وغیرہ اس کی خبر ہے۔ اگر علیحدہ علیحدہ شخص مراد ہو تو پھر مبتدا کس کو بنائیں گے اور خبر کس کو۔

اگر معیت سے یہ مراد ہے کہ حضرتؐ کے فدائی جانثار یا ساتھ رہنے والے صرف چار آدمی تھے تو یہ غلط ہے کیا رزم و بزم میں صرف چار ہی حضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ باقی صحابہ کو شرفِ معیت سے کیوں خارج کیا گیا۔ پس اگر یہ صورت نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس معیت سے مراد کارِ رسالت میں معیت ہے۔ کارِ رسالت میں فروغ ایسی ہی صفات والوں سے ہو سکتا ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ دشمنوں کے حملوں کا سختی سے مقابلہ کرنے والا ہو۔ ان کے شر کا دفع کرنے والا ہو۔ دوسرے غریب مسلمان حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں ان کی ہر طرح مدد کرنے والا ہو۔ اُن سے پوری پوری ہمدردی رکھتا ہو۔ تیسرے یہ کہ خدا کا عبادت گزار بندہ ہو جس سے اس کے کامل الایمان ہونے کا پتہ چلے اور اس کی دیکھا دیکھی لوگوں کو عبادت کا شوق پیدا ہو۔ چوتھے خدا کی مرضی کا خواستگار ہو۔ ہر امر میں خدا کی خوشنودی کو مدِّنظر رکھے شیطان کے جال میں پھنسنے والا نہ ہو۔ ایسا شخص ہی صحیح معنوں میں کارِ رسالت میں مددگار ہو سکتا ہے۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم جلوہ گر تھیں۔

ایسے لوگوں کی مثال توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے۔ خلاصہ یہ ہے۔ ابتداءً اُن کی حالت کمزور تھی۔ رفتہ رفتہ

اُن میں قوت پیدا ہوتی گئی اور پھر تو اُن میں اتنی طاقت آ گئی کہ کفار اُن کو دیکھ کر جلنے لگے۔
پھر فرمایا ہے، اللہ نے ایمان لانے والوں اور عملِ صالحہ کرنے والوں سے گناہوں کے بخشنے اور اجرِ عظیم دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ پس ایمان میں جس کا درجہ جتنا بلند ہوگا اتنا ہی اس کا اجر زیادہ ہوگا۔ کون تصور کر سکتا ہے ان کے اجر کا جو کُل ایمان تھے اور روزِ خندق جن کی ایک ضربت عبادتِ ثقلین سے بہتر تھی۔

---

(۴۹) سُوۡرَۃُ الۡحُجُرٰتِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَهۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۳﴾

اے ایمان والو کسی بات میں اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھ جایا کرو۔ اللہ سے ڈرو بیشک اللہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو اپنی آوازوں کو رسول کی آواز سے اُونچا نہ کرو۔ اور جس طرح ایک دوسرے کے زور زور سے بولا کرتے ہو رسول کے سامنے اپنی آوازوں

سے بولا کرتے ہو، رسول کے سامنے اس طرح نہ بولو ورنہ تمہارے اعمال اکارت جائیں گے۔ اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ جو لوگ رسول کے سامنے اپنی آوازوں کو دھیما رکھتے ہیں۔ اللہ نے تقویٰ میں ان کے قلوب کا امتحان لے لیا ہے ان کے لیے بخشش ہے اور اجرِ عظیم ہے۔

اوّل تو عرب کی اخلاقی حالت یوں ہی گری ہوئی تھی پھر بدّو عرب تو کھُلے وحشی تھے وہ رسولؐ کے اعزاز و اکرام کو کیا سمجھتے۔ انہیں خصوصیت سے اور تمام مسلمانوں کو عمومیت سے یہ بتایا جارہا ہے کہ کسی معاملہ میں اپنی رائے کو خدا اور رسولؐ کی رائے پر مقدم نہ رکھو اور رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز اُونچی نہ کرو اور اس طرح رسولؐ کے سامنے زور زور سے گفتگو نہ کیا کرو جس طرح تم آپس میں گستاخانہ انداز میں بولا کرتے ہو ورنہ تمہارے سارے اعمال ضبط ہو جائیں گے باوجود اس تاکیدی حکم کے اور اس سخت سزا کے حضورؐ کے مرض الموت میں وصیت نامہ لکھتے وقت جو ہنگامہ ہوا اُسے تاریخوں میں پڑھ لیجئے۔ وہ شور و غل تھا کہ حضورؐ کو غصہ میں آکر یہ کہنا پڑا۔ قُوْمُوْا عَنِّیْ (میرے پاس سے ہٹ جاؤ) میرے سامنے یہ جھگڑا کرنا سزاوار نہیں۔ جو اس وقت موجود تھے وہ سب ماشاء اللہ مرتبہ شناسِ رسالت ہی تھے۔ اس صورت میں ان کے سابقہ اعمال کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ کتابِ خدا سے پوچھئے۔ اس کے بعد اُن کے پاس کیا رہ گیا ہوگا اپنی عقل سے فیصلہ کیجئے۔

دھیمی آواز سے رسولؐ کے سامنے بولنے والوں کا یہ مرتبہ بھی دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ ان کے قلوب کا امتحان لے لیا ہے یعنی عند اللہ وہ متقی قرار پاگئے ہیں۔ اُن کے لیے مغفرت بھی ہے اور اجرِ عظیم بھی۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿٦﴾ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ

وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴿٧﴾ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٨﴾

اے رسول جو لوگ تمہیں حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں کے اکثر بے وقوف ہیں اگر وہ تمہارے باہر آنے تک صبر کرتے تو اُن کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ اے ایمان والو اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اُسے خوب تحقیق کر لو ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو اور پھر اپنے فعل پر شرمندہ ہونا پڑے اور یہ سمجھ لو کہ تمہارے درمیان خدا کا رسول ہے۔ اگر بہتیری باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیں تو (اُلٹے) تم ہی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔ لیکن خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کفر و بدکاری اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا ہے۔ یہی لوگ خدا کے فضل و احسان سے راہِ ہدایت پر ہیں اور اللہ بڑا واقف کار حکمت والا ہے۔

کچھ جاہل مسلمان ایسے بھی تھے جو حضرتؐ کو بار بار اس طرح پکارتے تھے جیسے عام لوگوں کو پکارا کرتے ہیں۔ اگر ٹھہر جاتے اور صبر کرتے تو حضورؐ خود ہی حجرے سے باہر تشریف لے آتے۔ اللہ غفور و رحیم ہے کہ ایسے گناہ بخش دیتا ہے۔

فاسق کے خبر لانے کا قصہ یہ ہے:

ولید بن عقبہ جو حضرت عثمانؓ کے مادری بھائی تھے اور اُن کی خلافت کے زمانہ میں سعد بن ابی وقاص کے بعد کوفہ کے گورنر بھی تھے ان ہی نے لوگوں کو ایک دن صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی تھی اور پھر یہ بھی پوچھا تھا کہ اگر کہو تو اور زیادہ کر دوں۔ ان ہی کو حضرت رسولؐ نے بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کو بھیجا۔ ان دونوں میں پہلے ہی سے کچھ خلش آرہی تھی۔ جب قریب پہنچے تو وہ ان کے استقبال کو نکلے۔ آپ سمجھے کہ یہ لوگ ہمیں مارنے آرہے ہیں پس پھر کیا تھا آپ وہیں سے پیچھے اور مدینہ میں آکر دم لیا اور حضرت رسولؐ سے یہ بات دل سے گڑھ کر کہہ دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور زکوٰۃ نہیں دیتے یہ سُن کر حضرتؐ کو رنج ہوا اور ان سے جہاد کا قصد کیا۔ یہ خبر اُن بیچاروں کو پہنچی تو وہ دوڑے آئے اور حضورؐ سے عرض کی کہ یہ بات ہمارے متعلق بالکل لغو اور بہتان ہے ہم خدا و رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتے ہیں مگر آپؐ کو ان کے کہنے کا یقین نہ آیا اور فرمایا، تم لوگ توبہ کرو ورنہ میں ایسے شخص کو تمہارے پاس بھیجوں گا جو بمنزلہ میری جان کے ہے جو تم سے جہاد کرے گا اور تمہاری عورتوں

اور بچوں کو اسیر کرے گا۔ یہ کہہ کر حضرت علیؑ کے شانہ پر ہاتھ مار کر فرمایا، اس کو بھیجوں گا۔ اس کے بعد آپؐ نے خالدؓ بن ولید کو بھیجا تو اُن کو ارکانِ اسلام بجا لاتے پایا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر کشاف جلد ۳)

غور کرو اگر ولید کی بات پر اعتبار کر لیا جاتا تو کتنے مسلمان ناحق قتل کر دیئے جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت رسولؐ، حضرت علیؑ کو اپنی جان سمجھتے تھے اور کیوں نہ سمجھتے جبکہ آیہ مباہلہ میں خدا علیؑ کو نفسِ رسولؐ بنا چکا تھا۔

کچھ منہ چڑھے اور خود پسند لوگ ایسے بھی تھے جو یہ چاہا کرتے تھے کہ حضورؐ اکثر معاملات میں ہماری رائے پر عمل کریں خدا ان سے فرماتا ہے کہ تمہارے درمیان کوئی معمولی شخص نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کا رسولؐ ہے۔ اگر یہ تمہاری باتوں پر عمل کرنے لگیں اور تمہارے مطیع بن جائیں تو اس کا نقصان تم ہی کو پہنچے گا۔ کیونکہ اوّل تو تمہاری عقلیں ناقص ہیں۔ دوسرے تم اکثر خود غرضی کا پہلو سامنے رکھ کر کوئی رائے دیا کرتے ہو۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ خدا نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں کو اس سے زینت دی ہے لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ اپنے ایمان کو کمزور ہونے سے بچاؤ۔ اور اس کی محبت اپنے دل میں قائم رکھو۔ ایمان ہی انسانیت کی جان ہے اس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک نور ہے جس سے تمہارے دل روشن و منور رہتے ہیں تین چیزیں ایمان کی اور انسانیت کی دشمن ہیں۔ خدا نے ان سے تمہیں بیزار کیا ہے۔ پہلی چیز کفر ہے یعنی خدا کے احکام قبول کرنے سے انکار۔ دوسرے بدکاری اور تیسرے نافرمانی۔ جو شخص بدکار اور خدا کا نافرمان بردار بندہ ہے وہ راندۂ درگاہِ الٰہی ہے۔ اس کا کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ ایمان کو دوست رکھنے والے ہیں اور کفر و فسق و عصیان سے نفرت کرتے ہیں پس یہی لوگ نیک بندے ہیں۔ یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا‌ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ‌ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ۝۹ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ‌ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝۱۰

اگر مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صُلح کرا دو۔ اگر ان میں سے ایک

دُوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ حکمِ خدا کی طرف رجوع کرے اور جب رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کرا دو۔ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ایمان لانے والے آپس میں ایک دُوسرے کے بھائی ہیں تو تم اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دو اور اللہ سے ڈرو۔

ان آیات میں اشارہ ہے دو اختلافوں کی طرف۔ اس سے پہلی آیت میں جو ولید بن عقبہ نے غلط بات بیان کی تھی اصحاب میں اس کے متعلق جھگڑا ہوا۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ بنی مصطلق کی سزا کے لیے لشکر بھیجا جائے دوسرا گروہ اس کے خلاف تھا۔ اس میں تُو تُو مَیں مَیں ہو کر معاملہ بڑھ گیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرتؐ خچر پر سوار ہو کر انصار کے مجمع میں پہنچے اور وہاں کچھ دیر ٹھہرے رہے۔ آپؐ کے خچر نے پیشاب کیا۔ اس پر عبداللہ بن رواحہ نے ناک پر ہاتھ رکھ لیا اور گستاخانہ انداز میں کہنے لگا اس خچر کو یہاں سے ہٹاؤ اس کی بدبُو نے دماغ خراب کر دیا ہے۔ عبداللہ بن رواحہ کو یہ بات ناگوار گزری۔ انہوں نے کہا اس کی بدبو تجھ سے اچھی ہے۔ حضرتؐ تو وہاں سے چلے گئے۔ پھر دونوں میں بات بڑھی۔ آخر نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی اس کے بعد دونوں قبیلے اوس و خزرج جن کی لڑائیاں مشہور ہیں چڑھ دوڑے اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ جب حضرتؐ کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ پھر تشریف لائے اور دونوں میں صلح کرا دی۔ یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا مِّنۡهُنَّ‌ۚ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ‌ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِيۡمَانِ‌ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَتُبۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝۱۱

اے ایمان والو کسی قوم کا کوئی مرد دوسری قوم کے مرد کا مذاق نہ اُڑائے ممکن ہے وہ لوگ (خدا کے نزدیک) ان سے اچھے ہوں اور نہ ایک قوم کی عورت دوسری قوم کی عورت کا مذاق اُڑائے ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور تم آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو۔ ایمان

لانے کے بعد بدکاری کا نام ہی بُرا ہے اور جو لوگ باز نہ آئیں تو وُہ لوگ ظالم ہیں۔

ثابت بن قیس بہرا تھا اس لیے اُسے حضرتؐ اپنے قریب جگہ دیتے تھے۔ ایک روز صبح کی نماز میں ثابت اُس وقت
شریک جماعت ہُوا جب ایک رکعت ہو چکی تھی۔ جب نماز سے فارغ ہُوا تو اُس نے حضرتؐ کے قریب جانا چاہا۔ جب
قریب پہنچا تو ایک شخص سے جو حضرتؐ کے قریب تھا وہاں سے ہٹنے کی خواہش کی مگر وہ نہ ہٹا۔ جب دن نکلا تو ثابت نے
اُس کا نام پوچھا۔ اس نے بتایا تو ثابت نے کہا، اچھا تُو فلاں عورت کا بیٹا ہے اس کے بعد اس کی ماں کو بُرے الفاظ میں
یاد کیا۔ یہ آیت اس سلسلہ میں ہے۔

عورتوں کے مذاق اڑانے کا قصہ یہ ہے کہ اُمّ المومنین صفیہؓ جنگِ خیبر میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔ حضرتؐ نے ان کو
اپنی زوجیت میں لے لیا تھا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو یہ ناگوار تھا۔ مگر حضرتؐ سے کیا کہہ سکتی تھیں مگر دل
کا غبار نکالنا تو ضروری تھا۔ جب کسی بات پر جھگڑا ہوتا تو طنزاً کہتیں تُو یہودی کی بچّی کیا جانے۔ جس سے اُنہیں صدمہ
پہنچتا۔ آیت نے نازل ہو کر اس سے روکا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ
اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ
اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى
وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ
تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ
وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـــًٔا ۭ

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

اے ایمان والو بہت زیادہ گمان (بد) کرنے سے بچتے رہو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے
کے احوال کی ٹوہ میں نہ رہو اور نہ تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس
بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اس سے ضرور نفرت کرو گے
اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ لوگو ہم نے تم سب کو
ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم ہی نے تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تاکہ ایک دوسرے
کو شناخت کرلے۔ بے شک خدا کے نزدیک تم سب میں عزّت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہو۔
بے شک خدا بڑا واقف کار خبردار ہے۔ دیہاتی عرب کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ اے رسول کہہ دو
تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو اسلام لے آئے۔ ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں گزرا ہی نہیں
اگر تم خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو خدا تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا
بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔

قابلِ غور یہ بات ہے کہ اسلام نے اخلاقی قدروں کی کتنی زبردست نگہداشت کی ہے۔ ان ہدایات پر اگر عمل
نہ کیا جائے تو انسانیت اپنی سطح سے گر جاتی ہے اور معاشرہ میں کیڑے پڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ جس دائرہ محبت
میں خدا نے مسلمانوں کو رکھنا چاہا ہے وہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے بعد مسلمان نام کا رہ جاتا ہے اسلام نہیں رہتا۔ ان
آیات میں جن باتوں پر توجہ دلائی گئی ہے ان پر عمل نہ کرنے کی خرابیوں پر نظر کرو۔

۱۔ آپس میں ایک گروہ مرد ہوں یا عورت، دوسرے کا مذاق نہ اُڑائے۔ کیونکہ اس سے دشمنی پیدا ہوتی ہے
اور اسلامی اخوّت کا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ گناہ ہے اور بے لذّت۔

۲۔ طعنے نہ دو۔ کہ یہ بھی دوستی کا قاتل ہے۔ اگر تم کسی کے لیے طنزیہ باتیں کرو گے تو وہ تمہیں کب چھوڑ دیگا
لیکن ان باتوں سے دونوں فریق میں سے کسی ایک کو بھی فائدہ نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ تھوڑی دیر کو ناروا طریقہ
سے دل خوش ہوگا۔

۳۔ بُرے نام نہ رکھو۔ وہی نام لو جو اس کے ماں باپ نے رکھا ہے۔ تم اس کا نام رکھنے والے کون۔ یہ
دوسرے کے دل کو اذیت پہنچانے کا سبب ہوگا۔ اور تم سے بدلہ لینے کی فکر میں رہے گا۔

۴۔ کسی مومن کے متعلق بدگمانی سب سے بڑا عیب ہے۔ تم کسی کے دل کا حال جاننے والے نہیں۔ کبھی کبھی یہ بدگمانیاں
بڑے بڑے گناہوں کا باعث بن جاتی ہیں۔

۵ - ایک دوسرے کے حالات کا پتہ چلانے کی اس خیال سے کوشش نہ کرو کہ اُسے نقصان پہنچاؤ گے کہ یہ بھی عداوت کا باعث بن جائے گا۔

۶ - کسی کی غیبت نہ کرو کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے - جو بات تم کسی کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتے اس کو اس کے پیٹھ پیچھے مت کہو ممکن ہے تمہارا خیال غلط ہو یا تم نے غلط سنا ہو - یہ افتراپردازی ہو جائے گی۔ تفسیر درمنثور جلد ۶ مطبوعہ مصر میں ہے کہ ایک دفعہ سفر میں حضرت رسولؐ کے ساتھ کچھ صحابی بھی تھے - ان لوگوں نے حضرت سلمانؓ وغیرہ کی غیبت کی - اس کے بعد کھانے کے وقت کسی آدمی کو سالن لانے کے لیے حضرتؐ کے پاس بھیجا - آپؐ نے فرمایا، وہ لوگ تو گوشت سے خوب پیٹ بھر چکے تو اب سالن کا کیا ہوگا - اس نے جاکر ان صاحبان سے حضرت کا یہ جواب بیان کیا - ان کو بڑی حیرت ہوئی - دوڑے ہوئے حضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے یا حضرت ہم نے تو ایک عرصہ سے گوشت کو دیکھا تک نہیں - حضرت نے فرمایا، اب تک تمہارے دانتوں میں گوشت بھرا ہوا ہے کیا تم لوگوں نے فلاں کی غیبت کر کے اس کا گوشت نہیں کھایا - اس کے متعلق یہ آیت ہے -

بد اخلاقی کی یہ جڑیں جن سے بے شمار بداخلاقیاں اور پھوٹ نکلتی ہیں - اگر کسی معاشرے سے یہ کانٹے نکل جائیں تو پھر کسی کا دل زخمی نہ رہے اور آپس میں ہی ایک دوسرے کا سچا دوست بنا رہے - یہ خوبی صرف اسلام ہی کی تعلیم میں ہے کہ اس نے انسانی فطرت کی چھوٹی سے چھوٹی کمزوری کو بھی جس کی طرف عام لوگوں کی توجہ نہیں جاتی واضح کر دیا ہے - تاکہ آئندہ لوگ بڑے بڑے گناہوں سے بچے رہیں - آخر میں یہ بھی بتادیا کہ خدا کے نزدیک تو صاحب عزت انسان وہی ہے جو پرہیزگار ہو اور بُری باتوں سے بچا رہے - اس کے یہاں سیٹھ ساہوکاروں کی عزت نہیں، صاحبانِ اقتدار کی عزت نہیں، جرگہ والوں کی عزت نہیں اگر ان میں تقویٰ نہیں پایا جاتا - ایک کا دوسرے کو ذلیل سمجھنا اور اپنی فوقیت و برتری کے ڈنکے بجانا خدا کو پسند نہیں کیونکہ تم سب ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہو - یہ تمہارے قبیلے اور جرگے جو بن گئے ہیں ایک دوسرے کے تعارف کے لیے بنے ہیں - اس لیے نہیں کہ اپنی چودھراہٹ تسلیم کرانے کے لیے ایک دوسرے کے سر پر ڈنڈے بجاؤ - اگر فوقیت و برتری چاہتے ہو تو زہد و تقویٰ میں دکھاؤ - ورنہ یوں پدرم سلطان بود کے کھوکھلے نعروں سے کام نہیں چلتا -

آیت نمبر ۱۴ میں اب ایک دوسرا بیان شروع ہوتا ہے -

وہ وحشی اور خانہ بدوش عرب کے قبائل جن پر صدیوں سے تہذیب و شائستگی نے اپنا سایہ تک نہ ڈالا تھا اور علم سے کورے تھے - اسلام کی روزافزوں ترقی دیکھ کر کچھ تو جان کے خوف سے کچھ مالِ غنیمت کے لالچ میں مسلمان تو ہو گئے تھے مگر بس اتنے ہی کہ لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ کہنے لگے تھے اور اتنی سی بات پر شیخی بگھارتے تھے کہ ہم بھی مومن ہیں ہمارے ساتھ بھی وہی رعائتیں ملحوظ رکھو جو سب کے ساتھ کی جاتی ہیں - خدا فرماتا ہے اے رسولؐ ان جاہلوں سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے - اپنے کو مومن نہ سمجھو بلکہ تم اسلام لائے ہو ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا -

اس سے معلوم ہوا کہ صرف لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ کہنا نجات کے لیے کافی نہیں - ایسا شخص صرف نام کا

مسلمان ہوگا جب تک توحید اور نبوت کی دل سے تصدیق نہ کرے گا اور اعمالِ صالحہ بجا نہ لائے گا وہ مومن نہیں ہو سکتا - اور اس کے بغیر کسی عمل کی جزا اسے نہیں مل سکتی - اب رہا عملِ صالحہ کا صحیح طور پر بجا لانا تو جب تک یہ عمل اُن سے نہ لیا جائے گا جو معصوم ہستیاں تھیں اور رسولؐ نے جن کو قرآن کے ساتھ کیا تھا قابلِ قبول نہ ہوگا - اس لیے ہم کلمہ میں محمدٌ رسول اللہ کے ساتھ علیؑ ولی اللہ کہتے ہیں - اُن کی ولایت کا اقرار کیے بغیر ایمان حاصل نہ ہوگا -

---

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

بے شک مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کے رسول پر - پھر انہوں نے شک نہیں کیا - اور اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں - اے رسول کہہ دو کیا تم خدا کو اپنی دینداری جتاتے ہو حالانکہ اللہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اللہ تو ہر شے کا جاننے والا ہے - یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا تم پر احسان رکھتے ہیں - ان سے کہو تم اپنے اسلام کا میرے اوپر احسان نہ رکھو بلکہ یہ تو خدا نے تم پر احسان کیا ہے کہ تم کو ایمان کا راستہ دکھایا اگر تم

سچے ہو تو اس بات کو مانو۔ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ ان کا دیکھنے والا ہے۔

عہدِ رسالت میں یوں تو ہر شخص اپنے کو مومن سمجھتا تھا اور لوگ بھی ایک دوسرے کو مومن کہتے تھے لیکن اللہ کے نزدیک جو مومن اور صادق ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ پر اس اعتقادِ کامل کے ساتھ ایمان لایا ہو کہ پھر کبھی بھول کر بھی نہ تو اللہ کی توحید میں تشک کیا ہو اور نہ رسولؐ کی رسالت میں، خواہ چھوٹا شک ہو یا بڑا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُس نے راہِ خدا میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا ہو۔ جان سے جہاد تو ظاہر ہے۔ مال سے جہاد یہ ہے کہ اُس نے اپنے مال کو راہِ خدا میں خدا کے محتاج بندوں کو اُس حد تک دیا ہو کہ اس کی جان پر بن گئی ہو۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۃ الحشر ۹/۵۹) (اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں چاہے انہیں کیسی ہی تکلیف ہو) کا مصداق ہو۔ عہدِ رسالت میں ایک ذات امیرالمومنین علیہ السلام کی ایسی تھی جنھوں نے نہ کبھی شک کیا اور نہ دوسروں کی ہمدردی میں کبھی پیٹ بھر کر کھایا۔

عہدِ رسولؐ میں بنی اسد قحط سے گھبرا کر مدینہ آئے اور بظاہر مسلمان ہو گئے تاکہ کھانے کو ملے۔ ورنہ ان کے دل میں ایمان کی کوئی محبت نہ تھی۔ خدا نے اس سے پہلی آیتوں میں اسلام و ایمان کا فرق بتایا ہے اور یہاں ایمان کو بتایا کہ وہ کیا ہے۔ اسلام صرف زبان سے اقرار کا نام ہے اور ایمان دل سے ماننے کا نام ہے۔ دوسرے اسلام صرف تقلیدی طور پر مان لینے کا نام ہے اور ایمان دلائل سے ماننے کو کہتے ہیں۔ نمازِ میت میں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وارد ہے۔ یعنی وہ مسلمان مراد ہیں جو جہالت کی وجہ سے دلائل کو نہیں جانتے تھے۔ تیسرے جو لوگ صرف توحید و نبوّت و قیامت کا اقرار کرتے ہیں وہ مسلم ہیں اور جو ان چیزوں کے ساتھ عدل اور امامت کو بھی مانتے ہیں وہ مومن ہیں۔

قرآن میں جابجا يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا آیا ہے۔ یاایھا الذین اسلموا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ چاہے وہ کسی طبقہ کا مسلمان ہو اس کی دل شکنی نہ ہو۔ اور ہر ایک اپنے کو مومن ہی سمجھے شاید اس طریقہ سے کسی وقت وہ مومن بن جائے۔

ایمان کی ایک علامت محبتِ علی علیہ السلام ہے جیسا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے یا علیؑ حبّک ایمانٌ و بغضک کفرٌ۔ (اے علیؑ تمہاری محبت ایمان ہے اور تم سے بغض رکھنا کفر ہے)۔ "ارجح المطالب"

ایک فرق یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد آدمی کافر بھی ہو سکتا ہے اور منافق بھی اور مرتد بھی لیکن ایمان کے بعد پھر ان نجاسات کا تعلق مومن سے نہیں رہتا۔ جنگِ احد میں جب رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ اور لوگوں کے ساتھ تم کیوں نہ بھاگے۔ فرمایا، لَا كُفْرَ بَعْدَ الْاِيْمَانِ۔ (ایمان کے بعد کفر نہیں ہوتا)۔

~

۵۰ سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ ۳۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿١﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٢﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿٣﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿٤﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿٥﴾

ق۔ قرآن مجید کی قسم (محمدؐ پیغمبر ہیں) لیکن (ان کافروں کو) تعجب ہے کہ انہی میں سے ایک (عذاب سے) ڈرانے والا (پیغمبر) ان کے پاس (کیسے) آگیا۔ کفّار کہنے لگے یہ تو ایک عجیب بات ہے، بھلا جب ہم مر جائیں گے اور خاک میں مل جائیں گے تو پھر دوبارہ زندہ ہونا (عقل سے بعید بات ہے) ان کے جسموں سے زمین جس چیز کو کھا کھا کر کم کرتی ہے وہ ہم کو معلوم ہے اور ہمارے پاس تو تحریری یادداشت کتاب (لوحِ محفوظ) موجود ہے مگر جب اُن کے پاس حق (دین) پہنچا تو اُنہوں نے اُسے جھٹلایا۔ وہ لوگ ایسی بات میں (اُلجھے ہوئے) ہیں جسے قرار نہیں۔

قرآنِ مجید کی قسم کھا کر کہا جا رہا ہے کہ تم برحق رسولؐ ہو۔ یعنی یہ قرآن خود اس پر گواہ ہے کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے رسولؐ ہو۔ اگر کفار قرآن کے اس دعوےٰ کو غلط ثابت کر دیتے کہ اس کی مثل تم ایک سورہ بنا کر نہیں لا سکتے تو تمہاری رسالت کو بھی غلط ثابت کرتے مگر جب ایسا نہیں کر سکے تو رسالت کو بھی غلط ثابت نہ کر سکے۔
ان کفّار کو بڑا تعجب اس پر ہے کہ ان ہی میں سے ایک شخص کو رسول کیوں بنایا گیا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر کسی فرشتہ کو بنا کر بھیجا جاتا یا کسی غیر ملکی تورانی۔ ایرانی یا روسی کو ہم بنا کر بھیجتے تو کیا وہ

اس سے ہدایت پاسکتے تھے۔ ہمارا مقصد تو ہدایت کرنا تھا پس اس کے لیے یہی بہتر صورت ہوسکتی تھی کہ انہی میں کا ایک شخص انہی کی زبان میں ان کو ہدایت کرے۔

دوسری یہ بات ان کو تعجب میں ڈال رہی ہے کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو پھر کیسے زندہ ہوں گے۔ ان کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ مرنے کے بعد انسانی جسم کے اجزا کو زمین جہاں جہاں لے جائے گی وہ سب ہمارے علم میں ہے ہماری کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہوُا ہے۔ پس قیامت میں اس کے جسم کے جو اجزا جہاں کہیں ہونگے ہم ان کو وہیں سے اُٹھا کر جمع کردیں گے۔ اور پھر ایسا ہی جسم بن جائے گا۔

انہوں نے حق بات کو جھٹلایا اور رسولؐ کو رسول مانا ہی نہیں۔ وہ تو اس الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ رسول کو کیا سمجھیں۔ کبھی کہتے ہیں وہ شاعر ہیں کبھی کہتے ہیں وہ کاہن ہیں کبھی کہتے جادوگر ہیں۔ کبھی کہتے ہیں مجنون ہیں کبھی کہتے ہیں ان پر کسی نے جادو کردیا ہے۔ ان کا ذہن اُلجھا ہوُا ہے ہر طرف جاتا ہے مگر اس طرف نہیں جاتا کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔ وہ کسی شخص کا مر کر زندہ ہونا تو عجیب بات سمجھتے ہیں۔ اسی میں اپنے ذہن کو اُلجھاتے ہیں۔ لیکن اس طرف غور نہیں کرتے کہ جس خدا نے کائنات کا اتنا بڑا کارخانہ بنایا ہے جس میں اربوں سنکھوں کُرے جو ہماری زمین سے کہیں بڑے ہیں اور جو ہمیں ستاروں کی صورت میں نظر آتے ہیں اور جو ہماری زمین سے اتنی دُور ہیں کہ ان میں سے بعض کی روشنی ۳ ہزار سال بعد ہماری زمین تک پہنچتی ہے جبکہ روشنی کی رفتار فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے۔ جو نظامِ شمسی ہمیں نظر آرہا ہے اسی جیسے ہزار نظام اس کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس کے لیے مرنے کے بعد کسی کو زندہ کردینا کیا مشکل کام ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ

الْخُرُوْجُ ۝

(اب وُہ زندہ کرنے کو سمجھاتا ہے) کیا انہوں نے آسمان کی طرف نظر نہیں کی جو اُن کے سروں پر ہے کہ ہم نے کیسا اُسے بنایا ہے اور کس طرح اُسے (ستاروں سے) زینت دی ہے اور اس میں کہیں شگاف نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس پر بوجھل پہاڑ رکھ دیئے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اُگائیں تاکہ ہماری طرف) رجوع کرنے والے بندے ہدایت اور عبرت حاصل کریں۔ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا اور اس سے باغ اُگائے اور کھیتی کا اناج اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا بُور باہم گتھا ہوُا ہوتا ہے۔ یہ سب بندوں کی روزی دینے کے لیے (پیدا کیا) اور پانی ہی سے ہم نے مردہ شہر (افتادہ زمین) کو زندہ کیا اسی طرح قیامت میں مُردوں کو نکلنا ہوگا۔

جو لوگ مُردوں کو زندہ کرنے پر تعجب کرتے ہیں وہ ہماری قدرت کو تو پہلے سمجھیں۔ ذرا سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھیں کیسی عمارت ہے جس میں کہیں ستون نہیں۔ کیسا شامیانہ ہے جس کے لیے روک نہیں۔ پھر اس میں ستاروں کے کیسے چراغ جلاتے ہیں جو کبھی بجھتے نہیں۔ کہیں شگاف پڑتا نہیں۔ بے شمار کُرے اس فضا میں پھیلے ہوئے ہیں جو ہماری زمین سے ہزاروں درجے بڑے ہیں مگر آپس میں ٹکرلتے نہیں۔ اپنے اپنے راستہ پر ہر ایک کی گردش ہے۔ اب آسمان سے نظر نیچے لاؤ زمین کو دیکھو کس طرح ہم نے اُسے پھیلایا ہے کس طرح پہاڑوں کا ایک لمبا چوڑا سلسلہ اس پر قائم کردیا ہے کہ کسی طرف کو ہلے ڈلے نہیں۔ پھر اس زمین پر کیسی کیسی خوشنما چیزیں لگائیں۔ پھر بادل برسایا جس سے باغوں میں بہار آئی۔ کھیت لہلہائے۔ لمبے لمبے درخت جھومے۔ اس کے بعد گتھے ہوئے بُور سے خوشے نکلے۔ یہ سب انسانوں کی روزی کا سامان ہے۔ اے بیوقوفو! یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی تم کو اس کا یقین نہیں آتا کہ ہم مرنے کے بعد مُردوں کو زندہ کردیں گے۔ بات یہ ہے کہ انسان ایسا بے وقوف نہیں کہ دُنیا کی ان سب چیزوں کے اہم معجزات کو دیکھ کر یہ نتیجہ نہ نکالتا ہو کہ کسی زبردست طاقت کا ہاتھ اس عظیم الشان کارخانہ کو چلا رہا ہے اور اس مشین کے بے شمار پرزوں میں سے کسی ایک کی مجال نہیں کہ معیّنہ قانون کے خلاف ذرا سی حرکت بھی کرسکے۔ مگر وہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کے اقرار سے اس لیے گھبراتا ہے کہ پھر اُسے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دوبارہ زندہ ہونا کسی مقصد سے ہونا چاہیئے۔ اور جب یہ بات اس کے کان میں پڑتی ہے کہ قیامت میں ہر انسان سے اس کے اعمال کا پُورا پُورا حساب لیا جائے گا تو بس یہیں سے اس کی طبیعت گھبرانے لگتی ہے اور اُسے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامت کا سرے ہی سے انکار کردے اور بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر اپنے مضطرب قلب کی تسکین کا سامان بہم پہنچائے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ مَّا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾

اور ایسے ہی ان لوگوں سے پہلے قومِ نوح اور اصحاب رس اور ثمود و عاد و فرعون و برادرانِ لوط (قومِ لوط) اور ایکہ والوں اور قومِ تُبّع میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ تو ہمارے عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہا تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں۔ (ہرگز نہیں) مگر وہ لوگ تو نئی پیدائش کے متعلق شک میں پڑ گئے ہیں۔ اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو کچھ اس کے دل میں گزرتا ہے ہم اس کو جانتے ہیں اور ہم تو اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو دو لکھنے والے (کراماً کاتبین) جو اس کے داہنے بائیں بیٹھے لکھتے رہتے ہیں۔ کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان ہر وقت اس کے پاس موجود رہتا ہے اور جب اس پر موت کی بیہوشی یقیناً طاری ہوگی۔ (تب ہم کہیں گے) یہی وہ ہے جس سے تُو بھاگا پھرتا تھا۔

آیت نمبر ۱۳ میں قوم فرعون کی جگہ صرف فرعون فرمایا ہے اس لیے کہ وہ بجائے خود سرکشی میں ایک قوم بنا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے مصر میں تیس بادشاہ اور ہوئے تھے جو فرعون کہلاتے تھے۔ ان کا آخری بادشاہ وہ فرعون تھا جو دریائے نیل میں غرق کیا گیا۔ انہی فرعونوں کی اولاد قبطی کہلاتی تھی اور اس لحاظ سے اس قوم کو آلِ فرعون کہا جاتا تھا۔

ان تمام اقوام نے جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے۔ انبیاء کو جھٹلایا تھا اور ان سب کے جھٹلانے کا طریقہ ایک ہی تھا یعنی اپنے نبی کے پیغمبر ہونے سے اس بنا پر انکار کرتے تھے کہ وہ بشری صورت میں ہوتا تھا اور ان کی طرح چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا تھا۔ دوسرا انکار یہ تھا کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت کے آنے کو نہیں مانتے تھے ان کے اس عقیدہ باطل کے جواب میں خدا فرماتا ہے کہ ہم پہلی بار پیدا کر کے کیا تھک گئے ہیں جو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے۔ پہلی بار بھی تو انسان کو ہم نے ہی پیدا کیا تھا۔ پس اس سلسلہ میں جو وسوسے ان کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں ہم ان سے دُور ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں ان چیزوں سے ناواقف ہیں لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے ہم تو ان کی رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ ہمارا علم اور ہماری قدرت اِن کو اس طرح گھیرے ہوئے ہے کہ اس سے باہر کوئی چیز نہیں جا سکتی۔ جس طرح رگِ گردن اس کے قلب کی ہر حرکت کی نشاندہی کرتی ہے ہم اس سے بھی زیادہ اس کے اعمال کی خبر رکھنے والے ہیں۔ ہمارے علاوہ ہمارے مقرر کیے ہوئے دو فرشتے اس کے داہنے بائیں بیٹھے ہوئے اس کے ہر عمل کو لکھ رہے ہیں۔ داہنی طرف والا نیکیاں لکھتا جاتا ہے اور بائیں طرف والا بدیاں۔ جو لفظ بھی اس کی زبان سے نکلتا ہے ہمارے معیّن کردہ نگہبان جھٹ اس کو لکھ لیتے ہیں۔ بتاؤ ایسی صورت میں تمہارا کوئی عمل ہم سے کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ تم ان غلط خیالوں کو اس لیے دل میں جگہ دیتے ہو اور گناہ کرنے پر اس لیے تم کو جرأت ہو رہی ہے کہ تم موت کا وقت بھولے ہوئے ہو۔ جب وہ وقت آئے گا اور تم پر موت کی بیہوشی طاری ہوگی۔ اس وقت تم سے کہا جائے گا یہی ہے وہ وقت جسے تم بھولے پڑے تھے اس وقت تمہارے لیے کچھ نہ بن پڑے گی۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢٠﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَّشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾

اور (قیامت کے دن) صور پھونکا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہی (عذاب کے) وعدہ کا دن ہے اور ہر شخص ہمارے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہنکانے والا ہوگا اور ایک

اس کے اعمال کا گواہ ہوگا۔ اُس سے کہا جائے گا کہ اس دن کے آنے میں تو غفلت میں پڑا ہُوا تھا تو اب ہم نے تیرے سامنے سے پردے کو ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔

قیامت کے دن کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس کی علامت یہ ہوگی کہ صُور پھُونکا جائے گا۔ اس وقت لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے اور عرصۂ محشر میں اس طرح آئیں گے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ ہوگا جو اُسے ہنکائے لاتا ہوگا اور دوسرا فرشتہ اس کا نامۂ اعمال لیے ہوئے ہوگا اور کہے گا اس دن کے متعلق تُو غفلت میں پڑا ہُوا تھا۔ اب ہم نے تیری آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے ہیں۔ پس آج تیری نگاہ کافی تیز ہے کوئی پردہ اس کے سامنے نہیں۔ دیکھ ان سب چیزوں کو جن کی خبر رسولؐ نے تجھے دی تھی اور تُو اُن کو نہیں مانتا تھا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ شہید سے مراد وہ رسول ہے جو اپنی امّت کا گواہ بن کر اس کے ساتھ ہوگا اور یہ گواہی دے گا کہ میں نے اس پر احکامِ خدا کی تبلیغ کر دی تھی اور اس کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا مگر اس نے مجھے جھٹلایا تھا۔ ایک اور آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے (۸۹/۱۶ النحل)

(کیا ہوگا اس روز جب ہم ہر اُمّت کو اس کے گواہ کے ساتھ بلائیں گے اور اے رسولؐ تم ان سب کے گواہ ہوگے۔) یعنی ہر امّت کا رسولؑ اس کے ساتھ ہوگا اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان سب پر گواہ ہوں گے۔ یعنی اگر کسی امّت کے افراد اپنے رسول کی تبلیغ سے انکار کریں گے تو حضرت رسولؐ اس رسول کی تبلیغ کی گواہی دیں گے۔ اسی لیے نورِ محمّدی کو ہر رسول اور ہادی کے ساتھ رکھا گیا ہے۔

وَقَالَ قَرِينُهُ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلٰكِنْ كَانَ فِي ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ﴿٢٨﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٢٩﴾ ع

اس کا ساتھی فرشتہ کہے گا یہ اس کا عمل جو میرے پاس ہے حاضر ہے (تب کہا جائے گا) تم دونوں سرکش ناشکرے کو دوزخ میں ڈال دو جو مال میں بخل کرنے والا (واجب حقوق ادا کرتے ہیں) حد سے بڑھنے والا اور دین میں شک کرنے والا تھا۔ یہ وہ ہے جس نے اللہ کے ساتھ دوسرے کو معبُود بنایا تھا۔ تو تم دونوں اُسے عذابِ سخت میں ڈال دو۔ اس وقت اس کا ساتھی (شیطان) کہے گا اے ہمارے رب میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو خود سخت گمراہی میں مبتلا تھا۔ اس پر خدا فرمائے گا ہمارے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تو تم کو پہلے ہی عذاب سے ڈرا چکا تھا۔ میرے یہاں بات بدلا نہیں کرتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔

اَلْقِیَا فِیْ جَھَنَّمَ کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کون دو ہیں۔ جن سے کہا گیا کہ تم دونوں اسے جہنم میں ڈال دو۔ مفسرینِ عامہ نے لکھا ہے کہ یہ کراماً کاتبین فرشتوں سے کہا جائے گا لیکن شیعی مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت رسولؐ خدا اور حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

مُسند احمد حنبل میں یہ روایت مرقوم ہے:

شریک بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ ابو محمد اعمش کے مرض الموت میں عیادت کو گئے۔ حضرت ابو حنیفہ اور ابنِ ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ بھی آگئے۔ ابو حنیفہ نے کہا، اے ابو محمد خدا سے ڈرو۔ یہ تمہارے لیے آخرت کا پہلا دن ہے اور دُنیا کا آخری دن۔ تم بہت سی ایسی حدیثیں علیؑ بن ابی طالب کے متعلق بیان کرتے ہو کہ نہ بیان کرتے تو اچھا تھا۔ یہ سُن کر اعمش کو غصہ آگیا۔ کہنے لگے کیا مجھ جیسے آدمی کے متعلق ایسی بات کہی جاسکتی ہے۔ مجھے ذرا تکیہ لگا کر بٹھا دو۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ ابو المتوکل نے ابو سعید خُدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِؐ خدا نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو مجھ سے اور علیؑ سے کہا جائے گا کہ اپنے دوستوں کو بہشت میں داخل کرو اور اپنے دشمنوں کو جہنّم میں ڈالو۔ یہی مطلب ہے خدا کے اس قول کا اَلْقِیَا فِیْ جَھَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ۔

جو لوگ شیطان پر بہکانے کا الزام لگائیں گے۔ شیطان اُس وقت بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے گا میں نے انہیں سرکشی پر آمادہ نہیں کیا یہ تو خود ہی گمراہی میں پھنس گئے۔ جب دونوں میں نوک جھونک شروع ہوگی تو خدا فرمائے گا۔ یہ جھگڑا میرے سامنے نہ کرو۔ میں تو پہلے ہی عذاب سے ڈرا چکا تھا۔ پھر تم ڈرے کیوں نہیں، تم نے گناہوں کو چھوڑا کیوں نہیں۔ اب تو نزولِ عذاب کے متعلق جو میرا قول ہے وہ بدلنے والا نہیں۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا جو کچھ عذاب کسی پر نازل ہوگا وہ اس کے کرتُوتوں کا نتیجہ ہوگا۔ اپنے پیروں خود کلہاڑی مارنے والے کا کیا حق ہے کہ دوسروں کو ملزم قرار دے۔

شیطان اپنی برأت اس بنا پر ظاہر کرے گا کہ وہ کسی کو فعلِ بد کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ اس کا کام تو دل میں وسوسہ

ڈالتا ہے۔ جب خدا نے انسان کو عقل دی ہے تو وہ اُس وسوسہ سے بچنے کو بچاتا کیوں نہیں اور اپنے بھلے بُرے کو سمجھتا کیوں نہیں۔

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ﴿۳۰﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿۳۱﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿۳۲﴾ مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿۳۴﴾ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ ﴿۳۶﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿۳۷﴾

اس دن ہم خود دوزخ سے پوچھیں گے کہ تُو بھر چکا۔ وُہ کہے گا کیا کچھ اور بھی ہے اور بہشت کو پرہیزگار لوگوں سے بہت قریب کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا اس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ہر اُس سے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا اور حدودِ الٰہیہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ جو شخص خدا سے بے دیکھے ڈرتا رہا اور خدا کی طرف رجوع کرنے والا دل لے کر آیا (اس سے بھی وعدہ تھا)۔ (حکم ہوگا) کہ اس میں صحیح سلامت داخل ہو جاؤ یہی تو ہمیشہ رہنے کا دن ہے اس میں یہ لوگ جو چاہیں گے ان کے لیے حاضر ہوگا اور ہمارے یہاں تو اس سے بھی زیادہ ہے۔ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کیں جو ان سے قوت میں کہیں بڑھ کر تھیں اور انہوں نے

(موت کے خوف سے) شہروں کو چھان مارا کہ کہیں بھی بھاگنے کا ٹھکانہ ہے۔ اس میں بے شک آگاہ دل رکھنے والے اور حضورِ قلب سے سننے والے کے لیے بے شک نصیحت ہے درآنحالیکہ وہ گواہ ہے۔

خدا کا جہنم سے یہ کہنا کہ تُو پُر ہوگیا ہے یا نہیں اور اُس کا یہ جواب دینا کہ کچھ اور ہے تو دیجئے یہ معنی رکھتا ہے کہ جہنم میں اتنی وسعت ہے کہ آدم سے قیامت تک کی مخلوق بھی جب اس میں ڈالی جائے گی تو بھی وہ پُر نہ ہوگا اور برابر اس سے یہی آواز آئے گی کہ اور لائیے ابھی میں نہیں بھرا۔ جنت متقیوں سے نزدیک کر دی جائے گی۔ یعنی خود متقیوں کے پاس آجائے گی۔ متقیوں کو اس کے پاس جانا نہیں پڑے گا۔
جنت میں جو کچھ لوگوں کی خواہش ہوگی وہ سب ان کو ملے گا اور صرف اتنا ہی نہیں کہ ان کی خواہش کے مطابق ہی وہاں سامان ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ نعمتیں ہوں گی۔ جو ان کے وہم و خیال میں بھی نہ آئی ہوں گی۔ حضورؐ کے زمانہ کے کفار کو بتایا جا رہا ہے کہ تم ہو کیا چیز۔ تم سے پہلے ایسی امتیں گزر چکی ہیں جو مال و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے لیکن جب ہمارا عذاب آیا تو بھاگے بھاگے پھرے مگر انہیں کہیں جان بچانے کی جگہ نہ ملی۔ تم لوگوں کو ان کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۴۲﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۴۴﴾

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ قف فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾ ع

ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان چیزوں کو جو ان دونوں کے درمیان ہیں چھ دن میں پیدا کیا اور تکان تو ہمیں چھوُ بھی نہیں گئی۔ (اے رسول) یہ کافر جو کچھ کہا کرتے ہیں اس پہ صبر کرو اور اپنے رب کی تسبیح کرو۔ سُورج نکلنے سے پہلے اور غروب سے پہلے اور تھوڑی دیر رات کو اور نماز کے بعد بھی تسبیح کیا کرو اور کان لگا کر سُن رکھو جس دن لوگ ایک سخت چیخ قریب سے بخوبی سُن لیں گے وہی دن لوگوں کے قبروں سے نکلنے کا ہو گا۔ ہم بے شک لوگوں کو زندہ بھی کرتے ہیں اور مارتے بھی ہیں اور ہماری طرف ہی پھر کر آنا بھی ہے۔ جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ جھٹ پٹ نکل کھڑے ہوں گے اور یہ اٹھانا اور جمع کرنا ہمارے لیے بہت آسان ہے اور اے رسول لوگ جو کچھ کہتے ہیں اسے ہم خوب جانتے ہیں اور تم ان پر جبر تو کرتے نہیں تو جو ہمارے وعدہ سے ڈرے اس کو تم قرآن کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہو۔

یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ خدا آسمان و زمین کو چھ دن میں بنانے کے بعد تھک گیا اس لیے اب وہ آرام میں ہے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ خدا کو تکان عارض نہیں ہوتی۔ وہ آدمی جیسا نہیں کہ کام کرنے کے بعد تھک جائے۔

حضورؐ سے قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کا ذکر سُن کر کفار و مشرکین آپس میں بیٹھ کر مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ خدا اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے۔ اے رسولؐ صبر سے کام لو اور بجائے ان کی طرف دھیان دینے کے اپنے رب کی حمد کی تسبیح کیا کرو یعنی نمازیں پڑھا کرو۔ طلوعِ شمس سے پہلے نمازِ صبح، غروب سے پہلے ظہر و عصر اور رات کو مغرب و عشا کی نماز مراد ہے۔

سنو اس پکارنے والے کی آواز کو جو قریب ہی جگہ سے پکار رہا ہو گا یعنی مرنے والا کہیں مرا ہو کہیں دفن ہوا ہو اسکو ایسا سنائی دے گا کہ وہ بالکل پاس سے کہہ رہا ہے کہ قبروں سے نکلو اور اپنا حساب دینے کے لیے چلو۔ یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے اس آواز کو سب ہی سُن لیں گے کوئی ایسا نہ ہو گا جس کے کان میں یہ آواز نہ پہنچے۔ خواہ وہ کبھی کا مرا ہو۔ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا۔

ہم زندہ کرنے والے بھی ہیں اور مارنے والے بھی۔ سب کی بازگشت اس روز ہماری طرف ہی ہو گی۔ اُس روز

زمین پھٹ جائے گی قبریں کھُل جائیں گی سب خود بخود نکل پڑیں گے۔ ہمارے لیے ان سب کو عرصۂ محشر میں جمع کرنا آسان ہو گا۔ یہ لوگ قیامت کے منکر ہیں تو ہوا کریں جو بکواس کرتے ہیں کرتے رہیں۔ تم ان پہ جبر کر کے تو یہ عقیدہ نہیں منوانے آئے۔ تم تو قرآن کے ذریعہ سے انہی لوگوں کو نصیحت کرتے ہو جو ہمارے وعدہ سے ڈرتے ہیں۔

﴿۵۱﴾ سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ﴿۶۷﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴿۹﴾ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾

ان ہواؤں کی قسم جو بادلوں کو اُڑا کر تتر بتر کر دیتی ہیں پھر پانی کا بوجھ اُٹھاتی ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہیں پھر ایک ضروری چیز (بارش) کو تقسیم کرتی ہیں کہ تم سے جو وعدہ کیا جاتا ہے، وہ

(بالکل) سچا ہے اور اعمال کی جزا اور سزا ضرور ہوگی اور آسمان کی قسم جس میں راستے بنے ہوئے ہیں، (اے اہلِ مکّہ) تم ایسی مختلف بے جوڑ بات میں پڑے ہو اس سے وہی پھیرا جائے گا (گمراہ ہوگا) جو علمِ خدا میں پھیرا جا چکا ہے۔ اٹکل پچّو باتیں بنانے والے ہلاک ہوں جو غفلت میں بھولے پڑے ہیں پُوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب ہوگا، اُس دن ہوگا جب ان کو جہنّم کی آگ میں عذاب دیا جائے گا (اور اُن سے کہا جائے گا) اپنے عذاب کا مزہ چکھو یہ وہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے۔ متّقی لوگ باغوں اور چشموں میں (عیش کرتے) ہوں گے اور جو ان کا پروردگار انہیں عطا کرے گا وہ خوش خوش لے رہے ہوں گے۔ یہ لوگ اس سے پہلے دُنیا میں نکوکار تھے۔

آیت نمبر۵ میں فرماتا ہے کہ جو وعدے تم سے کیے گئے ہیں یا جن سزاؤں سے تم کو ڈرایا گیا ہے وہ بالکل سچے وعدے ہیں ضرور پورے ہو کر رہیں گے۔ جزا اور سزا ضرور مل کر رہے گی۔

آیت نمبر۷ میں آسمان کو راستہ والا بتایا گیا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ رات کو جو ستارے آسمان پر نظر آتے ہیں ان کے درمیان جو فرق ہے وہ گویا ایک سے دوسرے تک جانے کا راستہ ہے۔

آیت نمبر۸۔ تم قیامت کے متعلق مختلف خیالات میں پڑے ہوئے اٹکل پچّو باتیں کیے جاتے ہو۔ ایسے لوگ بس مارے گئے جو غفلت میں روزِ جزا کو بھولے پڑے ہیں اور قیاس و تک بندیوں میں وقت گزار رہے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں بھلا قیامت کا دن کب کٹے گا۔ انہیں بتاؤ کہ یہ وہ دن ہوگا کہ جب یہ آگ پر تپائے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا، اپنے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہی وہ عذاب ہے جس کے متعلق تم ازراہِ تمسخر کہا کرتے تھے اسے جلدی بُلا لو، ہم اس سے ڈرتے نہیں۔

ہاں جو متقی لوگ ہیں اُن کا کیا کہنا۔ باغوں اور چشموں کے درمیان بیٹھے ان نعمتوں کو لے رہے ہیں جو اُن کا رب اُن کو دے رہا ہوگا۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ یہ لوگ زندگانی دُنیا میں نکوکار تھے۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ

وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾ ع

ع ۲۳
۱۸

اور (عبادت کی وجہ سے) رات کو بہت ہی کم سوتے تھے اور پچھلے پہر اپنی مغفرت کی دُعائیں مانگتے تھے اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حِصّہ تھا اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تم میں بھی ہیں تو کیا تم دیکھتے نہیں اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ تو آسمان و زمین کے مالک کی قسم یہ (قرآن) بالکل ٹھیک ہے۔ ایسا ہی جیسا تم بول رہے ہو۔

ان نیکی کرنے والوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ رات کے بہت کم حِصّے میں سوتے ہیں۔ زیادہ حصّہ عبادتِ الٰہی میں بسر کرتے۔ اور صبح ہونے سے پہلے خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرتے۔ رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے۔ اور جو مال خدا نے ان کو دیا ہے اس میں غریبوں کا حق سمجھ کر مانگنے والوں کو بھی دیتے ہیں اور اُن غیرتمند غریبوں کو بھی جو شرم کی وجہ سے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا نہیں چاہتے ہیں۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ زمین میں قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ جمادات کو دیکھو کیا کیا چیزیں اُس نے بنائی ہیں۔ رنگ برنگ کے پتھر۔ قسم قسم کی دھاتیں۔ سر بفلک پہاڑ۔ نباتات میں سینکڑوں قسم کے اونچے نیچے درخت جن میں بعض پھل والے ہیں بعض بے پھل والے۔ پھر طرح طرح کی پھلواریاں اپنی خوشبو سے فضا کو معطّر بنا رہی ہیں۔ قسم قسم کی گھاس آنکھوں کو کیسی بھلی معلوم دیتی ہے۔ غرض بے شمار قدرت کی نشانیاں ہیں۔ مگر ان کے لیے جن کے دل کی آنکھیں کھُلی ہوئی ہوں جو عقل کے اندھے نہیں۔ ان سب باتوں کو چھوڑو، انسان صرف اپنے نفس ہی پر غور کرے کہ قدرت نے اس کو کیسے کیسے کمالات سے آراستہ کیا ہے۔ متضاد قوتوں کا مرکز بنایا ہے۔ وہ بے شمار جذبات کا مخزن ہے۔ ہزاروں خواہشوں کا مالک ہے۔ بہت سے علوم و فنون کا سمندر ہے۔ اس کی ایک ہی سطح پر ایک ہی وقت میں کتنی صورتیں نقش ہوتی چلی جاتی ہیں۔ کبھی تو شیطانی رُوپ دھارتا ہے کبھی فرشتہ سا نظر آتا ہے۔ کبھی بہادر کبھی بزدل۔ کبھی بخیل ہے کبھی سخی۔ کبھی شقی ہے کبھی سعید۔ کبھی ظالم ہے کبھی مظلوم۔ سوچو تو کیسی قدرت والا ہے اس کا خالق۔ مگر انسان ہے کہ ان سربستہ رازوں کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ اُسے اپنے لایعنی مشاغل سے فرصت ہی کہاں کہ ان گہری باتوں پر غور کرے۔

پھر فرمایا ہماری نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے تمہاری رزق رسانی کا جو وعدہ کیا ہے وہ آسمان

سے پانی برسا کر پورا کر رہے ہیں۔ تم ہم سے غافل ہو ہم تم سے غافل نہیں۔ پانی برسا کر تمہارے لیے زمین سے غلّہ اگاتے ہیں اگر ہم ایسا نہ کریں تو تم کیسے زندہ رہ سکتے ہو۔ صرف اللہ ہی تو ہے جو درختوں میں تمہارے لیے کھانے کو مختلف ذائقوں کے پھل پیدا کرتا ہے۔ انہی درختوں کے اجزا سے تمہاری بے شمار بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔ تمہاری زندگی کی ہزارہا ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ کیا اس پر تم ہمارے شکر گزار نہ ہوگے۔ کیا اس پر بھی تم ہمیں اپنا معبود نہ مانو گے۔ یہ قرآن جو ہم نے نازل کیا ہے بالکل ٹھیک ہے جیسے کہ تم سچی باتیں کرتے ہو۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٤﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٢٨﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٠﴾

کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بھی خبر پہنچی ہے۔ جب وہ لوگ ان کے پاس آئے تو کہنے لگے۔ سلام علیکم! تو ابراہیم نے بھی (علیکم) سلام کہا۔ (دیکھا تو) ایسے لوگ ہیں جن سے جان نہ پہچان۔ پھر گھر میں جا کر جلدی سے (بھنا ہوا) ایک موٹا تازہ بچھڑا لے آئے اور اُسے اُن کے آگے رکھ دیا اور کہنے لگے، آپ لوگ تناول کیوں نہیں کرتے (اس پر بھی جب انہوں نے نہ کھایا) تو ابراہیم اُن سے جی ہی جی میں ڈر ے۔ وُہ لوگ بولے، آپ اندیشہ نہ کریں اور اُن کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دی۔ (یہ سنتے ہی) ابراہیم کی بی بی (سارہ) چلاتی ہوئی اُن کے سامنے آئیں اور اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگیں (لے ہے) ایک تو میں بڑھیا اور دُوسرے

بانجھ۔ لڑکا کیونکر ہوگا۔ فرشتے بولے، تمہارے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے۔ وہ بے شک حکمت والا اور واقف کار ہے۔

یہ قصہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ جب فرشتے بشکلِ انسانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو پہلے فرشتوں نے سلام کیا۔ جس کا جواب حضرت ابراہیمؑ نے دیا۔ مگر وہ ان کو کچھ اجنبی سے لوگ نظر آئے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے لہٰذا فوراً ہی بی بی سارہؑ کے پاس آئے اور کہا، مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرو۔ انہوں نے کہا، اس وقت تو گھر میں کوئی چیز موجود نہیں۔ میرا ایک بچھڑا ہے اُسی کو ذبح کر کے کھلا دو۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کیا اور جناب سارہؑ نے فوراً اس کا گوشت بھون دیا۔ دسترخوان بچھا تو مہمانوں نے اس کی طرف ہاتھ ہی نہ بڑھایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا، آپ کھاتے کیوں نہیں۔ جو حاضر ہے اُسے شوق سے کھائیے۔ مگر اس پر بھی انہوں نے کھانے کے لیے ہاتھ نہ بڑھایا۔ تب تو حضرت ابراہیمؑ دل ہی دل میں اُن سے ڈرے۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہ رواج تھا کہ جو دشمن ہوتا تھا اور کسی دشمنی کی نیت سے آتا تھا تو وہ کھانا نہیں کھاتا تھا۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو پریشان دیکھ کر کہا، آپ گھبرائیں نہیں، ہم خدا کے بھیجے ہوئے آئے ہیں تاکہ آپ کو ایک صاحبِ علم لڑکے کی بشارت دیں یعنی ایسا لڑکا جو بطنِ مادر ہی سے علم لے کر آئے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاءؑ خدا کے یہاں سے علم لے کر آتے ہیں دنیا کے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کرتے۔ اس کا سب سے زیادہ قوی ثبوت سورۂ رحمٰن کی یہ آیت ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ - (رحمٰن وہ ہے جس نے پہلے قرآن کی تعلیم دی پھر انسان کو پیدا کیا پھر اُسے بیان کرنا بتایا)۔

یہاں انسان سے مراد سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ جن کو پیدائش سے پہلے علم عطا کیا گیا تھا۔

بہرحال جب حضرت سارہؑ نے یہ بشارت سُنی تو اپنا منہ پیٹ لیا۔ اور کہنے لگیں کیا کہہ رہے ہو کچھ ہوش کرو۔ نوّے برس کی بڑھیا پھر بانجھ۔ میاں کی عمر سو سال کی۔ ایسی صورت میں میرے بچہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فرشتوں نے کہا تمہارے خدا نے ایسا ہی کہا ہے۔ لہٰذا یہ ہو کر رہے گا۔ وہ صاحبِ علم و حکمت ہے۔

جو لوگ خدا کے خاص بندے ہوتے ہیں وہ نظامِ حیاتِ انسانی کے مروجہ قاعدوں سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ ایسا ہی واقعہ حضرت زکریا علیہ السلام کا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں (معجزاتِ انبیاءؑ کا انکار اس بنا پر کر دیتے ہیں) کہ لاآف نیچر کے خلاف خدا کوئی کام نہیں کرتا ورنہ نظامِ کائنات مختل ہو جائے۔ وہ ذرا اس واقعہ پر

غور کریں۔ یہاں تو لا آف نیچر کے خلاف ہی عمل ہوا۔ ان کو سمجھنا چاہیئے کہ لا آف نیچر بھی خدا ہی کا بنایا ہوا ہے ۔ خدا کسی قانون کو بنا کر عاجز نہیں ہوگیا۔ اپنی قدرت سے مستعفی نہیں ہو بیٹھا۔ وہ ہر وقت جو تبدیلی چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ نیچر اس کے حکم کے تابع ہے۔ وہ اس کا تابع نہیں۔ انسان لا آف نیچر کے خلاف نہ کر سکے تو نہ کرے مگر خدا پر یہ پابندی عاید نہیں ہو سکتی۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

حضرت ابراہیم نے پوچھا اے خدا کے بھیجے ہوئے (فرشتو) آخر تمہیں کیا مہم درپیش ہے۔ وہ بولے ہم گنہگاروں کی طرف (قومِ لوط) بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر مٹی کے پتھریلے کھرنجے برسائیں جن پر حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے نشان لگا دیئے گئے ہیں۔ غرض وہاں (لوط کی بستی میں) جتنے لوگ مومنین سے تھے ان کو ہم نے نکال دیا اور وہاں تو ہم نے ایک کے سوا اور کسی مسلمان کا گھر پایا ہی نہیں اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے وہاں عبرت کی نشانی چھوڑ دی ۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں سے پوچھا آپ لوگ کس غرض سے یہاں آئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم کو ایک گنہگار قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے جس کی صورت یہ ہوگی کہ سوکھی مٹی کے ٹکڑوں کا جس پر خدا کی طرف سے کوئی نشانی بنی ہوگی ہم تابڑ توڑ ان پر مینہ برسائیں گے کیونکہ یہ لوگ بدکاری میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ اور اس لیے کہ کوئی مسلمان اس عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائے ۔ ہم نے اس بستی میں جو مومن تھے انہیں باہر نکال لیا۔ اور وہاں ایک گھر کے سوا اور کسی مسلمان کا گھر تھا ہی نہیں۔ حضرت لوطؑ نے بیس برس تک اپنی قوم پر تبلیغ کی لیکن ان بدکرداروں پر کوئی اثر نہ ہوا صرف ایک گھر والے ایمان لائے۔ اس بدکرداری اور کفر پرستی کی کوئی انتہا ہے۔ ان کی بدکرداری (لواطت) دنیا میں ایک نیا گناہ تھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ یہ غیر فطری طریقہ شیطان نے ان کو تعلیم دیا تھا۔ پہلے چند جوان اس بدکرداری میں ملوث ہوئے اس کے بعد رفتہ رفتہ ساری قوم اس کی لپیٹ میں

آگئی۔ وہ جناب لوطؑ کے سمجھانے پر اُن کے جانی دشمن بن گئے اور اُن کے قتل پر آمادہ ہوگئے۔ جب نوبت باینجا رسید تو عذابِ الٰہی نے اُن کو لے ڈالا اور وہ سب کے سب ہلاک ہوگئے۔

وَفِي مُوسَىٰٓ إِذْ أَرْسَلْنَٰهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِۦ وَقَالَ سَٰحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۳۹﴾ فَأَخَذْنَٰهُ وَجُنُودَهُۥ فَنَبَذْنَٰهُمْ فِى ٱلْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِى عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ ٱلرِّيحَ ٱلْعَقِيمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِن شَىْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَٱلرَّمِيمِ ﴿۴۲﴾ وَفِى ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا۟ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا۟ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿۴۴﴾

اور ہماری نشانی موسٰی کے حال میں بھی ہے جب ہم نے اُن کو فرعون کی طرف روشن دلیل کے ساتھ بھیجا تو اُس نے اپنے لشکر کے برتے پر منہ موڑ لیا۔ اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے پس ہم نے اُسے اور اُس کے لشکر کو دھر پکڑا۔ اور اُنہیں دریا میں دے پٹکا اور وُہ قابلِ ملامت کام کرتا ہی تھا۔ اور عاد کی قوم کے حال میں بھی (ہماری نشانی ہے) جب ہم نے اُن پر ایسی بے برکت (نقصان رساں) آندھی چلائی کہ جس چیز پر چلتی اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی۔ اور قوم ثمود میں بھی نشانی تھی جب اُن سے کہا گیا کہ ایک خاص وقت تک خوب چین کرلو تو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی تو انہیں ایک روز کڑک اور بجلی نے لے ڈالا اور وہ دیکھتے ہی رہ گئے۔

فرعون، قوم عاد اور ثمود وغیرہ کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ پیغمبروں کو معمولی لباس میں دیکھ کر ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور جو کچھ وُہ کہتے تھے معاذ اللہ اُس کو دیوانے کی بڑ سمجھ کر توجّہ سے سنتے بھی نہ تھے۔ لوگوں پر ان کا شاعر

اور مجنون ہونا ظاہر کرتے تھے۔ سنّتِ الٰہیہ ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ پہلے انبیاء و مرسلین حق تبلیغ ادا کرتے ہیں۔ ان کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے دھمکاتے ہیں۔ نکوکاری کی خوبیاں اور بدکاری کی بُرائیاں کرتے ہیں لیکن جب وہ کسی طور قابو ہی میں نہ آتے تھے اور انبیاء کے قتل کا ارادہ کرنے لگتے تھے یا اُن کو طرح طرح سے ستاتے تھے تب یکایک عذابِ الٰہی اُن پر نازل ہوجاتا تھا۔

فَمَا ٱسْتَطَٰعُوا۟ مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا۟ مُنتَصِرِينَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فَٰسِقِينَ ﴿۴۶﴾ وَٱلسَّمَآءَ بَنَيْنَٰهَا بِأَيْي۟دٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿۴۷﴾ وَٱلْأَرْضَ فَرَشْنَٰهَا فَنِعْمَ ٱلْمَٰهِدُونَ ﴿۴۸﴾ وَمِن كُلِّ شَىْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۖ إِنِّى لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوا۟ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ ۖ إِنِّى لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۱﴾ كَذَٰلِكَ مَآ أَتَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا۟ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۵۲﴾ أَتَوَاصَوْا۟ بِهِۦ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ أَنتَ بِمَلُومٍ ﴿۵۴﴾ وَذَكِّرْ فَإِنَّ ٱلذِّكْرَىٰ تَنفَعُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۵﴾

ع ۲

پھر نہ اُٹھنے ہی کی طاقت رکھتے تھے نہ بدلہ ہی لے سکتے تھے ان سے پہلے قوم نوح ایک بدکردار قوم تھی۔ اور آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھوں (اپنی طاقت) سے بنایا اور بے شک ہم ہیں سب قدرت ہے اور زمین کو بھی ہم نے ہی بچھایا اور ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر شے کا جوڑ پیدا کیا

تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ پس تم اللہ کی طرف بھاگو، میں تم کو اس سے کھُلم کھُلا ڈرانے والا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو معبُود نہ بناؤ۔ میں تم کو اس سے کھُلم کھُلا ڈرانے والا ہو۔ اسی طرح جب ان سے پہلے کوئی رسول آیا تو انہوں نے جادوگر یا دیوانہ ہی بتایا۔ یہ لوگ ایک دوسرے کو اسی طرح وصیت کرتے آئے ہیں۔ ہاں یہ ہیں ہی سرکش لوگ۔ اے رسول، تم ان سے منہ پھیر لو تم پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ اور خدا کو یاد کرو کیونکہ یہ یاد کرنا مومنین کو نفع پہنچاتا ہے۔

جب عذاب آیا تو یہ سرکش قومیں نہ تو اپنی جگہ پر کھڑی رہ سکیں اور نہ ہی انبیاء و مرسلین سے بدلہ لے سکیں عادؑ ثمود وغیرہ سے پہلے قوم نوحؑ تھی بلا کی سرکش اور بدکردار لیکن وہ خدا کا کیا بگاڑ سکے خود ہی ڈوب کر رہ گئے۔

ہم نے آسمان کو اپنی قدرت سے دیکھو کیسا بنایا ہے اور ہم اس سے بھی زیادہ قدرت رکھنے والے ہیں۔ ہماری قدرت کی انتہا کو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ آسمان کے علاوہ ذرا زمین کو دیکھو فرش بچھایا اور کیسا اچھا فرش بچھایا۔ ہم نے ہر شے کے جوڑے پیدا کیے۔ جیسے عورت مرد۔ دن رات۔ روشنی تاریکی۔ خشک و تر۔ آسمان و زمین۔ جن و انس۔ صحت و بیماری۔ امیری غریبی وغیرہ۔ پس اے رسولؐ، تم ان سے کہو کہ اس بُت پرستی کو چھوڑ کر خدا کی طرف دوڑو۔ اس کا شریک کسی کو نہ بناؤ۔ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ میں تم کو کھلم کھلا اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اے رسولؐ ان لوگوں کی بکواس سے تم رنجیدہ نہ ہو۔ تم سے پہلے بھی جب کوئی رسول آیا تو لوگوں نے اُن کو جادوگر یا مجنون ہی بتایا اور اُن کی باتوں کو کان دھر کر نہ سُنا اور ایک دوسرے کو یہی وصیت کرتے رہے کہ اس مجنون کی بات پر عمل نہ کرنا۔ اور ایسا اس لیے کرتے تھے کہ وہ سرکش لوگ تھے۔ ان سے منہ پھیر لینے میں تم پر کوئی الزام عاید نہ ہوگا۔ اے رسولؐ، تم اپنے رب کے ذکر میں مشغول رہو کہ یہی چیز اہلِ ایمان کو فائدہ پہنچانے والی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

اور میں نے جنّوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ تو میں ان سے رزق کا طالب ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وُہ مجھے کھانا کھلائیں۔ خدا خود بڑا روزی دینے والا اور بڑا زبردست ہے۔ تو ان ظالموں کے لیے بھی عذاب کا کچھ حصّہ ہے جس طرح ان کے ساتھیوں کے لیے حصّہ تھا تو اُن کو ہم سے جس دن کا اُن کافروں سے وعدہ کیا ہے اس سے اُن کے لیے خرابی ہے۔

ان آیات میں چند باتیں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں :

۱ - جنّات کوئی علیحدہ مخلوق ہے یا انسانوں ہی میں سے ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جنّ ایسے انسانوں کو کہا جاتا ہے جو بڑے طاقتور اور غصیلے ہوتے تھے۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ خدا نے جابجا دونوں قسموں کو الگ الگ بیان کیا ہے ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت سلیمان کے ذکر میں ہم اس کو مفصّل بیان کر چکے ہیں۔

۲ - جبکہ روئے زمین پر خدا کی بے شمار مخلوق ہے تو اس میں صرف جنّوں اور انسانوں ہی کو عبادت سے کیوں مخصوص کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ تمام مخلوق میں صرف دو ایسے ہیں جن کو اپنے افعال میں اختیار حاصل ہے۔ نیک و بد کی تمیز کر سکتے ہیں خدا کی معرفت اور احکامِ الٰہی کی پابندی ان سے ہی متعلق ہو سکتی ہے۔

۳ - کیا جنّ و انس کی عبادت یکساں ہے؟ جہاں تک اعتقادات کا تعلق ہے یعنی خدا کی توحید۔ رسولؐ کی رسالت اور قیامت اور ولایتِ ائمہ معصومینؑ دونوں کے لیے یکساں ہے۔ رہا طریقۂ عبادت تو اس میں ایسا نہیں۔ کہ جنّ بھی ہماری طرح نماز و روزہ و حج وغیرہ عمل میں لاتے ہوں۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ اس نے ان کے لیے کیا طریقۂ عبادت مقرر کیا ہے۔

۴ - کیا انسانوں کی طرح جنّ بھی مومن و کافر ہوتے ہیں۔ بے شک ایسا ہی ہے۔ بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنّوں کے کئی وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں ایمان لانے کے لیے حاضر ہوئے اور حضورؐ نے انہی میں سے کچھ لوگوں کو ان کی قوم کی ہدایت کے لیے مامور فرمایا۔

۵ - آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے جنّ و انس کو محض عبادت کے لیے پیدا کیا ہے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ شب و روز انسان اس کی عبادت میں لگا رہے۔ ایسی صورت میں وہ زندگی کے دیگر فرائض کیونکر انجام دے سکتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص دن رات نمازیں پڑھے جائے یا تسبیح ہی گھمائے جائے۔ یہ تو وقتی عبادتیں ہیں۔ باقی ہر وہ کام جو احکامِ الٰہی کے مطابق کیا جائے عبادت ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے اہل و عیال کی پرورش کے لیے رزقِ حلال کی جستجو میں نکلتا ہے تو اس کا ہر قدم داخلِ عبادت ہے۔ حلال طریقہ سے کسبِ معاش میں جتنا وقت گزرے گا وہ داخلِ عبادت ہے۔ شادی بیاہ پرورشِ اولاد وغیرہ صلۂ رحم حق ہمسایہ وغیرہ سب داخلِ عبادت ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اپنا وقت صرف کرنا بھی داخلِ عبادت ہے۔ بیمار کی عیادت کرنا مصیبت زدہ کو دُکھ درد سے نجات دلانا بھی عبادت ہے۔ اور اسلام کی حفاظت کرنا بھی عبادت ہے۔

خدا سب کو رزق دینے والا ہے وہ کسی کے رزق دینے کا محتاج نہیں۔
کافروں کے لیے جو عذاب دینے کا وعدہ خدا نے کر لیا ہے وہ ایک دن ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

﴿۵۲﴾ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ ﴿۷۶﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿۳﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿۴﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾

کوہِ طور کی قسم اور اس کتاب کی قسم جو کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے اور بیتِ معمور کی (جو کعبہ کے مقابل فرشتوں کا قبلہ ہے) اور اونچی چھت (آسمان) کی قسم اور جوش و خروش والے سمندر کی قسم کہ تمہارے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا اور اس کا کوئی روکنے والا نہیں جس دن آسمان چکر کھانے لگے گا اور پہاڑ دوڑنے لگیں گے تو اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے

جو لوگ باطل میں کھیل رہے ہیں جس دن جہنّم کی آگ کی طرف ان کو دھکیل دھکیل کر لے جائیں گے۔ اور (ان سے کہا جائے گا) یہی وہ جہنّم ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو نظر نہیں آتا۔

طُور سے مراد وہ پہاڑ ہے جس سے خدا حضرت موسیٰؑ سے ہمکلام ہُوا تھا۔

کتابِ مَسطُور فی رقٍّ مَنشُور کے متعلق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں جن کتابوں کو زمانہ دراز تک محفوظ رکھنا مقصود ہوتا تھا انہیں کاغذ کی بجائے ہرن کی کھال کی رقیق جھلی پر لکھا جاتا تھا۔ رق کے معنی باریک جھلی کے ہیں۔ پس یہاں کھُلی کتاب سے مراد یہی مجموعہ کتبِ مقدّسہ ہے جو اہلِ کتاب کے یہاں موجود تھا۔

تفسیر صافی میں ہے کہ رقّ اس جھلّی کو کہتے ہیں جس پر لکھا جاتا ہے۔ (مراد کتب آسمانی ہیں)۔

بیتِ معمور۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے عرش کے نیچے چار ستون قائم کیے اور ان کا نام ضراح رکھا یہی بیت المعمور ہے۔ پھر کچھ فرشتوں کو بھیجا کہ زمین پر ایک مکان اس کی مانند بناؤ اور اہلِ زمین کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں۔ یعنی زمین پر انسانوں کے طواف کا مقام خانہ کعبہ ہے اور آسمان پر فرشتوں کے طواف کی جگہ بیت المعمور ہے۔ سقف مرفوع سے مراد آسمان ہے۔ بحر مسجور سے مراد بعض نے جوش کھانے والا سمندر مراد لیا ہے بعض نے آگ کا بھڑکتا ہُوا سمندر۔

ان پانچ باعظمت چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا اور کوئی اس کو روک نہ سکے گا۔ اس روز حالت یہ ہوگی کہ آسمان چکر کھانے لگے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے چلنے لگیں گے۔ تو اس روز ان جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہوگی۔ جو آج دُنیا میں باطل چیزوں میں پڑے کھیل رہے ہیں۔ وہ سب جہنّم کی طرف دھکیلے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا تم دنیا میں جس جہنّم کو جھٹلایا کرتے تھے۔ اپنی آنکھوں سے اب دیکھ لو یہ وہی ہے۔ کیا اب بھی اسے جادو کہہ دو گے یا یہ کہو گے کہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ اب اندھے نہیں ہو کھُلی آنکھوں دیکھ رہے ہو۔

قرآن مجید میں زیادہ زور توحید اور قیامت پر دیا گیا ہے۔ قیامت کو طرح طرح سے سمجھایا گیا ہے۔ کہیں اس کے ہولناک مناظر پیش کیے ہیں، کہیں ناقابلِ تردید دلائل، کہیں جہنمیوں کی تباہ حالت۔ بہرحال زیادہ زور اس لیے دیا گیا ہے کہ لوگ صدق دل سے قیامت کا اقرار کر لیں۔ اس کے اقرار کے بعد انسان بہت سے گناہوں سے بچ جائے گا کیونکہ اُسے پرسشِ اعمال کا خوف رہے گا۔ ورنہ جو لوگ قیامت کا یقین نہیں رکھتے یا جنہیں جہنّم میں جھونکے جانے کا خوف نہیں ان کو بد اعمال بجالانے میں کوئی باک نہیں ہوتا۔

قرآن میں جن قوموں پر عذاب آنے کا ذکر ہے وہ اس غلطی میں مبتلا تھیں کہ انبیاء جس قیامت کا ذکر کرتے ہیں اور عذابِ جہنم کے قصّے سُناتے ہیں۔ یہ سب ہمیں دھمکانے کے لیے ہے ان کی سمجھ میں ہی یہ بات نہ آتی تھی، کہ مرنے کے بعد انسان پھر کیسے زندہ ہو سکتا ہے۔

آنحضرتؐ کی امت میں بھی بکثرت لوگ ایسے پائے گئے اور اب بھی پائے جاتے ہیں جو زبان سے تو قیامت کا اور دوبارہ زندہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان کے دل پر اس اقرار کا کوئی اثر نہیں ورنہ ایسے اعمال اُن سے سرزد نہ ہوتے جن کی سزا جہنم ہے۔ کیسی بے باکی سے یہ لوگ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں لوٹ مار کرتے ہیں، زنا کرتے ہیں عورتوں کی عصمت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، اغوا کرتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، طرح طرح کے مظالم روا رکھتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ قیامت کے مواخذہ کا انہیں کوئی خوف نہیں۔

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑯ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ⑰ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑱ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗـــًٔـا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑲ مُتَّكِـــِٕيْنَ عَلٰي سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ⑳ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّــتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَـقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِی٭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ㉑ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ㉒ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ㉓ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ㉔

اس (دوزخ) میں گھسو۔ تم صبر کرو یا بے چینی دکھاؤ، دونوں باتیں تمہارے لیے برابر ہیں۔ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اس کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔ ہاں جو پرہیز گار لوگ ہیں وہ باغوں اور نعمتوں میں رہیں گے۔ جو کچھ اُن کے رب نے اُن کو دیا ہوگا اُس کے مزے اڑاتے ہوں گے۔ اُن کا رب اُن کو

دوزخ کے عذاب سے بچالے گا (اُن سے کہا جائے گا) مزہ کے ساتھ کھاؤ پیئو۔ یہ اُن اعمال کا بدلہ ہے جو (دارِ دُنیا میں) تم کر چکے ہو برابر بچھے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حُوروں سے اُن کا بیاہ رچائیں گے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں اُن کا ساتھ دیا تو ہم اُن کے عمل سے کوئی شے کم نہ کریں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ میں گرو ہے جس قسم کے میوے اور گوشت کو ان کا جی چاہے گا ہم اس سے بھی کچھ اور بڑھا کر انہیں عطا کریں گے اور وہ ایک دُوسرے سے شراب کے جام لیں گے جس میں نہ کوئی لغو بات ہوگی نہ کوئی گناہ (ان کی خدمت کے لیے) نوجوان لڑکے ان کے اردگرد چکّر لگایا کریں گے جو (حُسن وجمال میں) احتیاط سے رکھے ہُوئے موتی جیسے ہوں گے۔

دوزخی خواہ چُپ چاپ رہیں گے یا شور و غل مچائیں گے اُن کی کسی بات پہ توجہ نہ ہوگی۔ دوزخ کے شعلوں پر صبر تو کسی سے نہ ہوگا۔ صرف عام محاورہ کے مطابق کہا گیا ہے کہ صبر کرو یا نہ کرو، برابر ہے کسی کی فریاد کی کوئی داد نہ ہوگی کیونکہ ہر شخص کے اعمال کے متعلق جو مبنی بر انصاف فیصلہ تھا وُہ کر دیا گیا اب اس پر نظر ثانی نہیں ہوسکتی۔

جن پرہیز گاروں نے دُنیا کی چند روزہ زندگی سخت پریشانی میں گزاری ہوگی ان کے لیے آخرت میں جو عیش ہوگا وہ ہمارے تصوّر میں بھی نہیں آسکتا۔ جنّت کی وہ نعمتیں کھانے کو ملیں گی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ تختوں پر تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ حسین حُوریں ان کی بی بیاں ہوں گی جن کو دیکھنے سے رُوحانی لذت حاصل ہوگی۔ ان کے لڑکے بالوں کو جو مومن ہوں گے اُن کے ساتھ رہنے کی اجازت ہوگی۔ اس رعایت کے سلسلہ میں اُن کی جزا میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ ہر شخص نے دُنیا میں رہ کر خدا کی جن نعمتوں سے فائدہ حاصل کیا ہوگا اس کے بدلہ میں اُس کا نفس رہن ہوگا۔ اگر اُس نے نیکیاں کرکے اپنے نفس کو آزاد نہیں کیا تو آخرت میں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

جنتیوں کو اُن کی حسبِ خواہش میوے کھانے کو ملیں گے گوشت ملے گا۔ یہ میوے ایسے نہ ہوں گے جو گل سڑ جائیں یا ان کے مزہ میں کوئی تبدیلی آجائے۔ یہ گوشت بھی یہاں کے جانوروں کا سا نہ ہوگا۔ اہلِ جنت طائروں کا ہوگا۔ نہایت خوش ذائقہ خوش رنگ روح کو لذت بخشنے والا جتنا چاہو کھاؤ پیٹ پر کوئی گرانی نہ ہوگی۔ پھر پاکیزہ شراب کا دَور چل رہا ہوگا۔ یہ دُنیا کی سی شراب نہ ہوگی جو پھلوں کو سڑا کر بنائی جاتی ہے بلکہ شرابِ طہور پاک و شفاف جس کا پینا نہ گناہ ہوگا نہ اُسے پی کر آدمی بہکے گا نہ خمار میں بدن ٹوٹے گا۔ سُرور ہوگا کیف ہوگا اور مزید یہ کہ خوبصورت نوجوان لڑکے تختوں کے چاروں طرف خدمت کے لیے چکّر لگاتے ہوں گے۔ خوبصورت سے خوبصورت جیسے احتیاط سے رکھے ہوئے ڈبوں میں بند موتی۔ جن پر گرد و غبار کا کوئی اثر نہ ہو۔ چمکتے دمکتے۔

یہ ہے وہ جنت جس میں لے جانے کا خدا نے وعدہ کیا ہے۔ بادشاہوں کے زرنگار محل جس کے سامنے فقیروں کے جھونپڑے نظر آئیں گے۔ یہ صلہ ہوگا ایمان باللہ اور اعمالِ صالحہ بجالانے کا۔ خوش نصیب ہیں جو ان

نعمتوں کے حاصل کرنے کے لیے اس دارِ دُنیا کو ہیچ سمجھتے ہیں اور اس کی خرافات میں مبتلا نہ ہو کر اپنے کردار کے دامن پر گناہ کا ہلکا سا دھبّہ بھی نہیں آنے دیتے ۔

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۵﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿۲۷﴾ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾ فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿۲۹﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿۳۱﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهَٰذَا ۚ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۳۲﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾

وہ ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے باتیں کریں گے۔ ان میں سے کچھ کہیں گے ہم اس سے پہلے اپنے گھر میں (خدا سے بہت ڈرا کرتے تھے تو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو جہنّم کی لُو کے عذاب سے بچا لیا۔ اس سے قبل ہم اس سے دُعائیں کیا کرتے تھے بے شک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے۔ (اے رسول) تم نصیحت کیے جاؤ۔ تم تو اپنے پروردگار کے فضل سے نہ کاہن ہو نہ مجنون تم کو یہ لوگ شاعر کہتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تو اس کے بارہ میں زمانہ کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں۔ تم کہدو (اچھا) تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں کیا ان کی عقلیں اُن کو یہ باتیں بتاتی ہیں یا یہ لوگ ہیں ہی سرکش کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن کو گھڑ لیا ہے (بات یہ ہے کہ) یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے ۔

یعنی جنتی لوگ دنیوی زندگی کے متعلق ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہوں گے۔ کہتے ہوں گے کہ ہم اپنے

گھروں میں جب عذابِ الٰہی کا ذکر سنتے تھے تو خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ دوزخ کی گرم ہوا سے بچا لیا۔

اہلِ جنت کے بعد اب رسولؐ سے کہا جا رہا ہے، اے رسولؐ! تم پر اللہ کا فضل ہے اُس کی رحمت ہے تم نہ کاہن ہو نہ مجنون ہو نہ شاعر ہو۔ ان کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ جو بات کہتے ہیں بے عقلی کی۔ تم ان کے درمیان برسوں سے رہتے ہو۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جو شخص مجنون ہو گا وہ کاہن یعنی غیب گو کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک دیوانہ شاعر کیسے بن سکتا ہے۔ جب ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تم کیا ہو تو احمقوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں اور جو جس کے منہ میں آیا بک دیتا ہے۔

یہ لوگ اس انتظار میں ہیں کہ چونکہ یہ شخص ہمارے بُتوں کو بُرا کہتا ہے لہٰذا کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر رہے گا۔ ان سے کہدو تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ دیکھوں تمہارے معبود میرا کیا بگاڑتے ہیں۔ کیا ان کی یہ باتیں عقل سے تعلق رکھتی ہیں ہرگز نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ چونکہ سرکشی پر آمادہ ہیں لہٰذا سوچ بچار سے ان کا تعلق ہی نہیں۔ چونکہ یہ ایمان لانے والے نہیں لہٰذا تمہارا اثر اکھاڑنے کے لیے کہتے ہیں کہ یہ قرآن انہوں نے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے۔ لیکن ان کے اس کہنے سے ہوتا کیا ہے حق کو کوئی کتنا ہی چھپائے وہ چھُپ ہی نہیں سکتا۔

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۳۴﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿۳۵﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَلْ لَا يُوقِنُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۴۰﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۱﴾

(اگر یہ لوگ اس دعوٰی میں سچے ہیں کہ تم نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے تو) انہیں چاہیئے کہ ایسا ہی کلام پیش کریں۔ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے پیدا کیے ہوئے ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں یا

انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا یہ حاکم بنا دیئے گئے ہیں یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر (آسمان سے باتیں) سُن آتے ہیں۔ جو سُن آتا ہو وہ کوئی دلیل پیش کرے کیا خدا کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں یا تم ان سے تبلیغ رسالت کی اُجرت مانگتے ہو کہ یہ لوگ قرض کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں یا ان لوگوں کے پاس غیب کا علم ہے جسے وہ لکھ لیتے ہیں۔

اس امر کو بار بار دُہرایا گیا ہے کہ جن لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ رسولؐ نے خود تصنیف کر لیا ہے تو انہیں چاہیئے اپنے اس دعویٰ کی تائید میں کوئی اور ایسا ہی کلام جو ان کا بنایا ہؤا ہو پیش کریں۔ اگر بنا سکتے ہیں تو لاتے کیوں نہیں۔

اگر وہ خدا کو خالق نہیں مانتے تو کیا وہ بغیر پیدا کرنے والے کے پیدا ہو گئے ہیں۔ اس پر کوئی دلیل ان کے پاس ہو تو پیش کریں۔ اور اگر وہ کسی چیز کے خالق ہوں تو اُسے لا کر دکھائیں لیکن جب یہ دونوں باتیں غلط ہیں تو پھر کیوں نہیں مانتے کہ ان کو خدا نے پیدا کیا ہے اور وہ اس کی مخلوق ہیں۔ اگر وہ اس بات کا یقین نہیں رکھتے کہ انہیں خدا نے پیدا کیا ہے تو پھر اس کو ثابت کریں اور بتائیں کہ کس نے پیدا کیا ہے۔ کیا ان بُتوں نے جن کو خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے گھڑ لیا ہے۔

اپنی دولت پر جو تم اتنا اکڑ رہے ہو کیا اللہ کے خزانے تمہارے قبضے میں آ گئے ہیں یا تم کو خدا نے حاکم بنا دیا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ غرور و تکبّر کیوں ہو۔ تم جو قرآن کو جھٹلا رہے ہو کیا کوئی سیڑھی لگا کر اس کی تحقیق کو آسمان پر پہنچے تھے۔ اگر وہاں تم نے کچھ سُنا ہے تو کس دلیل کے ساتھ! بیان کرو، ورنہ تم جھوٹے ہو۔

کس قدر شوخ چشم اور گستاخ ہو تم کہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور فرشتوں کو کہتے ہو کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ یعنی تمہارے نزدیک خدا تم سے بھی گیا گزرا ہو گیا۔ خدا ان باتوں سے مبّرا ہے۔

لے رسولؐ، کیا تم نے اجر رسالت میں ان سے کوئی رقم مانگی ہے جس کے بوجھ تلے یہ دبے جا رہے ہیں جب تم نے ان کو کوئی مالی نقصان نہیں پہنچایا تو پھر یہ خواہ مخواہ کیوں دشمن بنے ہوئے ہیں۔ کیا ان کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں جن کو یہ لکھتے جاتے ہیں اور اُن کے مطابق یہ تم پر الزام تراشی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ عداوت کی بنا پر یوں ہی جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْــــًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ ع

کیا یہ لوگ کوئی داؤ چلنا چاہتے ہیں جو لوگ کافر ہیں وہ اپنی ہی چال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے جس کو یہ شریک بناتے ہیں اللہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے اگر آسمان سے عذاب کا کوئی ٹکڑا گرتا دیکھیں تو کہیں گے یہ تو کوئی دلدلا بادل ہے۔ لے رسول انہیں چھوڑ دو تاکہ یہ اس دن کو پا لیں جس میں یہ بیہوش ہو جائیں گے اور جس دن نہ ان کی مکّاری ہی کام آئے گی اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ ظالموں کے لیے اس کے علاوہ اور بھی عذاب ہے لیکن ان کے اکثر لوگ جانتے نہیں۔ اپنے رب کے حکم کے مطابق صبر کیے رہو۔ تم تو ہماری نگہداشت میں ہو اور اپنے رب کی حمد کی تسبیح کرو۔ جب اُٹھو اور رات میں بھی اس کی تسبیح کرو اور ستاروں کے غروب کے وقت بھی۔

حِیْنَ تَقُوْمُ سے نماز تہجد مراد ہے اور مِنَ الَّیْلِ سے مغرب و عشاء اور اِدْبَارَ النُّجُوْمِ سے نماز صبح مراد ہے۔ یا تقوم سے یہ مراد ہے کہ جہاں کہیں سے اُٹھو خدا کی تسبیح کر کے اُٹھو۔
آیت نمبر ۴۲ میں جس چال کا ذکر کیا گیا ہے وہ وہی چالیں ہیں جو کفارِ مکہ حضورؐ کو ستانے یا آپؐ کے مشن کو

فیل کرنے کے لیے سوچا کرتے تھے۔

آیت نمبر ۴۴ کا مطلب یہ ہے کہ یہ کفار آئے دن رسولؐ سے معجزہ دکھانے کی خواہش کیا کرتے ہیں لیکن اگر کوئی معجزہ دکھایا جائے تو اس سے انکار کر کے کج بحثی شروع کر دیتے ہیں شلاً اگر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرتا نظر آئے تو کہہ دیں گے یہ تو کوئی دلدلا بادل ہے۔

آیت نمبر ۴۷ سے یہ مطلب ہے کہ اس بڑے عذاب سے پہلے جو قیامت میں ان پر آنے والا ہے ہم کوئی چھوٹا عذاب بھی ان پر نازل کریں گے۔

آیت نمبر ۴۸ کا مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ، تم ہماری حفاظت میں ہو اپنا کام کیے جاؤ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

---

۵۳ سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۳ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۴

تارے کی قسم جب ٹوٹا کہ تمہارے رفیق نہ گمراہ ہوئے ہیں نہ بہکے۔ وہ تو اپنی خواہشِ نفسانی سے کبھی بولتے ہی نہیں یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔

ان آیات کی شانِ نزول شیعی روایات کی بنا پر یہ ہے کہ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک روز بنی ہاشم کے کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت رسولؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتفاق سے ایک ستارہ ٹوٹا یہ دیکھتے ہی حضورؐ نے فرمایا کہ یہ ستارہ جس کے گھر میں گرے گا وہی میرے بعد میرا وصی ہوگا۔ یہ سُن کر لوگ اس کے دیکھنے کے لیے اُٹھے تو دیکھا وہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے گھر میں گرا تو لوگ گستاخانہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ آپ علیؑ کی محبت میں گمراہ ہو گئے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مناقب ابو الحسن بن منازلی شافعی)۔

اس روایت کے متعلق ہمارے مخالفین نے بہت چہ میگوئیاں کی ہیں اور کہا ہے کہ ستارہ کوئی چھوٹی سی چیز

نہیں وہ ایک کرّہ ہوتا ہے اگر وہ علیؑ کے گھر میں گرتا تو سارا مدینہ تباہ ہو جاتا۔ ہم اس کو سمجھاتے ہیں : کوکب کا اطلاق سیاروں پر ہوتا ہے اور نجم کا اطلاق چھوٹے ستاروں اور نجیمہ جس کی جمع نجیمات ہے ان ستاروں پر ہوتا ہے جو زمین سے میلوں اوپر فضائے آسمانی میں گردش کرتے رہتے ہیں ان کو نجم ثاقب بھی کہا جاتا ہے۔ بُک آف نالج میں ہے کہ زمین سے جو موادِ ارضی بلند ہوتا ہے وہ خلاء سفر میں چکر کھانے سے گولے کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس پر اور مادہ جمتا چلا جاتا ہے اور اس کا حجم بڑھتا رہتا ہے اس کو میٹیور meteor کہتے ہیں۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں فضا میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ جب رات کو ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے تو ایک شعلہ سا نظر آتا ہے جسے شہابِ ثاقب کہتے ہیں۔ ان کے ٹکڑے جب زمین پر گرتے ہیں تو کافی گرم ہوتے ہیں اور بعض ٹکڑے کئی کئی من وزنی ہوتے ہیں۔ یہ ٹکڑے لندن اور کلکتہ کے میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں۔ پس یہاں نجم کے گرنے سے یہی میٹیور مراد ہے۔ یہ بھی قدرت کی ایک نشانی ہے۔ اس میں اعتراض کے قابل کوئی بات نہیں۔ یہ میٹیور بھی ستارے ہی کہلاتے ہیں۔ بُک آف نالج میں ان کی تصویریں بھی دی ہوئی ہیں۔ چونکہ فضا میں گرد و غبار رہتا ہے اس لیے یہ گردش کرتے نظر نہیں آتے۔

مفسرینِ اہلسنت نے هَوٰى کا ترجمہ غروب ہونا لکھا ہے۔ لیکن آیت کے اگلے حصّہ پر غور نہیں کیا گیا۔ ستارہ کے غروب ہونے کو کیا نسبت ہے اس کلام سے کہ تمہارا ساتھی نہ گمراہ ہوا نہ بہکا نیز یہ کہ وہ تو وحی کے سوا دوسرا کلام ہی نہیں کرتا۔ جب کسی واقعہ کے متعلق حضورؐ نے کسی سے کچھ فرمایا نہ ہو تو آیت کے اس حصّہ کا جوڑ کیسے لگے گا۔

آیہ والنجم کی شانِ نزول میں ابن مردویہ نے ابو الحمراء اور حبۃ العرنی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب علیؑ کے دروازہ کے سوا مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازوں کے بند کرنے کا حکم آیا تو لوگوں کو ناگوار ہوا اور حضورؐ سے عرض کی، آپؐ نے سب کے دروازے بند کرا دیئے سوا علیؑ کے دروازے کے۔ ایک گستاخ نے کہا یا رسولؐ اللہ، آپ نے فرطِ محبت میں علیؑ کا رتبہ سب سے بلند کر دیا۔ حضرتؐ نے فرمایا، نہ میں نے اپنی خواہش سے کسی کا دروازہ کھولا تھا نہ بند کیا، میں نے جو کچھ کیا ہے خدا کے حکم سے کیا ہے۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

آیہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کے متعلق علمائے اسلام کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے جہاں تک نزولِ قرآن کا تعلق ہے حضورؐ بالکل مطابق وحی فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ کسی معاملہ میں محتاج وحی نہ تھے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے حضورؐ کا ہر کلام بمطابق وحی ہوتا تھا۔ لہٰذا اس پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ حضورؐ کا کلام چند قسموں پر منقسم تھا۔

۱۔ بیانِ قرآن۔ اس میں جو وحی کے الفاظ ہوتے تھے حضرتؐ وہی ادا فرماتے تھے۔

۲۔ حدیثِ قدسی۔ فرشتہ جو مفہوم ربّانی اپنے الفاظ میں بیان کرتا تھا حضورؐ اس کو ادا فرماتے تھے۔ بعض کے نزدیک مفہوم و الفاظ دونوں خدا کی طرف سے ہوتے تھے مگر قرآن کی طرح ان سے تحدّی نہیں کی جاتی تھی۔

۳۔ حدیث غیر قدسی۔ جو مضمون فرشتہ لاتا تھا حضورؐ اُسے اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔

۴۔ تبلیغ دین میں جو گفتگو حضرتؐ فرماتے تھے بالقائے ربّانی وہ سب الفاظ حضورؐ کے ہوتے تھے۔

۵ - جنگی معاملات میں حضورؐ اپنے اصحاب سے جو مشورہ کرتے تھے اس میں وہی رائے قبول فرماتے تھے جس کی رہنمائی الہام الٰہی کرتا تھا۔ مشورہ صرف صحابہ کی تالیفِ قلب کے لیے ہوتا تھا۔

۶ - نجی معاملات میں آپؐ کے فیصلے آپؐ کی قوتِ قدسیہ کرتی تھی اور اس میں غلطی کا امکان نہ تھا۔

نزولِ وحی سے پہلے زندگی کے تمام معاملات کا تعلق آپؐ کی اسی قوتِ قدسیہ سے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی امر قابلِ اعتراض آپؐ سے سرزد نہ ہوا۔ چونکہ روزِ پیدائش ہی سے روحِ نبوتی آپؐ کے اندر جلوہ فرما تھی لہٰذا آپؐ کا ہر قول و فعل مرضیٔ الٰہی کے مطابق ہوتا تھا۔ یعنی بالہامِ ربانی جو وحی کی ایک قسم سمجھئے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝۶ وَهُوَ
بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ
اَوْ اَدْنٰى ۝۹ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ
مَا رَاٰى ۝۱۱ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝۱۲ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً
اُخْرٰى ۝۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝۱۵
اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝۱۷
لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝۱۸

اِن کو نہایت طاقتور (فرشتہ جبرئیل) نے تعلیم دی ہے جو زبردست ہے۔ جب یہ آسمان کے اونچے کنارہ پر تھا تو وہ (جبرئیل اپنی اصلی صورت میں) سیدھا کھڑا ہوا۔ پھر وہ قریب ہوا اور آگے بڑھا اور دو کمان کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی قریب، خدا نے اپنے بندہ کی طرف جو وحی کی سو کی جو کچھ انہوں نے دیکھا اُن کے دل نے جھوٹ نہ جانا تو کیا جو رسول کہتا ہے لوگ اس میں جھگڑا کرتے ہیں۔ انہوں نے اس (جبرئیل) کو ایک بار اور دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہٰی کے نزدیک جنت ہے جو

معراج کا حال

رہنے کی جگہ ہے۔ اس وقت سدرہ پر جو (نور) چھا رہا تھا وہ چھا رہا تھا۔ اس وقت اس کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ اُس نے یقیناً اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

یہ آیات سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج کے متعلق ہیں۔ جس کا مفصل بیان ہم پندرہویں پارہ میں کر چکے ہیں۔ ان آیات کا ایک ایک لفظ قابلِ غور اور توضیح طلب ہے۔

۱ - عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى - ان کو زبردست قوت والے نے تعلیم دی۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد خدا لی ہے یعنی خدا نے تعلیم دی لیکن آگے کا مضمون اس تفسیر کی تائید نہیں کرتا۔

اکثر نے مراد جبرئیل امینؑ لی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس پر یہ اعتراض بے جا ہے کہ اس صورت میں جبرئیل امینؑ اُستاد قرار پائے۔ جبرئیلؑ نے جو تعلیم دی وہ اپنی طرف سے نہیں اپنے علم سے نہیں دی بلکہ جو خدا نے ان کو تعلیم دی تھی، وہ نہایت دیانت و امانت کے ساتھ انہوں نے رسولؐ تک پہنچا دی۔ پس جبرئیلؑ اس صورت میں ایک واسطہ ہیں نہ کہ معلمِ حقیقی۔

۲ - ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى - (وہ طاقتور ہیں پس ایک جگہ وہ ٹھہر گئے)۔ یہ بھی جبرئیلؑ ہی کی صفت ہے مراد یہ ہے کہ جب وہ سرکارِ دوعالمؐ کو ساتھ لے کر معراج کے لیے گئے تو ایک مقام پر رُک گئے۔ یعنی سدرہ پر۔ کیونکہ اس سے آگے بڑھنے کا مقام ان کے لیے نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے خود کو ظاہر کر دیا۔ لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ یعنی اگر میں ایک انگلی کے برابر بھی آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی پرواز کا انتہائی مقام سدرہ ہے اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جا سکتا۔

۳ - وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى - (اور حضور سرکارِ دوعالمؐ کائنات کے افقِ اعلیٰ پر تھے۔ یعنی وہ جگہ عالمِ مادی کی آخری حد ہے۔ یہاں مادیت کی حدود ختم ہو جاتی ہیں۔

۴ - ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى - (پھر وہ اور نزدیک ہوئے اور ہوتے چلے گئے) یعنی عالمِ مادی سے آگے اب عالمِ نور کی طرف حضورؐ بڑھے۔ (جہاں عالمِ ظہور میں آنے سے پہلے رہ چکے تھے)۔

۵ - فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى - (یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔) اس سے یہ مراد نہیں کہ خدا کے اور حضورؐ کے درمیان دو کمان کا فاصلہ رہ گیا۔ خدا کے لیے تو کوئی جگہ کا تعین ہی نہیں وہ تو لامکان ہے بلکہ مراد وہ سرادقِ عظمت و جلال ہیں جہاں تک کسی کا گزر ہی نہیں۔ یہ صرف حضورؐ کی خصوصیت ہے کہ بجسمِ مادی وہاں تک پہنچ گئے جہاں کوئی مخلوق جا ہی نہ سکتی تھی۔ اب ان حجابوں سے اور حضورؐ سے دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔ یعنی انتہائی مقامِ قربت میں پہنچ گئے۔ اَوْ اَدْنٰى سے مراد یہ ہے کہ وہاں اظہارِ قربت کے لیے عالمِ مکان کا کوئی لفظ بیان میں نہیں آ سکتا۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ حدوث و قدیم یا واجب و ممکن کی جہاں حدیں ملتی ہیں وہاں تک پہنچے (واجب / ممکن) یعنی عالمِ مادی کا یہ نورانی انسان اس مقام پر پہنچا ہوا تھا جس کے آگے واجب کی حد ہے ممکن کی نہیں نہ وہاں زمان ہے نہ مکان۔

۶۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۔ (پس خدا نے اتنے قریب بُلا کر وحی کی جو وحی کی۔) یہاں لفظ ما کہہ کر وحی ختم کر دی گئی یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ وحی کیا تھی۔ نہ تو خدا نے بتایا نہ حضورؐ نے معراج سے واپس آکر بتایا کہ یہ وحی کی گئی تھی۔ معلوم ہوا کوئی خاص وحی تھی جس کو ایک وقتِ خاص تک پوشیدہ رکھنا ضروری تھا۔ خدا و رسولؐ کے درمیان جو بات چیت ہوئی ظاہر ہے کہ وہ گھریلو معاملات کے متعلق تو ہو گی نہیں۔ ضرور دین کے بقا کے متعلق کوئی اہم بات ہو گی اور وہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس دین کو قیامت تک باقی رہنا ہے لہٰذا اس کے لیے کوئی دوامی بند و بست ہونا ہے اور اس کی صورت یہی ہے۔ کہ تم اپنے بعد علیؑ کو اپنا جانشین بناؤ جو صحیح معنی میں ہمارے دین کی تبلیغ کریں۔ اُن کے بعد اُن کی وہ معصوم اولاد اپنے اپنے وقت پر یہ خدمت انجام دے جن کے نام یہ ہوں گے۔ ما اوحٰی کا یہ راز غدیرِ خم میں کھُلا جب یہ آیت نازل ہوئی، يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔ ۶۷/۵ المائدہ (اے رسولؐ جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو) ۔ پس غدیرِ خم میں بر سرِ منبر جس کا اعلان کیا گیا وہ وہی راز تھا جو ما کے پردہ میں سالہا سال پوشیدہ رہا۔

مفسرین میں کوئی صاحب یہ نہیں بتاتے کہ آخر شبِ معراج خدا نے کیا وحی کی تھی۔ اگر اس کے اظہار میں کوئی خطرہ لاحق نہ تھا تو اُسے چھپایا کیوں گیا۔

۷۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۔ (رسولؐ نے جو دیکھا اُن کے دل نے اُسے جھٹلایا نہیں)۔ کیسے جھٹلا سکتی تھی عالمِ نور کی وہ مخلوق جس کی پیدائش خلقتِ آدم سے چودہ ہزار برس پہلے تحتِ عرشِ الٰہی تسبیح و تہلیل کرتا رہا ہو۔ عالمِ نور میں جو چیزیں دیکھی ہوئی تھیں جب ان کو دوبارہ بہ چشمِ مادی دیکھا تو جھٹلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۸۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۔ جو رسولؐ نے معراج کے حالات تم سے بیان کیے تم اس میں جھگڑا کرتے ہو۔ کیا تم ہمارے رسولؐ کو جھوٹا سمجھتے ہو۔ وہ تو جو کچھ کلام کرتا ہے وحی سے کرتا ہے۔

۹۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۔ اُنہوں نے نیچے اُترتے وقت پھر جبریلؑ کو دیکھا یعنی جبریلؑ کو اصلی صورت میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس کھڑے پایا۔ کسی نبی یا رسول نے جبریلِ امینؑ کو اپنی اصلی صورت میں سوائے سرکارِ دو عالمؐ کے نہیں دیکھا۔ جبریلؑ ہی لے گئے تھے اور پھر جبریلؑ ہی سدرۃ المنتہیٰ سے ساتھ واپس زمین پر پہنچا گئے۔

۱۰۔ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۔ سدرہ کے قریب ہی جنت ہے جو مومنین کے رہنے کی جگہ ہے۔

۱۱۔ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۔ (سدرہ پر جو کیفیت چھا رہی تھی چھا رہی تھی۔) یہ کوئی ضرور ایسی کیفیت تھی جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے بعض نے لکھا ہے کہ سدرہ ملاءِ اعلیٰ کے ساکنوں کے لیے اس طرح مرکزِ نور ہے جس طرح ہمارے لیے آفتاب۔ بعض نے لکھا ہے کہ نورِ محمدیؐ کا پرتو پڑنے سے ایک خاص نورانی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

۱۲۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۔ (رسولؐ کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی نہ حد سے بڑھی) یعنی عظمت و جلال کو حضورؐ سرکارِ دو عالم نظر جما کر دیکھتے رہے۔ آنکھوں میں کوئی خیرگی پیدا نہ ہوئی۔ یہ موسیٰؑ نہ تھے جو کوہِ طور پر بجلی کی چمک دیکھتے ہی غش کھا کر گر گئے تھے۔ یہ محمد مصطفےٰؐ تھے۔ یہ عالمِ نور میں ہزاروں سال تک رہ چکے تھے اُن کی آنکھوں میں

خیرگی کیوں پیدا ہوتی۔

۱۳۔ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۔ (آپؐ نے خدا کی بڑی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں دیکھیں)۔ مفسرین نے یہاں بھی عجیب بے تکی باتیں بیان کی ہیں۔ کوئی کہتا ہے جبریلؑ کی اصلی صورت میں دیکھا۔ کوئی کہتا ہے سدرہ کو دیکھا کوئی کہتا ہے مخلوقاتِ سماوی کی سیر کی۔ لیکن جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ عالم دو ہیں۔ ایک عالمِ امکان و حدوث دوسرے عالمِ لامکان و وجوب۔ کوئی نبی یا رسول نہیں بتا سکتا کہ عالمِ امکان کی حد کہاں ختم ہوتی ہے۔ کونسا مقام ہے جو جہات و زمان و مکاں کی قیود سے آزاد ہے۔ ملاءِ اعلیٰ کے تمام ساکن عالمِ امکاں کی حدود کے اندر ہیں۔ ان کی پرواز پچاس ہزار سال تک کی مسافت ہی ہو سکتی ہے اس سے آگے نہیں۔ اب اس حد تک کون گیا ہے۔ فرشتے بھی ایک حد تک جا سکتے ہیں۔ عالمِ امکاں کی حدِ آخر کو وہ بھی نہیں بتا سکتے۔ ستارے عالمِ امکاں ہی داخل ہیں۔ ان میں سے بعض ہماری زمین سے اتنی دُور ہیں کہ ان کی کرن زمین تک تین ہزار سال میں پہنچتی ہے جبکہ روشنی کی رفتار فی سیکنڈ ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل ہے۔ اس سے سمجھئے کہ عالمِ امکاں کی حد کہاں تک ہے۔

پس مخلوقاتِ عالم میں صرف ایک ذات سرورِ کائناتؐ کی ایسی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے عالمِ امکاں کی حدِ آخر تک پہنچا دیا۔ اس کا ثبوت سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت سے ملتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ الخ ۱/۱۷ بنی اسرائیل (پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندہ کو مسجدِ الحرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے)۔ مسجدِ اقصیٰ کے معنی ہیں انتہائی سجدہ کی جگہ یعنی مخلوق کی پہنچ کی حدِ آخر۔ پس سب سے بڑی نشانی جو حضورؐ کو دکھائی گئی وہ عالمِ امکاں کی حدِ آخر تھی۔

بہت سے مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ شبِ معراج حضورؐ نے خدا کو دیکھا تھا لیکن یہ عقیدہ فاسد ہے۔ جب خدا جسم و جسمانیات سے مبرا ہے تو وہ کسی کے دیکھنے میں کیسے آئے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھنے کی خواہش کی تھی تو اُس نے جواب دیا تھا لَنْ تَرٰىنِيْ "تم مجھے ہرگز نہ دیکھو گے"۔ لن کا لفظ چونکہ مستقبل کی تاکیدی نفع کرتا ہے لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ کبھی مجھے نہ دیکھو گے۔ نہ دُنیا میں نہ آخرت میں۔ حضرت حضورؐ نے دیکھا ہوتا تو ضرور لوگوں سے اس کی شکل و شمائل بیان کرتے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معراج جسمانی تھی یا روحانی۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ روحانی تھی یعنی حضورؐ نے عالمِ خواب میں اپنے کو عالمِ بالا کی سیر کرتے دیکھا تھا۔ وہ غلطی پر ہیں۔ خواب میں دیکھنا کسی کے لیے باعثِ فضیلت نہیں ہو سکتا۔ ایسی خوابیں تو سبھی دیکھ سکتے ہیں۔

ہم سورہ بنی اسرائیل میں بیان کر چکے ہیں کہ معراج کا مقصد کیا تھا۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾

تم لوگوں نے لات و عزّیٰ اور تیسرے پچھلے منات کو دیکھا (بھلا یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں)۔ کیا تمہارے بیٹے ہیں اور خدا کی بیٹیاں یہ تو بہت بے انصافی کی تقسیم ہے۔ یہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گڑھ لیے ہیں۔ خدا نے تو ان کے لیے کوئی سند جاری نہیں کی۔ یہ لوگ تو اٹکل اور اپنی نفسانی خواہش کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت بھی آچکی ہے۔ جس چیز کی انسان تمنا کرے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ آخرت اور دُنیا تو بس خدا ہی کے اختیار میں ہے اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آتی مگر خدا جس کے لیے چاہے اجازت دے اور پسند کرے۔

لات و عزّیٰ دو بڑے بت تھے قبائلِ عرب کے اکثر لوگ ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ یہ مذکر مانے جاتے تھے۔ تیسرے منات تھا جو دیوی مانی جاتی تھی۔ آخر والا اس لیے کہا کہ لوگ اس کی پوجا کم کرتے تھے۔ ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ ان پر مشک و عنبر ملا جاتا تھا جسے مکھیاں چاٹ جاتی تھیں اور یہ ان کو اپنے بدن سے اُڑا نہ سکتے تھے۔ اتنی عاجز مخلوق انسانوں کی معبود بنی ہوئی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ سرکارِ دو عالم کفار کی سخت گیریوں سے تنگ آکر چاہتے تھے کہ کوئی آیت ایسی آجائے جس میں ان کے بتوں کی تعریف ہو تاکہ یہ خوش ہو جائیں۔ جب آیہ والنجم نازل ہوئی اور آپؐ نماز میں

تلاوت فرما رہے تھے تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیے۔ استغفر اللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

تِلْكَ الغرانیق الاولیٰ ان شفاعتھن لترتجیٰ۔ (یہ بڑے مرتبہ والے ہیں انکی شفاعت کی اتیک جاتی ہے)

کفار بغلیں بجانے لگے کہ بس کام ہو گیا۔ آج محمدؐ نے ہمارے بتوں کی عظمت کا اقرار کر لیا۔ اور ان کی شفاعت کے قائل ہو گئے۔ یہ حکایت مولٰنا شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبیؐ میں لکھی ہے۔

یہ روایت درایتاً کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ اوّل تو حضورؐ پر شیطان کا تسلط ایک بے معنی بات ہے۔ دوسرے جب حضورؐ کی رسالت کا مقصد ہی بتوں کی تذلیل اور بُت پرستوں کی مذمت تھا اور آپؐ خدائے واحد کی توحید کا درس دیتے آئے تھے کیسے ممکن تھا کہ باغوائے شیطان آپؐ کی زبان سے ان کی تعریف نکلتی۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ کفار عجیب دماغ کے لوگ ہیں کہ اپنے بُتوں کے نام تو مذکر رکھتے ہیں اور فرشتوں کو کہتے ہیں یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ کیسی نامعقول تقسیم ہے۔ خدا نے ان کی پوجا پاٹ کرنے کا کہیں بھی حکم نہیں دیا۔ اے مشرکو، بُتوں کے یہ نام تم نے خود اپنی رائے سے رکھ چھوڑے ہیں۔ خدا کے رکھے ہوئے یہ نام نہیں۔ نہ ان کو کوئی طاقت دی گئی ہے۔ تم محض اپنی خواہش نفسانی سے ان کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو۔ کیا امرِ حق تمہاری خواہشات کا تابع ہے کہ جو تم چاہو وہی ہو جائے۔ آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں بغیر اذنِ خدا جن کی شفاعت کام نہیں دے سکتی۔ پس جن فرشتوں کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے کیا اُن کی سفارش تمہارے کچھ کام آسکے گی؟ کچھ بھی نہیں۔

مشرکین نے جو بُت پُوجا کے قابل قرار دیے تھے اس کی کئی صورتیں تھیں :

۱۔ جن فرشتوں کا مجسمہ بنایا تھا ان کا عقیدہ تھا کہ دعائیں ہم ان سے کرتے ہیں وہ فرشتے جن کے یہ مجسمے ہیں ہماری دعاؤں کو سنتے اور خدا سے ہماری خواہشیں پوری کراتے ہیں۔

۲۔ جو بُت جنوں کے نام پر بنائے جاتے تھے تاکہ جنّات ان سے خوش ہو کر ان کی مدد کریں۔

۳۔ پہلے زمانہ میں جو خدا کے خاص بندے ہوتے ہیں ان کے مجسمے جیسے رام چندر، کرشن، سیتا وغیرہ۔

۴۔ وہ روحانی قوتیں جن کو وہ حاجت روا سمجھتے تھے اور دیوی اور دیوتا کہتے تھے جن کے فرضی مجسمے بنالیے تھے جیسے سرسوتی، علم کی دیوی۔ اِندر۔ برسات کا دیوتا۔

۵۔ ستاروں کو کارسازِ عالم سمجھ کر ان کے فرضی مجسمے بنائے تھے۔

ان سب کے نام خود ان کے وضع کیے ہوئے تھے۔ اور جبکہ خدا نے اُن کو کوئی طاقت ان میں نہیں دی تھی۔ اُنہوں نے مختلف قسموں کی طاقتوں کا پیکر بطورِ خود سمجھ لیا تھا۔ اس وجہ سے کئی کئی بُتوں کی پُوجا کرتے تھے۔ عرب میں ہر قبیلہ کا ایک جُداگانہ بُت ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد تین سو ساٹھ تک پہنچ چکی تھی۔ ان میں بعض مجسمے چھوٹے ہوتے تھے بعض بڑے۔ خانہ کعبہ کے اندر اور باہر ان کو رکھا گیا تھا۔ بعض کی تصاویر خانہ کعبہ کی دیواروں پر بنا دی گئی تھیں۔ بعض بڑے بھاری بھر کم پہاڑوں پر بھی رکھے جاتے تھے۔

ع

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثَىٰ ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۲۸﴾ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿۳۰﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ﴿۳۱﴾

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ ملائکہ کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں حالانکہ ان کو اس کے متعلق کوئی علم نہیں وہ تو بس خیالی و گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ گمان یقین کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا جو ہماری یاد سے رُوگردانی کرے اور صرف دنیوی زندگی کا طالب ہو تو تم بھی اس سے منہ پھیر لو، اُن کے علم کی یہی انتہا ہے۔ تمہارا پروردگار اُس کو جو اُس کے راستہ سے ہٹ گیا ہے خوب پہچانتا ہے اور جو راہِ راست پر ہے اس سے بھی خوب واقف ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے خدا ہی کا ہے تاکہ جنہوں نے بُرائی کی ہے اُن کو اُن کے عمل کی سزا دے اور جنہوں نے نیکی کی ہے اُن کو نیکی کی جزا دے۔

ملائکہ کے متعلق مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور جو مجسمے ان کے بناتے تھے اُن کے نام عورتوں کے سے رکھتے تھے۔ جیسے منات۔ اس بُت کو وہ عورت سمجھتے تھے اور اس کی شکل بھی عورتوں جیسی بنائی تھی۔

خدا فرماتا ہے اُن کے پاس ملائکہ وغیرہ کے متعلق کوئی علم تو تھا نہیں محض اپنے گمان و خیال کی بنا پر جو نام جس کا چاہا رکھ لیا۔ لیکن یہ گمان حق بات سے بے پروا تو نہیں کرسکتا۔

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿۳۲﴾ ع

جو لوگ صغیرہ گناہوں کے سوا کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچے رہتے ہیں، تو اے رسول تمہارا رب بڑی بخشش والا ہے۔ وہی تم کو خوب جانتا ہے جب اُس نے تم کو مٹّی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچّے تھے تو (تکبّر سے) اپنے نفس کی پاکیزگی نہ جتایا کرو۔ جو پرہیزگار ہے اُس کو وُہ خوب جانتا ہے۔

خدا اپنی مغفرت کی شان دکھاتا ہے کہ اگر کوئی بندہ بڑے بڑے گناہوں سے بچا رہے اور بے حیائی کی باتیں چھوڑ دے تو خدا اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ تمہاری کوئی حالت اس سے چھپی ہوئی تو ہے نہیں وہ تو تمہیں اس وقت سے جانتا ہے جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔ تمہیں اس نے مٹی سے بنایا ہے تمہاری اصل ایک نطفۂ گندیدہ ہے۔ ایسی حالت میں تم اپنے نفس کی بڑائی نہ ظاہر کیا کرو اور شیخی نہ بگھارا کرو۔ اصلی بندگی تو ان لوگوں کے لیے ہے جو صاحبانِ تقویٰ و پرہیزگار ہیں اور جو ایسے ہیں اُن کو وہ خوب جانتا ہے۔ پس تم اس کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

امیرالمؤمنین علیہ السّلام نے فرمایا ہے،

اَلنَّاسُ مِنْ جِهَةِ الْمِثَالِ اَكْفَاءُ — اَبُوْهُمْ اٰدَمُ وَالْاُمُّ حَوَّاءُ
وَاِنْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ اَصْلِهِمْ شَرَفٌ — يُفَاخِرُوْنَ بِهٖ فَالطِّيْنُ وَالْمَاءُ

یعنی انسان صورت کے لحاظ سے تو سب برابر ہی ہیں کیونکہ ان سب کے ماں باپ آدمؑ اور حوّاؑ ہی ہیں۔ اگر ان کو فخر کرنے کے لیے کوئی شرف ہے تو یہ ہے کہ وہ مٹی اور پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔
مطلب یہ کہ انسان کو کسی طور پر تکبّر و غرور نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مٹی عاجزی کی اور پانی نرمی کی علامت ہے

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ﴿٣٤﴾ أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ ﴿٣٥﴾ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴿٣٧﴾ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٣٨﴾ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿٤١﴾ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ﴿٤٢﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿٤٣﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿٤٤﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٤٥﴾ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿٤٦﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿٤٧﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ﴿٤٨﴾ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَىٰ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ﴿٥٠﴾

تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے رُوگردانی کی۔ تھوڑا سا راہِ خدا میں دیا اور رُک گیا۔ کیا اُس کے پاس علمِ غیب ہے کہ دیکھ رہا ہے۔ کیا اُس کو اُن باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو موسٰی کے صحیفوں میں تھا اور ابراہیم کے (صحیفوں میں) جنہوں نے اپنا پُورا پُورا حق ادا کیا۔ (ان صحیفوں میں یہ ہے) کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا اور انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اُن کی کوشش عنقریب ہی (قیامت میں) دیکھی جائے گی۔ پھر اس کو پُورا پُورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ سب کو تمہارے رب کی طرف پہنچنا ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رُلاتا ہے اور وہی مارتا اور جِلاتا ہے اور یہ کہ وہی نر و مادہ دو قسم کے (حیوان) نطفہ سے جب (رحم میں) ڈالا جاتا ہے پیدا کرتا ہے

اور یہ کہ (قیامت میں) اس پر دوبارہ اُٹھانا لازم ہے اور یہ کہ وہی مالدار بناتا اور سرمایہ عطا کرتا ہے اور یہ کہ وہی شعریٰ کا مالک ہے اور اُس نے پہلے (قوم) عاد کو ہلاک کیا۔

آیت نمبر ۳۴ سے متعلق تفسیر کشاف جلد ۳ میں ہے :

حضرت اکثر خیرات زیادہ کیا کرتے تھے۔ ایک روز عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کہا آپ بہت زیادہ خیرات کیا کرتے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ آپ فقیر ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا۔ بھائی میرے سر پر گناہوں کا بوجھ بہت زیادہ ہے۔ چاہتا ہوں اس خیرات کے ذریعہ سے اسے سر سے اُتار دوں۔ اُس نے کہا یہ سامان سے جو لدا ہوا اونٹ کھڑا ہے مجھے دے دیجئے میں نے آپ کے سارے گناہ اپنے سر لے لیے۔ وہ اس معاملہ پر راضی ہوگئے۔ ایک کاغذ لکھا گیا اور اس پر دو دلیلوں کی گواہیاں لے لی گئیں اس کے بعد انہوں نے خیرات بند کر دی۔

اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ صحفِ ابراہیمؑ و موسٰیؑ میں ہم نے ان باتوں کو بیان کر دیا ہے۔ لوگ ان سے آگاہ کیوں نہیں ہوتے۔

۱۔ قیامت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا ہر شخص اپنے گناہ کا ذمہ دار خود ہوگا۔
۲۔ انسان کو وہی ملتا ہے جس کے حاصل کرنے کی وہ کوشش کرتا ہے۔ بخیل کو بخل کا بدلہ ملتا ہے اور سخی کو سخاوت کا۔
۳۔ جس نے جو کوشش کی ہے عنقریب اس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔
۴۔ قیامت میں پُورا پُورا بدلہ ملے گا کوئی کوتاہی نہ ہوگی۔
۵۔ سب کی بازگشت خدا ہی کی طرف ہونی ہے کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔
۶۔ خدا ہی اپنی نعمتیں دے کر ہنساتا ہے خدا ہی اس کو سلب کر کے رُلاتا ہے۔
۷۔ وہی مارتا ہے وہی جِلاتا ہے۔
۸۔ اس نے نطفہ سے ہر جاندار کا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ ایک دوسرے سے مانوس ہو کر رہیں اور انکی نسل بڑھے۔
۹۔ قیامت میں سب کو اُٹھانا اس پر لازم ہے۔
۱۰۔ وہی مالدار بناتا اور سرمایہ عطا کرتا ہے۔
۱۱۔ شعریٰ ستارہ جس کو لوگ پوجتے ہیں اور اس کو بڑا قدرت والا سمجھتے ہیں اس کا رب بھی خدا ہی ہے۔
۱۲۔ اُس نے قوم عاد کی سب سے پہلی نسل کو ہلاک کیا۔

وَثَمُودَا فَمَا أَبْقَىٰ ﴿٥١﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ

اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا
غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ
الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾
اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾
وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ السجدة

اور قومِ ثمود کو ہلاک کیا اور کچھ باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قومِ نوح کو ہلاک کیا۔ یہ لوگ بڑے ظالم اور بڑے سرکش تھے اور اُس نے (قومِ لُوط کی) بستیوں کو اُلٹ کر ہلاک کیا۔ پھر ان پر جو چھایا سو چھایا پس اے انسان تُو خدا کی کس کس نعمت پر شک کیا کرے گا یہ (محمدؐ) بھی انہیں ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر ہے۔ قیامت قریب آ گئی۔ خدا کے سوا کوئی اُسے ٹال نہیں سکتا تو کیا تم لوگ اس بات سے تعجّب کرتے ہو۔ ہنستے ہو اور روتے نہیں تم کس قدر غافل ہو۔ خدا کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

کفّارِ مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ ہم نے تم سے پہلے کتنی زبردست قوموں کو ہلاک کر دیا۔ پس تم ان کے واقعات سے عبرت حاصل کرو۔ خدا نے جو نعمتیں تم کو دی ہیں ان کے بارہ میں شک نہ کیا کرو کہ خدا نے دی ہیں یا کسی اور نے۔ خدا کے سوا ان کا دینے والا بھلا کون ہو سکتا ہے۔ پہلی قوموں نے اس بارہ میں جھگڑا کیا تھا۔ اُن کے پیغمبروں نے خدا کی ان ناشکری پر ان کو ڈرایا تھا۔ انہی ڈرانے والوں میں ایک ہمارا یہ پیغمبر بھی ہے۔ دیکھو قیامت کا وقت قریب آ لگا ہے۔ جب تم مر جاؤ گے تو پھر تمہیں سوچنے کا کوئی موقع نہ ملے گا۔ جو کچھ سوچنا ہے ابھی سوچ لو۔ جب اچانک قیامت آ جائے گا۔ تو پھر کیا کرو گے۔ جن باتوں سے تم کو ڈرایا جا رہا ہے یہ متعجب کرنے یا ہنسنے کی باتیں نہیں۔ بلکہ تم کو اپنی بداعمالیوں پر رونا چاہیئے۔ یہ مختصر سی زندگی غفلت میں گزارنے کے لیے نہیں۔ بُتوں کو چھوڑ کر اللہ کو سجدہ کرو اور اُسی کی عبادت کیا کرو۔

~

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ ﴿۵۴﴾ ﴿۳۷﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً
يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا
اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ
مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿۴﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿۵﴾
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿۶﴾ خُشَّعًا
اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴿۷﴾
مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾

قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ یہ کفّار اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو زبردست جادو ہے ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے ان کے پاس تو وہ حالات پہنچ چکے ہیں جن میں کافی تنبیہ تھی اور انبیاء درجہ کی دانائی مگر (ان کو تو) ڈرانا کچھ فائدہ نہیں دیتا تو (اے رسول) تم بھی ان سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ جس دن بلانے والا ایک اجنبی اور ناگوار چیز کی طرف بلائے گا تو (قیامت میں) آنکھیں نیچی کیے ہوئے قبروں سے نکل پڑیں گے گویا وہ پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہیں، بلانے والے کی طرف گردنیں اُٹھائے دوڑتے چلے جاتے ہوں گے۔ کافر لوگ کہیں گے یہ تو بڑا سخت دن ہے۔

آیہ شق القمر کی شانِ نزول یہ ہے :

ابنِ عباس کہتے ہیں حج کے زمانہ میں چودھویں شب کو ابوجہل ایک یہودی اور چند مشرکوں کے ساتھ حضرت رسولِ خداؐ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ آپؐ اپنی نبوت کا کوئی معجزہ صریحی دکھاؤ۔ آپؐ نے پوچھا، آخر تو کیا چاہتا ہے اُس نے یہودی سے مشورہ کر کے کہا، اگر اس چاند کے دو ٹکڑے کر دو تو جانوں۔ حضرتؐ نے دُعا کی اور انگلی کا اشارہ کیا۔ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور دونوں میں اتنا فاصلہ ہو گیا کہ دونوں ٹکڑے الگ الگ نظر آنے لگے اور تھوڑی دیر تک یوں ہی رہا۔ حضرتؐ نے لوگوں کو پکار کر کہا، لوگو دیکھو۔ اس پر ابوجہل نے کہا، لوگو! محمدؐ نے نظر بندی کر دی ہے۔ یہاں سے جو لوگ باہر گئے ہیں اُن سے پوچھوں۔ اگر وہ لوگ تصدیق کر دیں تو البتہ مان لوں گا۔ جب اُن لوگوں سے تصدیق ہو گئی تو بولا، آپؐ نے ساری دُنیا کی نظر بند کر دی ہے۔

اس واقعہ کو ابنِ مسعود۔ انس بن مالک۔ حذیفہ۔ ابنِ عمر اور جبیر بن مطعم وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔ اور حضرات ائمہ معصومینؑ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے اور صحابہ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ رونپذیر ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل کا ہے۔ اس کے متعلق مفسرین میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں، حضرتؐ کی خواہش پر ایسا نہیں ہوا تھا بلکہ حضرتؐ نے شقِ قمر دیکھ کر فرمایا تھا کہ یہ قربِ قیامت کی ایک نشانی ہے۔ بعض کہتے ہیں جیسے آتش فشاں پہاڑ پھٹ جاتے ہیں۔ اتفاقاً چاند میں ایسی صورت پائی گئی تھی۔ جسے حضرتؐ نے قربِ قیامت کی دلیل قرار دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ کسی کرہ کا ایسا شق ہونا کہ ایک ٹکڑا دوسرے سے میلوں دُور ہو جائے یہ بات عند العقل قبول نہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو نجومی لوگ اس کی ضرور خبر دیتے اور علمِ ہیئت کے ماہرین پر یہ عظیم الشان واقعہ چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ بعض کہتے ہیں، یہ واقعہ ہوا نہیں بلکہ آئندہ ایسا ہو گا جو قربِ قیامت کی دلیل قرار پائے گا۔

لیکن سب باتوں کا عند الایمان کوئی جواز نہیں کیونکہ قرآن کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ یہ واقعہ ظہور میں آیا۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور وَانْشَقَّ الْقَمَرُ دونوں ماضی کے صیغے ہیں لہٰذا مستقبل کا خیال بے معنی ہے۔ یہ واقعہ ہوا اور ضرور ہوا۔ معجزہ کہتے ہی اس فعل کو ہیں جس کی حقیقت سمجھ میں نہ آئے۔ اگر آ جائے تو پھر ہر کوئی معجز نما بن سکتا ہے۔

شق القمر کے متعلق کسی راوی کا یہ بیان نہیں کہ چاند کے دونوں ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہو گئے تھے بلکہ ایک ایسی دراڑ پڑ گئی کہ بیچ میں خلا دکھائی دینے لگا۔ اس کے بعد باعجاز وہ دونوں کنارے مل گئے۔ ایسا نہیں ہوا کہ شق کی وہ صورت کچھ عرصہ تک باقی رہی ہو اور یہ اعتراض ہو سکے کہ لوگوں نے دیکھا نہیں۔ جب تک ایسی چیزوں کا پہلے سے اعلان نہ ہو لوگوں کو کیا غرض تھی کہ اُسی رات کو صبح کے قریب تک برابر چاند کو گھورتے رہتے۔ اچانک ایک واقعہ ہوا اور ختم ہو گیا۔ جن کو یہ معجزہ دکھانا تھا انہوں نے دیکھ لیا۔ تمام دُنیا میں اس کا مشاہدہ کیسے ہوتا۔ بعض روایات سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ ہندوستان اور چین وغیرہ میں دیکھا گیا۔ اور اس کو چاند گرہن وغیرہ کی طرح عجائباتِ قدرت سمجھا گیا۔

رہا یہ کہنا کہ چاند کا جو اتنا بڑا کرہ ہے شق ہونا کیسے ممکن ہے تو معجزات سے امکان کا تعلق نہیں ہوتا۔ موسیٰؑ کے عصا کا سانپ بن جانا، یونسؑ کا مچھلی کے شکم میں زندہ رہنا، عیسیٰؑ کا مٹی سے چڑیا بنا کر اُڑا دینا، ابراہیمؑ پر آگ کا گل و گلزار بن جانا، کس کی سمجھ میں آتا ہے جو اس کے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

ابوجہل وغیرہ جو جہالت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے جب حضرتؐ کو رسول ہی نہ مانتے تھے تو آپؐ کے معجزات کو کیا مانتے۔ چنانچہ یہ کہہ کر منہ پھیر لیا، یہ تو جادو ہے محمدؐ نے نظر بندی کر دی ہے جو ہم کو ایسا نظر آ رہا ہے۔

اب رہا قیامت کے قریب ہونے کا سوال تو قیامت کے قریب جو کچھ ہونے والا ہے اس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ چاند شق ہو جائے گا۔ لہٰذا خدا یہ فرما رہا ہے کہ قربِ قیامت کی ایک یہ بھی علامت ہے۔ یہ تو نہیں کہا گیا کہ فلاں سال میں قیامت آ جائے گی۔ قربِ قیامت کا علم تو خدا ہی کو ہے۔

لوگ معجزاتِ انبیاء کو جھٹلا کر اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ قیامت کے وقت کو ہٹا کر لوگوں کی خواہش کے مطابق قبل از وقت ہی دکھا دیا جائے۔ انبیاء نے جو کچھ قیامت میں ہونے والا ہے وہ تو سب کچھ بتا دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ قیامت کا آنا ضروری ہے۔ یہ ہٹنے والی چیز نہیں۔ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کر و لیکن جو اس پر بھی یقین نہیں کرتے تو اس کا کیا علاج۔ جتنی مخلوق خدا کو پیدا کرنی ہے جب تک ان سب کو پیدا نہ کرے گا قیامت کو کیوں برپا کرے گا۔ نظامِ عالم کا وہ چلانے والا ہے لوگوں کی خواہش پر تو اس کو نہیں چلا رہا۔ اس نے جو طلسمِ کائنات اپنی معرفت کے لیے بنایا ہے جب انسان کو وہ سب دکھا دے گا قیامت کو کیوں لائے گا اور اس پُرحکمت کارخانہ کو توڑ پھوڑ کر کیوں رکھ دے گا۔ انسان نے ابھی تو زمین اور اس کی مخلوق ہی کو دیکھا ہے۔ چند سال سے اب اس نے دوسرے کُروں پر کمند ڈالنی شروع کی ہے۔ صرف چاند پر جا کر تھوڑی سی خاک اُٹھا لایا ہے۔ چند قدم چلنے سے کیا پورے کُرے کا حال اُسے معلوم ہو گیا؟ ابھی تو لاکھوں کُرے اس کے آنے کے منتظر بیٹھے ہیں۔ جب یہ سب سر کر لے گا اور خدا کی عجیب و غریب صناعیوں کو دیکھ لے گا تو قیامت بھی آ جائے گی۔ اس کے آنے میں جلدی کیوں مچائی جا رہی ہے۔ بجائے جلدی مچانے کے انسان کو اس کے آنے کے لیے اپنے کو تیار کیوں نہیں کرتا۔

ابھی تو مرتے جاؤ اور قبرستان آباد کرتے جاؤ۔ چھوٹی سی قیامت تو تمہارے لیے یہی ہے۔ پھر وہ وقت بھی آ کر رہے گا کہ تم ننگے سر خاک جھاڑتے قبروں سے خود بخود نکل کھڑے ہو گے اور پھر تمہارے ساتھ جو ہو گا وہ سب الف سے لے کر یٰ تک ہمارے پیغمبروں نے تم کو بتا دیا ہے۔ اس کی طرف کیوں نہیں توجہ کرتے۔ تمہارے انکار کرنے سے قیامت ہٹ نہیں سکتی اور جو اعمال تم اس دُنیا میں کر رہے ہو اس کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔

یہ سمجھ لو کہ یہ دن کافروں کے لیے بڑا سخت ہو گا۔ وہ محشر کی طرف سر جھکائے بھاگے چلے جا رہے ہوں گے۔ اعمال نامے گلے میں پڑے ہوں گے۔ وہاں ذرا ذرا سی بات کی پرسش ہو گی اور پھر جہنم کی آگ ہو گی اور وہ۔ البتہ جو مومن و متقی ہوں گے ان کا کیا کہنا۔ ان کی بڑی ناز برداریاں ہوں گی۔ جب جنت میں داخل ہوں گے تو پھر ان کے لیے عیش ہی عیش ہو گا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ﴿۹﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾

اس سے پہلے قومِ نوح نے جھٹلایا تھا۔ انہوں نے ہمارے بندے (نوحؑ) کو جھٹلایا اور کہنے لگے یہ مجنون ہے اور اُن کو جھڑکیاں بھی دی گئیں تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دُعا کی کہ بار الٰہا میں (ان کے مقابلہ میں) کمزور ہوں تو ہی ان سے بدلہ لے۔ پس ہم نے موسلا دھار پانی کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے بس ایک کام کے لیے جو مقرر ہو چکا تھا (دونوں) پانی مِل ملا کر ایک ہو گئے اور ہم نے ایک کشتی پر جو تختوں اور کیلوں سے بنائی گئی تھی سوار کیا اور وہ ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔ یہ اس شخص (نوحؑ) کا بدلہ لینے کے لیے ہُوا جسے لوگ نہیں

قومِ نوح و عاد

مانتے تھے اور ہم نے اس کشتی کو عبرت بنا دیا تو کوئی ہے جو عبرت حاصل کرے (دیکھو) ان کو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا اور ہم نے تو قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کون ہے کہ نصیحت حاصل کرے۔ قومِ عاد نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ پس ان کو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر ایک سخت منحوس دن میں بڑے زنّاٹے کی آندھی چلائی جو لوگوں کو (ان کی جگہ سے) اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی گویا وہ اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہیں پس میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ منحوس دن سے کیا مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ہفتہ میں کوئی دن منحوس نہیں ہوتا، سب نیک ہوتے ہیں۔ جس کے لیے جو مصیبت کا دن ہو وہی منحوس ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بُدھ کا دن ہفتہ میں سب سے زیادہ منحوس ہے اس میں کوئی اہم کام نہیں کرنا چاہیئے۔

حضرت نوحؑ کی کشتی بروایتے بیس سال میں تیار ہوئی تھی۔ خدا نے اس کشتی کو بنانے کے لیے حضرت نوحؑ کو فنِ نجاری کی تعلیم دی تھی۔ اس میں تمام کام حضرت نوحؑ نے اپنے ہاتھ سے کیا تھا۔ کسی غیر معصوم کا ہاتھ اس میں نہیں لگا تھا۔ خود تختے چیرے تھے خود اس کا ڈھانچہ بنایا تھا خود ہی اس کے تختے جوڑے تھے۔ غرض ہر طرح یہ کشتی مقدس و مبارک تھی اس پر جتنے سوار تھے سب نے نجات پائی۔

حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے کہ جو اس پر سوار ہُوا اُس نے نجات پائی اور جس نے اس سے رُوگردانی کی ڈوب گیا اور ہلاک ہُوا۔ یہ کشتیٔ نوحؑ جن اجزا سے بنی تھی وہ بھی سب پاک و پاکیزہ تھے۔ اس وجہ سے اُن کے ساتھیوں کو طوفان میں غرق ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔ اسی طرح جن لوگوں کو اہلبیتؑ سے تمسک رہا ان کو طوفانِ ضلالت میں ڈوبنے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ کشتیٔ نوح طوفان کے بعد کوہِ جُودی پر ٹھہری تھی جو سب سے چھوٹا پہاڑ تھا۔ لوگ کہتے ہیں ہوائی جہازوں کے ذریعہ بعض پہاڑوں پر اس کشتی کا ایک ڈھانچہ سا نظر آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

طوفانِ نوح کے بعد پھر کبھی ایسا طوفان دُنیا میں نہیں آیا نہ نوحؑ سے پہلے کبھی آیا تھا۔ روایت ہے کہ زمین کا کوئی حِصّہ اس طوفان سے محفوظ نہیں رہا تھا۔

ایک سوال یہ ہے کہ کشتیٔ نوح چالیس روز پانی پر رہی۔ اس عرصہ میں جو مخلوق کشتی پر سوار تھی اُس نے کھایا کیا۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ تمام آدمیوں، درندوں، چرندوں اور پرندوں وغیرہ کے لیے اتنے عرصہ تک کھانے کا سب سامان کشتی میں رکھا ہو۔ درندوں کے لیے گوشت کا کیا بندوبست کیا ہوگا۔ جن جانوروں کو درندوں نے کھایا ان کے لیے تو کشتی نوح باعثِ نجات نہ بنی۔ مفسرین نے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ شیخ احمد تبریزی نے کتاب الانبیاءؑ میں یہ ضرور لکھا ہے کہ خدا نے اس مدت میں ایسی ہوا چلائی کہ کشتی میں بیٹھنے والوں کو نہ بھوک لگی نہ پیاس۔

واللہ اعلم بالصواب

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ
بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ
وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾
سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ
فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ
بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى
فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً
وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ
لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

ہم نے تو قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا تو کوئی ہے کہ نصیحت حاصل کرے۔ قوم ثمود نے ڈرانے والے پیغمبروں کو جھٹلایا اور کہا کیا ہم ایک آدمی کی جو ہم ہی میں سے ہے پیروی کریں اگر ایسا کریں تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے۔ کیا ہم سب میں سے بس اسی پر وحی نازل ہوتی ہے (نہیں) بلکہ یہ تو بڑا جھوٹا تعلی کرنے والا ہے۔ ان کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا تکبر کرنے والا ہے (اے صالح) ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو تم دیکھتے رہو اور ذرا صبر سے کام لو اور ان کو خبردار کر دو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے۔ ہر باری والے کو اپنی باری پر حاضر ہونا چاہیئے۔ ان لوگوں نے اپنے رفیق (قدار نامے) کو بُلایا تو اس نے پکڑ کر اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔

پس دیکھو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر ایک سخت چیخ کا عذاب بھیج دیا تو وہ باڑے والے (جانوروں کے بندھنے کی جگہ) چُورچُور بھُوسے کی طرح سو گئے۔ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے کے لیے۔

یہاں دو جگہ قرآن کے آسان ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اُس کی عبارت نہ تو ایسی پیچیدہ ہے کہ آدمی کی سمجھ میں نہ آئے۔ نہ منطقیانہ و فلسفیانہ ہے کہ آدمی اس کی اصطلاحوں میں گُم ہو جائے اور یہی پتہ نہ چلے کہ زیرِ بحث کیا مسئلہ ہے بلکہ ہر مطلب کو نہایت واضح طریق سے بیان کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ مقصد عبارت ہے کہ لوگوں کو اس سے ہدایت ہو۔

قومِ نوح کے بعد قومِ عاد و ثمود نے بڑا سر اُٹھایا تھا۔ جناب صالحؑ کو قومِ ثمود کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ لیکن اُن کی قوم نے اُن کو بُری طرح جھٹلایا۔ وہ کہتے تھے، یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص (صالح) جو ہم ہی میں پلا بڑھا ہو اب وہ ایسا بڑا بن گیا ہے کہ ہمیں ہدایت کرتا ہے۔ ہم بھلا ایسے آدمی کو جو معمولی حیثیت کا ہے کیسے پیروی کر سکتے ہیں ایسے کی اطاعت تو کھُلی گمراہی اور دیوانگی ہے۔ یہ تو بڑا جھُوٹا اور شیخی باز ہے۔ خدا فرماتا ہے عنقریب انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون جھُوٹا اور تعلّی مارنے والا ہے۔

جناب صالحؑ سے کہا جا رہا ہے ہم (ان کی خواہش کے مطابق) ایک ناقہ کو ان کی آزمائش کے لیے بھیجتے ہیں۔ پس تم دیکھتے رہو کہ وہ اس کے ساتھ کیا عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ کریں کرنے دو صبر سے کام لو۔ انہیں یہ بتا دو کہ جس چشمے سے تم پانی پیتے ہو اس کا پانی تمہارے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک دن ساری قوم اس کا پانی اپنے استعمال میں لائے اور دوسرے دن اونٹنی پیئے اور وہ اتنا دودھ دے گی کہ ساری قوم کے لیے کافی ہوگا۔ مگر وہ اس تقسیم پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے اپنی قوم کے ایک شقی کو جس کا نام قدار تھا اس کی ہلاکت پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ اُس ملعون نے ایک رات کو اس اونٹنی کے چاروں پیروں کی کوچیں کاٹ دیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اب ان کی سرکشی چونکہ حد کو پہنچ گئی تھی لہٰذا غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور ان پر عذاب نازل ہونے کا وقت آگیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ایسی سخت چیخ پیدا ہوئی کہ وہ سب مر گئے۔ اور ان پر مکانات اس طرح گرے کہ ان کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور وہ اُس بھُس کی مانند ہو گئے جسے مویشیوں نے اپنے پیروں تلے کُچل ڈالا ہو۔ ہم نے یہ قصّہ قرآن میں اس لیے بیان کیا ہے کہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور جو باتیں پہلی قوموں کے لیے باعثِ عذاب بن چکی ہیں اُن سے پرہیز کریں۔ مگر نصیحت حاصل کرنے والے کم ہی لوگ ہیں۔ ایک معذّب قوم کے بعد جب دوسری معذب قوم آئی تو وہاں سرکشی انہوں نے بھی اختیار کی اور اپنے پیغمبر کو جھٹلایا اور اس کے ستانے پر کمر باندھی۔ خدا نے ہر قوم کی ہدایت کے لیے جو ہادی بھیجا وہ اسی قوم کا ایک فرد تھا۔ مقصد یہ تھا کہ چونکہ وہ اپنی قوم کی عادات و شمائل، رسم و رواج سے خوب واقف ہوتا تھا لہٰذا وہ اچھی طرح ہدایت کر سکتا تھا لیکن قوموں نے اُن کو اس لیے نہ مانا کہ وہ انہی میں کا کوئی رئیس اور تیس مار خان نہ ہوتا تھا بلکہ معمولی حیثیت کا آدمی ہوتا تھا۔ لہٰذا وہ اس کی پیروی کرنے پر تیار نہ ہوتے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّآ ءَالَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَٰهُم بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِى مَن شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَٰوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِۦ فَطَمَسْنَآ أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا۟ عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوقُوا۟ عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ ع

قوم لُوط نے ڈرانے والوں کو (پیغمبروں کو) جھٹلایا تو ہم نے اُن پر کنکریوں بھری ہوا چلائی مگر لُوط کے لڑکے بالوں کو ہم نے اپنے فضل وکرم سے پچھلے پہر بچالیا۔ ہم شکر کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور لوط نے ان کو ہماری پکڑ (عذاب) سے ڈرا بھی دیا تھا۔ مگر ان لوگوں نے ڈرانے ہی میں شک کیا اور اُنہوں نے فرشتے کے بارہ میں ہی ناجائز مطلب کی خواہش کی تو ہم نے اُن کی آنکھیں اندھی کردیں کہ میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو اور صبح کے ہوتے ہی وہ عذاب آگیا جو کسی سے ٹل نہیں سکتا تھا تو میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔ اور ہم نے تو قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کردیا ہے تو کوئی ہے کہ نصیحت حاصل کرے۔

حضرت لُوط علیہ السّلام کی قوم بھی عجیب نالائق و بدکردار قوم تھی۔ وہ اپنی خواہشاتِ نفسانی کو بجائے عورتوں کے نوجوان لڑکوں سے پُورا کرتے تھے۔ ان کے اس عمل سے عورتیں تنگ آگئی تھیں۔ ہر چند حضرت لُوطؑ سمجھاتے تھے کہ ایسی زمین میں کیوں بیج ڈالتے ہو جس سے کوئی چیز پیدا ہونے کی امید نہیں۔ تمہارا یہ فعل غیر فطری ہے۔ اللہ نے تمہاری شہوت کی آگ بُجھانے کے لیے عورتوں کو بنایا ہے۔ مگر وہ کہاں ماننے والے تھے۔ آخر سوائے لُوطؑ کے خاندان کے ساری بستی عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آگئی۔ ہم نے لوطؑ کے ذریعہ سے اپنے عذاب کی آمد سے ان کو خبردار کردیا تھا مگر جب وہ نہ مانے تو پھر ہمارا عذاب تھا اور وہ تھے۔ اُن ظالموں نے تو یہ غضب ڈھایا کہ جو فرشتہ ہم نے نزولِ عذاب کے لیے لُوطؑ کے پاس

بھیجا تھا اور ایک خوبصورت جوان کی صورت میں ان کے پاس آیا تھا۔ اس کی آمد کی خبر سُنتے ہی وہ دوڑ پڑے اور اپنی خواہش بد کو اس سے پُورا کرنا چاہا۔ ہم نے ان کی آنکھوں کو ایسا اندھا کیا کہ وہ اُن کو نظر ہی نہ آیا۔ صبح ہوتے ہی ہم نے لُوطؑ کے خاندان کو جو وہاں تھا نکال لیا۔ باقی سب پر عذاب نازل کرکے ہلاک کرڈالا۔

ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس قوم میں ایسے بوڑھے بھی تھے جو اس فعلِ بد کو نہیں کرتے تھے، اُن کو کیوں ہلاک کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ یا تو اس لیے وہ ہلاک ہوئے کہ جوانی میں ایسا فعل کرچکے تھے یا اس لیے جب حضرت لُوطؑ نے اُن کو عذاب کی خبر دی تھی تو اس بستی سے نکل کر بھاگے کیوں نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت لوطؑ کو جھوٹا جانتے تھے۔

وَلَقَدْ جَآءَ ءَالَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَٰهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُو۟لَٰٓئِكُمْ أَمْ لَكُم بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِى ضَلَٰلٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِى النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا۟ مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾

فرعون کے لوگوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے اُنہوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو اس طرح دھر پکڑا جیسے ایک صاحبِ قدرت پکڑا کرتا ہے (اے اہلِ مکّہ) کیا ان لوگوں سے بھی تمہارے کفّار بڑھ کر ہیں یا تمہارے واسطے پہلی کتابوں میں معافی لکھی ہوئی ہے۔ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم بہت قوی جماعت ہیں۔ عنقریب ہی یہ جماعت شکست کھائے گی۔ یہ لوگ پیٹھ پھیر پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ بات یہ ہے کہ ان کے وعدہ کا وقت قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور تلخ چیز ہے۔ بے شک گنہگار لوگ گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہیں۔ اس روز اپنے منہ کے بل جہنم کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور کہا جائے گا) اب جہنم کی آگ کا مزہ چکھو۔

مفسرینِ عامہ نے آلِ فرعون سے مراد قومِ فرعون لی ہے۔ اسی طرح آلِ محمدؐ سے مراد قومِ محمدؐ ہے۔ پس درود شریف میں جو آلِ محمدؐ کہا جاتا ہے اس سے مراد وہ نہیں جن کو شیعہ اہلبیتؑ کہتے ہیں۔ بلکہ تمام قوم مراد ہے۔ یہ خیال کئی وجہ سے باطل ہے۔ اوّل یہ کہ آلِ فرعون سے فرعون کے قبیلہ یا خاندان کے لوگ مراد ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی امرِ اہم کا منسوب کرنا ہوتا ہے تو اس خاندان والوں ہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ عام لوگوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مثلاً اس آیت میں فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ "۵۴/۴ سورہ نساء" میں آل سے مراد صرف انبیاء ہیں، تمام اولادِ ابراہیمؑ مراد نہیں۔ دوسرے قبطی لوگ جو قومِ فرعون کہلاتے تھے درحقیقت اولادِ فرعون تھے۔ مصر میں تیس۳۰ بادشاہ ہوئے جو فرعون کہلاتے تھے۔ ان میں سے ایک وہ فرعون تھا جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تھا۔ ان ہی فرعونوں کی اولاد قبطی تھے۔ پس آلِ فرعون سے مراد فرعونیوں کا خاندان ہے۔ اُن میں وہ لوگ داخل نہیں جو قبطیوں کے علاوہ مصر میں آباد تھے۔ تیسرے اگر آلِ محمدؐ سے مراد تمام مسلمان لیے جائیں تو ان میں فاسق و فاجر بھی بکثرت ہیں۔ تو کیا وہ اس قابل ہیں کہ اللہ اور ملائکہ اور مومنین درود بھیجیں۔ چوتھے اگر سب ہی آلِ محمدؐ ہیں تو درود بھیجا کس پر جائے گا۔ بھیجنے والے اور جن پر بھیجا جائے دونوں ایک تو نہیں ہو سکتے۔ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک لفظ ہر جگہ ایک ہی معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ موقع و محل کے لحاظ سے معنی بدل جاتے ہیں مثلاً سورہ بقر کی ۲۴۸ویں آیت میں جہاں تابوت سکینہ کا ذکر ہے وہاں یہ الفاظ ہیں بقیۃ ترک آلِ موسیٰؑ و آلِ ھارون یعنی اس تابوتِ سکینہ میں بقایا تھا ان تبرکات کا جو چھوڑے تھے آلِ موسیٰؑ و ھارون نے ظاہر ہے کہ یہاں آل سے مراد قومِ موسیٰؑ نہیں ہو سکتی کیوں کہ ان کے تبرکات باعثِ برکت نہیں ہو سکتے بلکہ اس سے مراد یہاں اولادِ انبیاء ہے انھیں کے تبرکات باعثِ برکت ہو سکتے ہیں اسی طرح تمام اُمت رسولؐ کی نہیں ہو سکتی جن پر خدا و رسولؐ اور مومنین درود بھیجیں سوائے آلِ رسولؐ

آیات کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اور فرعون والوں نے ان تمام معجزات کو جھٹلایا جو حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ لے کر آئے تھے۔ مصر میں قومِ فرعون کا بڑا اقتدار تھا۔ انتہا یہ ہے کہ وہ اپنے کو خدا کہتا تھا۔ دولت اور ملکی وسعت کے لحاظ سے وہ اہلِ مکہ سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ پس جب خدا نے اُسے سختی سے دھر پکڑا اور ہلاک کر دیا تو اے اہلِ مکہ تم اس سے زیادہ طاقت و اقتدار والے تو نہیں ہو یا تمہارے پاس عذاب سے برأت کا کوئی پروانہ آگیا ہے۔ تمہیں اپنی جس جماعت پر گھمنڈ ہے قیامت میں اس کا حشر دیکھ لینا۔ کیسے ہر طرف بھاگے بھاگے پھرو گے۔ وہ تمہارے لیے بڑی سخت اور تلخ گھڑی ہوگی۔ تم سب کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

چونکہ مشرکینِ مکہ قیامت کے معتقد نہ تھے اور سب کچھ دُنیا ہی کو سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ حضرتؐ سے بڑے اکڑ اکڑ کر بولتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہماری بہت بڑی جماعت ہے کوئی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ آخر ایک روز انہوں نے اپنے غرور و تکبّر کا مزہ چکھ لیا۔ بدر و اُحد و خندق تین ہی جنگوں میں اُن کے اتنے آدمی مارے گئے کہ گھر گھر ماتم کدہ بن گیا اور جو بچے تھے اُن کو دن میں تارے نظر آنے لگے۔ یہاں تک کہ ۸ھ تک ان کا زور اتنا ٹوٹ گیا کہ وہ حضورؐ کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے اور اپنے سابقہ کرتوتوں کی معافی مانگتے نظر آتے۔ یہ تو تھی ان کی دنیوی ذلت اور قیامت آنے پر جو سزا ملے گی اس کے تو تصوّر سے بھی کلیجہ لرزتا ہے۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع

ہم نے ہر شے کو ایک مقرر اندازہ سے پیدا کیا ہے اور ہمارا حکم تو بس آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے اور ہم تمہارے ہم مشربوں کو ہلاک کر چکے ہیں تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے اور ہر وہ شے جو یہ لوگ کر چکے ہیں ان کے اعمال ناموں میں درج ہے اور ہر چھوٹا بڑا کام لکھ دیا گیا ہے۔ متقی لوگ جنتوں اور نہروں ہر طرح کے بادشاہ کی بارگاہ میں (مقرب) ہوں گے۔

یعنی خدا نے ہر چیز کو ایک اندازہ سے پیدا کیا ہے۔ نہ اس سے آگے بڑھتی ہے نہ پیچھے ہٹتی ہے۔ جس درخت کا نشو و نما جس شان سے ہوتا آیا ہے ایسا ہی ہوگا۔ اس کا نقطۂ عروج جہاں تک ہے وہیں تک ہوگا۔ اُس کا پھیلاؤ جتنا موزوں ہے ہمیشہ اتنا ہی ہوگا۔ انار کا درخت برگد کے درخت کی برابر لمبا چوڑا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہر جانور کے قد و قامت کا ایک پیمانہ قدرت کا بنایا ہوا ہے اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ لومڑی شیر کا ڈیل ڈول نہیں اختیار کر سکتی اور شیر لومڑی کے قد میں نہیں آسکتا۔ بکری ترقی کر کے بیل نہیں بن سکتی اور بیل بکری کے قد و قامت والا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہر مخلوق کے لیے قدرت کی طرف سے ایک اندازہ معیّن ہے۔

عالمِ امری سے جن چیزوں کی خلقت کا تعلق ہے انہیں اسباب و وسائط کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ چیز پلک جھپکتے ہو جاتی ہے۔ انسان اس زندگی میں جو کام کرتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا، دفترِ قدرت میں سب لکھ لیا جاتا ہے۔ جو لوگ اس دُنیا میں پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اُن کے اجر کا کیا ٹھکانہ ہے۔ جنت کے باغ ان کے رہنے کے لیے ہوں گے۔ نہریں ان کے قدموں کے نیچے تفریحِ طبع کے لیے بہتی ہوں گی۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ خدا کے مقرب بندے قرار پائیں گے۔

۵۵ سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ۹۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝۶ وَالسَّمَاۗءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝۸ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝۹

بڑا مہربان ہے خدا۔ اُس نے قرآن کی تعلیم دی۔ اُس نے انسان کو پیدا کیا اُس نے بیان کرنا سکھایا۔ سُورج اور چاند ایک مقرر حساب سے چل رہے ہیں اور جڑی بُوٹیاں اور درخت اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ اُس نے آسمان کو بُلند کیا اور ترازو (انصاف) کو قائم کیا تاکہ تم تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم نہ کرو۔

سب سے پہلے اس سورہ میں لفظ رحمٰن ہے جس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ بیان ہو رہا ہے اُس کی رحمت کے تحت ہو رہا ہے چونکہ اپنے بندوں کو ہدایت کرنا خدا کا فرض ہے اور بندوں پر اس کی رحمت ہے لہٰذا لفظ رحمٰن سے سورہ کا آغاز کیا ہے۔

مفسرین عامہ نے لکھا ہے عَلَّمَ الْقُرْاٰن سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ سے قرآن کی تعلیم دی۔ پھر انسان کو پیدا کیا اُس کی تعلیم کا پہلے بندوبست کر دیا پھر اُسے بیان کرنا سکھا دیا۔ اس تفسیر میں ہمارے نزدیک کوئی وزن نہیں کیونکہ ترتیبِ کلام غلط ہو جاتی ہے۔ خلقتِ انسان کا ذکر پہلے ہونا چاہیئے تعلیم کا بعد میں بیان معاملہ برعکس ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان سے مراد عام انسان نہیں بلکہ وہ انسان ہے جس کی تعلیم وجودِ انسانی میں آنے سے پہلے ہو چکی تھی اور وہ سوائے ذات سرورِ کائناتؐ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ چونکہ حضور خدا کے یہاں سے تعلیم حاصل کیے ہوئے تھے لہٰذا انؐ کی تعلیم اس عالم مادی میں آنے سے پہلے ہو چکی تھی۔ یہاں آ کر جب نزولِ قرآن ہوا تب بیان کرنے کا طریقہ بتایا گیا۔ یہیں سے یہ معلوم ہوا کہ رسول جاہل پیدا نہیں ہوئے تھے جن لوگوں نے

اُمّی کے معنی جاہل لیے ہیں اُنہوں نے غلطی کی ہے۔ اس کا ثبوت کہ حضورؐ دنیا میں آنے سے پہلے عالمِ قرآن تھے آپؐ کی یہ حدیث ہے کہ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَاۗءِ وَالطِّيْنِ۔ (میں اُس وقت نبی تھا جب آدم آب و گِل میں تھے)۔ ظاہر ہے کہ ایک نبی جاہل نہیں ہو سکتا۔

آیت نمبر۵۔ سورج اور چاند اپنے حساب کے مطابق چل رہے ہیں۔ بال برابر اس سے ہٹ نہیں سکتے۔

آیت نمبر۶۔ نجم کے معنی اس بیل کے لیے ہیں جس کا تنا نہ ہو۔ جیسے کدّو یا خربوزے کی بیل۔ یعنی اونچے اونچے درخت ہوں یا زمین پر لیٹی ہوئی بیل سب خدا کو سجدہ کر رہے ہیں۔ درختوں کا سجدہ کرنا اس نظام کی پابندی کرنا ہے جو قدرت نے ان کے لیے معین کر دیا ہے۔

آیت نمبر۷۔ اُس نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو کو بنایا۔ ترازو سے مراد یہاں عدل و انصاف سے کام لینا ہے کیونکہ نظامِ عالم بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لیے اس کو چار جگہ تنبیہاً ذکر کیا گیا ہے۔ تولنے میں حد سے نہ بڑھو۔ ڈنڈی نہ مارو۔ انصاف کے ساتھ تولو۔ تول میں کسی کو کم نہ دو۔ ناپ ہو یا تول انصاف کو ملحوظ رکھو۔ قوم شعیب پر اس لیے عذاب آیا تھا کہ وہ بڑے ڈنڈی مار تھے۔ دوسروں سے لیتے تو زیادہ لیتے، انہیں کوئی چیز دیتے تو کم دیتے۔ یہ ڈنڈی مارنے کی رسمِ بد قوم شعیب ہی سے چلی ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝۱۰ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۠ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝۱۱ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝۱۲ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝۱۴ وَخَلَقَ الْجَاۗنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝۱۵ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۶ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝۱۷ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۸

اور لوگوں کے نفع کے لیے زمین کو بنایا اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں اور اناج جس کے ساتھ بھُس ہوتا ہے اور یہ خوشبودار پھُول۔ پس اے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ آدمی کو ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی مٹّی سے پیدا کیا اور جنّات کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا۔ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس رحمت کو جھٹلاؤ گے۔

وہ مشرقین و مغربین کا مالک ہے پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

اس سورہ میں اللہ نے اپنی نعمتوں کا جابجا ذکر فرمایا ہے اور ایک دو نعمت کا ذکر کرنے کے بعد بطور استفہام انسانوں اور جنوں سے پوچھا ہے کہ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی نعمتیں اس سورہ میں ذکر کی گئی ہیں جنات ان میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ میوے کھجوریں۔ غلّے اور پھول ان کے بھی استعمال میں آتے ہیں ورنہ ان سے سوال نہ ہوتا۔

آیت نمبر ۱۵، ۱۴ میں جو فرق انسان اور جنّات میں ہے اُسے بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

انسان کی خلقت کے متعلق قرآن مجید میں مختلف الفاظ استعمال کیے گئے ہیں: تراب مٹی یا خاک۔ طین پانی ملی ہوئی مٹی۔ طین لازب لسدار مٹی۔ حما مسنون بودار مٹی۔ صلصال کالفخار کھنکھناتی ہوئی مٹی۔ یہ سب صورتیں انسانی مزاج کے اعتبار سے ہیں۔ کبھی وہ سوکھی طبیعت کا بن جاتا ہے کبھی اس میں تھوڑی سی نرمی آجاتی ہے کبھی محبت کا جذبہ زیادہ ہو جاتا ہے کبھی قابل نفرت جذبات کا اظہار ہونے لگتا ہے کبھی سخت دل بن جاتا ہے۔

جنّات کو آگ سے پیدا کیا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے بدن سے شعلے نکلتے ہیں۔ جس طرح ہم مٹی سے بنے ہیں مگر بظاہر کسی حصہ میں مٹی نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اُن کی خلقت آگ سے ہے مگر ظاہر جسم پر آگ کا اثر نہیں۔ ان کی اور ہماری طبیعتوں میں اختلاف ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ تم دونوں کی خلقت میں جو خدا کی نعمتیں ودیعت کی گئی ہیں تم ان کو کہاں تک جھٹلاؤ گے اور کس کس نعمت کا شکر ادا نہ کرو گے۔

آیت نمبر ۱۷ میں ربّ المشرقین والمغربین فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جاڑوں میں سورج کا مشرق اور ہوتا ہے اور گرمیوں میں اور اسی طرح مشرق بدل جاتے ہیں اور موسم بنتے ہیں جن سے تم کو فائدہ ہوتا ہے اور تمہارا نظام حیات درست رہتا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

اس نے دو دریا بہائے جو باہم مل جاتے ہیں ان کے درمیان ایک حدِّ فاصل ہے (آڑ) جس سے تجاوز

نہیں کر سکتے۔ تو اے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں تو تم دونوں خدا کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور جہاز جو دریا میں پہاڑوں کی طرح اُونچے کھڑے رہتے ہیں تو تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

خدا کی قدرت کی ایک عجیب و غریب نشانی یہ ہے کہ سمندر کا کھاری اور کڑوا پانی جہاں کے میٹھے پانی سے ملتا ہے وہاں قلمِ قدرت سے ایک امتیازی خط کھنچا ہوا ہے۔ صاف ایک لکیر نظر آتی ہے۔ یہ دونوں پانی ملتے نہیں۔ ایک طرف ملح اجاج (کھاری کڑوا) دوسری طرف عذبٌ فرات (میٹھا خوشگوار)۔ ان کے درمیان جو قدرت کی طرف سے حد بنائی گئی ہے کوئی اس کو توڑ نہیں سکتا۔ اس طرف خدا توجہ دلا رہا ہے کہ اے جن و انس تم خدا کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ جب جہاز کھاری پانی سے گزر کر میٹھے پانی کی حد میں آتا ہے اور دجلہ میں داخل ہوتا ہے تو وہاں سے اہلِ جہاز کے لیے میٹھا پانی بھر لیتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جہاز والوں کی ضرورت کیسے پوری کی جاتی۔ ان دونوں پانیوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں جو سامانِ آرائش اور قیمتی سرمایہ ہیں۔

اس کی ایک معنوی تفسیر اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ دو دریا علیؑ اور فاطمہؑ ہیں اور ان کے درمیان آڑ حضرت رسولِ خدا ہیں اور موتی اور مونگے حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ آڑ ہونے سے یہ مطلب ہے کہ علیؑ اور فاطمہؑ میں سے کوئی حد سے تجاوز نہیں کرتا۔ مل جل کر پیار و محبت سے رہتے ہیں۔

آریوں نے اس سورہ پر کئی اعتراض کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ دو دریاؤں کے ملنے اور ان سے موتی مونگے نکلنے کا فائدہ انسان کو تو پہنچ سکتا ہے لیکن جنوں کا اس سے کیا تعلق۔ جواب یہ ہے کہ موتی مونگے جنّات بھی استعمال کرتے ہیں۔ جب میوے وغیرہ ان کے استعمال میں آتے ہیں تو ان کی بی بیوں کے استعمال میں موتی مونگے نہ آنے کی کیا وجہ۔

دوسری نعمت قدرت کی یہ ہے کہ پہاڑوں کی طرح اُونچے اونچے جہاز سمندر میں چلتے ہیں، ان کا چلانے والا بھی خدا ہے۔ پس خدا کی یہ نعمت جھٹلانے کے قابل نہیں۔ جن بھی ان جہازوں پر آدمیوں کی طرح سفر کرتے ہوں گے اگرچہ وہ ہمیں نظر نہیں آتے۔ جب خدا نے ہر نعمت میں انسان کے ساتھ جنوں کو شریک کیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسانوں کی طرح کوئی نہ کوئی فائدہ ان کو بھی ہوتا ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم اس فائدہ کو سمجھ نہ سکتے ہوں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾

ہر وہ مخلوق جو زمین پر ہے فنا ہونے والی ہے سوائے تمہارے رب کی ذات کے جو عظمت و کرامت

والی ہے تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔

بظاہر موت نعمت نہیں کہی جاسکتی ۔ لیکن غور کیجئے تو یہ بھی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے ۔ اگر کسی انسان کو موت نہ آتی اور آدمؑ سے لے کر قیامت تک سب موجود رہتے تو اس زمین پر چپہ بھر زمین قدم رکھنے کو انہیں نہ ملتی اور نہ ایک دانہ غلہ کا کھانے کو میسر آتا ۔ پس جو نعمتیں ہم کو حاصل ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ لوگ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے جاتے ہیں ۔

يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

جو مخلوق آسمان و زمین میں ہے سب اسی سے مانگتے ہیں اور ہر روز وہ اپنی مخلوق کے ایک نئے ایک کام میں ہے ۔ پس تم اس کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔

یہ بھی خدا کی ایک بڑی نعمت ہے کہ تمام مخلوق اس ذاتِ واحد کے در کی بھکاری ہے ۔ اگر رزق رساں بہت سے ہوتے تو کسی کو کچھ بھی نہ ملتا ۔ بہت سے خداؤں کو راضی رکھنا مخلوق کے لیے وبال ہو جاتا ۔ ایک کسی کو دینا چاہتا اور دوسرا نہ چاہتا تو خداؤں کے درمیان لٹھ چلتا اور ہاتھیوں کی لڑائی میں بکری بیچاری پس جاتی ۔

اس آیت کا دوسرا ٹکڑا یہودیوں کے اس خیال کی تردید میں ہے کہ خدا شنبہ کو کوئی کام نہیں کرتا ۔ یہ دن چھٹی کا ہوتا ہے جس میں وہ آرام کرتا ہے ۔ دوسرے معترضہ فرقہ کے عقیدہ کی بھی تردید ہے ۔ وہ کہتے ہیں ، خدا اپنا کام کچھ لوگوں کے سپرد کر کے خود علیحدہ ہو بیٹھتا ہے ۔ اگر ایسا ہوتا تو نظامِ کائنات میں ابتری پھیل جاتی ۔ بھلا اٹھارہ ہزار عالموں کا اتنا مربوط نظام کون سنبھالتا ؟ ۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾

اے دونوں گروہو ، ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوں گے پس تم دونوں ہماری کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔

یعنی قیامت کا وقت قریب آرہا ہے ۔ اس دن جنہوں نے مظلوموں پر ظلم کیا ہو گا ۔ ہم مظلوموں کی فریاد رسی کریں گے ۔ کیا یہ تمہارے لیے بڑی نعمت نہیں ۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

اے گروہ جن و انسان اگر تم میں طاقت ہے کہ آسمان و زمین کے کناروں سے کہیں نکل سکو (کہ موت سے بچ جاؤ) تو نکل جاؤ مگر تم تو بغیر قوت کے نکل نہیں سکتے ۔ پس تم خدا کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔

یعنی جنات اور انسانوں سے کہا جا رہا ہے کیا تمہاری یہ طاقت ہے کہ زمین و آسمان کی حدود سے باہر نکل جاؤ ۔ تم ایسا نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ تم کو ایسی طاقت دی ہی نہیں گئی ۔ یہ تمہاری کمزوری بھی تمہارے لیے ایک نعمت ہے ۔ اگر تم ایسا کر سکتے تو دنیا والوں کو تباہ کر کے بھاگ جاتے ۔ مظلوم لوگ تمہارا کیا بگاڑ سکتے اور تم سے انتقام کیسے لے سکتے ۔ دوسرے تم اس نظامِ شمسی سے نکل کر ایک منٹ زندہ نہ رہ سکتے کیونکہ تمہاری زندگی اسی نظام سے وابستہ ہے حقیقت یہ ہے کہ تم بھاگ سکتے ہی نہیں ۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

(اے گنہ گار جنو اور آدمیو) تم دونوں پر آگ کا سبز شعلہ اور سیاہ دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو کسی طرح تم دونوں روک نہیں سکو گے تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔

یعنی گناہ کی صورت میں قیامت کے دن تم پر سخت عذاب نازل ہو گا ۔ اگر اس کا خوف تمہیں نہ دلایا جائے تو تم گناہ کرنے سے باز نہ رہو ۔ پس یہ عذاب کا بیان تمہارے حق میں نعمت ہے ۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۳۸ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝۳۹ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۴۰ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝۴۱ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۴۲

جب (قیامت میں) آسمان پھٹ کر تیل کی طرح سُرخ ہو جائے گا تو تم دونوں خدا کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس دن نہ انسان سے اس کے گناہ کے بارہ میں پوچھا جائے گا نہ جنّ سے، پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ گنہگار لوگ تو اپنے چہروں سے پہچان لیے جائیں گے تم دونوں کو سر کے پٹوں اور پیروں سے پکڑ کر جہنّم کی طرف کھینچا جائے گا تو تم کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

انسان کو کسی چیز کی طرف راغب کرنے یا باز رکھنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ کسی فائدہ کی امید یا کسی نقصان کا خوف دلانا۔ ان آیات میں انسان اور جنّ دونوں کے سامنے قیامت کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے جس کی صورت یہ ہوگی کہ یہ آسمان پگھل کر تیل کی طرح سُرخ ہو جائیں گے۔ اس نظارہ کا خوف جب تم کو گناہوں سے روکے گا تو اسے خدا کی ایک نعمت سمجھو۔

دوسری بات یہ بھی کان میں ڈال لو کہ وہاں نہ کسی انسان سے پوچھا جائے گا نہ جنّ سے کہ تم نے کیا کیا کیا۔ کیونکہ زندگی کا سارا ریکارڈ خدا کے سامنے ہوگا۔ بلکہ پوچھا یہ جائے گا کہ کیوں کیا۔ لہٰذا جو کچھ کرتے ہو سوچ سمجھ کر کرو۔ اس دن کی باز پرس کا خوف تم کو گناہوں سے روکے گا تو کیا یہ خدا کی نعمت نہیں کہ خطرہ سے پہلے ہی آگاہ کر دیا۔

تیسرے اس اپنی بے بسی پر غور کرو جب فرشتہ جہنّم کی طرف تمہیں اس طرح گھسیٹے لے جائیں گے کہ ایک فرشتے کے ہاتھ میں تمہارے سر کے بال ہوں گے اور دوسرا تمہارے قدم پکڑے ہوگا۔ یہ کیسی ذلت اور مصیبت کا جانا ہوگا۔ اس سے بچنے کے لیے اس دُنیا میں بُرے کام ترک کرو۔ یہ ڈرانا تمہارے لیے نعمت ہے ورنہ تم کہاں باز آنے والے تھے۔ جب تک کوئی خطرہ سامنے نہیں ہوتا چلنے والا احتیاط سے قدم نہیں رکھتا۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝۴۳ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝۴۴ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۴۵

(اس وقت کہا جائے گا) یہ ہے وہ جہنّم جسے گنہ گار لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ یہ لوگ دوزخ اور کھولتے پانی

کے درمیان چکر لگاتے پھرتے ہوں گے۔ پس تم دونوں کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

شرارت پسندوں اور نافرمان بندوں کو ڈرانے کے لیے یہ ایک اور منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ یہ کہ جب لوگ جہنّم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دوڑتے اور چکّر لگاتے پھریں گے تو خیال کرو ان کے جسموں پر کیا گزرے گی۔ اگر مذکورہ عذابوں کے برداشت کی تم میں طاقت نہیں تو پھر نیک کام کیوں نہیں کرتے۔ یہاں تک نیکیوں کی طرف رغبت دلانے کا ایک طریقہ بیان کیا گیا ہے یعنی جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا۔ اس کے بعد اب دوسرا طریقہ نیک آدمیوں کو خوش کرنے کا بیان کیا جاتا ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝۴۶ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۴۷ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۝۴۸ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۴۹ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ۝۵۰ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۵۱ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝۵۲ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۵۳ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَاۤىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝۵۴ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۵۵

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اس کے لیے دو دو باغ ہیں پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغ ٹہنیوں سے ہرے بھرے، تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں دو چشمے بھی جاری ہوں گے تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ان دونوں میں ہر قسم کے میوے دو دو قسم کے ہوں گے تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہ لوگ ان فرشوں پر جن کے استر اطلس کے ہوں گے تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان دونوں باغوں کے میوے اس قدر قریب ہوں گے کہ اگر چاہیں تو لگے ہوئے کھا لیں تو تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

یہاں جنت کے دو باغوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے درختوں کی شاخیں ہری بھری جھومتی ہوں گی اور ان میں دو دو قسم کے پھل لگے ہوں گے۔ مثلاً انار دو قسم کے انگور دو قسم کے ہر ایک کا ذائقہ جُدا۔ ان میووں سے لدے درختوں کے نیچے تخت بچھے ہوں گے جن پر اطلس کا نرم و نازک فرش ہوگا۔ میوے اتنے قریب ہوں گے کہ چاہے بغیر توڑے منہ لگا کر انہیں کھالو۔ ان میں کون سی نعمت ہے جسے تم جھٹلاؤ گے۔

فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٧﴾ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦١﴾ وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ ﴿٦٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَامَّتَانِ ﴿٦٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٥﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ ﴿٦٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٧﴾

ان میں (پاکدامن) غیر کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھنے والی عورتیں ہوں گی۔ جن کو ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہوگا نہ جنّ نے، تو تم خدا کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ (ایسی حسین) گویا وہ (مجسم) یاقوت اور مونگے ہیں، تو تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہیں، تو تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں نہایت گہرے سرسبز شاداب ہوں گے، تو تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں دو چشمے جوش مارتے ہوں گے۔ تو تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

یہاں چند نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اوّل یہ کہ وہاں ایسی پاکدامن عورتیں ہوں گی جن کو جنتیوں کے علاوہ

کسی انسان نے چھوا ہوگا نہ جنّ نے۔ جوانی سے ایسی بھرپور اور ایسی چمکتی دمکتی حُسن میں ڈوبی گویا یاقوت و مرجان کی بنی ہوئی ہیں۔ یہ سب بدلہ ہے ان نیکیوں کا جو دُنیا میں خدا کے نیک بندوں نے کی ہوں گی۔ جن دو باغوں کا پہلے ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ دو باغ اور بھی ہیں۔ بڑے ہرے بھرے جن کے نیچے دو چشمے اُبلتے ہوں گے۔ جنت والے مزے اُڑا رہے ہوں گے۔ پہلوؤں میں حسین عورتیں، سر پہ ہرے بھرے درختوں کا سایہ، میووں کی بہار، اُبلتے چشمے ٹھنڈے پانی کے پیروں کے نیچے۔ نیکی کرنے والو، تمہیں نیکی کے بدلے میں اور کیا چاہیئے۔ کھانے پینے کا بہترین بندوبست، لذتِ نفس کا روح افزا سامان، نہ کوئی رنج نہ کوئی غم، نہ درد نہ تکلیف۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٩﴾ فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧١﴾ حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٧﴾ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٧٨﴾ ع

ان دونوں باغوں میں میوے ہیں، کھجوریں ہیں اور انار ہیں پس تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور ان سب باغوں میں خوش خلق اور خوبصورت عورتیں ہوں گی پس تم کس کس نعمت کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔ ایسی حوریں جو خیموں میں چھپی بیٹھی ہیں جنہیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہے نہ کسی جنّ نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یہ لوگ سبز قالینوں اور نفیس و حسین مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ مبارک ہے تمہارے رب کا نام جو صاحبِ عظمت و اکرام ہے۔

اس سورہ میں تیس مقام پر فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔ کو ذکر کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی بات کو بار بار دُہرانا فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ جس چیز کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے اُسے بار بار ذکر کیا جاتا ہے تاکہ بھول نہ جائے۔

یہ تو مسلّم ہے کہ انسان سہو و نسیان کا پتلا ہے کسی امر کے ترک پر اس کا بڑا عذر یہ ہوتا ہے کہ میں چونکہ بھول گیا ہوں اس لیے بے قصور ہوں۔ لہٰذا اس مسئلہ میں قدرت نے یہ التزام کیا ہے کہ انسان کے بھولنے کا عذر ختم ہو جائے۔ انسان پر جو قیامت میں عذاب ہوں گے اور جنت میں جو جو سامان میسّر ہوگا اُن میں سے ہر ایک کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرما دیا کہ تم دونوں کہاں تک اپنے رب کی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ گویا بار بار شانہ جھنجوڑ کر کہا جا رہا ہے کہ بھولنا مت۔ جھٹلاؤ گے تو کہاں تک۔ ایک دو نہیں وہ تو بہت سی نعمتیں ہیں۔

جھٹلاتا ہے آدمی اس بات کو جو اس کے کان میں پڑ چکی ہو۔ پس ایک ایک کر کے اپنی نعمتیں تمہارے سامنے ذکر کر دی گئیں۔ ایسی صورت میں تم کہاں تک جھٹلاؤ گے۔ قیامت میں جب آؤ گے تو ان سب چیزوں کا سامنا ہوگا خواہ بطورِ سزا تمہارے سامنے آئیں یا بطورِ جزا۔ اگر رسولؐ کے بیان کرنے پر تم جھٹلاتے ہو تو کیا تمہارے جھٹلانے سے ان کا وجود ختم ہو جائے گا (ہرگز نہیں)۔ ہم نے بار بار تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ تمہارے جھٹلانے کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ ان سب باتوں کا سامنا تو تمہیں کرنا ہی پڑے گا۔ کان کھول کر سُن لو۔

یہاں چار باغوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے پہلے دو باغ بلحاظ نعمات فوقیت رکھتے ہوں گے اور دوسرے باغ ان سے کچھ کم درجہ کے ہوں گے۔

حُوریں اپنے حُسن و جمال میں بے نظیر ہوں گی۔ بی بیوں کے علاوہ یہ اہلِ جنت کی تفریح کا سامان بہم پہنچائیں گی۔ ان کے لیے نورانی خیمے جنت میں نصب ہوں گے۔ جب اہلِ جنت جنت میں سیر کو نکلیں گے تو ان خیموں میں سے حُوریں نکل کر ان کی تفریح کا سامان بنیں گی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ جِن بھی انسانوں کی طرح مکلّف ہیں۔ ان کے اعمال کا بھی حساب کتاب ہوگا۔ اور انسانوں کی طرح ان کو بھی ان کے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ ممکن ہے جنت میں ان کے لیے کوئی علیحدہ مقام ہو۔

جو لوگ جنوں کو بھی نوعِ انسان میں داخل سمجھتے ہیں وہ اس سورہ سے سبق حاصل کریں۔ اگر ایک ہی ہوتے تو بار بار انسانوں سے الگ ان کو بیان کرنے اور ان کی خلقت کی حقیقت بتانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جنت میں جو لوگ جائیں گے وہ سب جوان ہوں گے۔ یعنی بوڑھے مرد اور عورتیں سب جنت میں قدم رکھنے سے پہلے جوان ہو جائیں گے۔ اور جو کالے ہوں گے وہ گورے ہو جائیں گے۔

حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور کہنے لگی، حضورؐ دُعا فرمائیں کہ خدا مجھے جنت میں جگہ دے۔ آپؐ نے مزاحاً اس سے فرمایا کہ بوڑھی عورت جنت میں نہ جائے گی۔ اس پر وہ روتی ہوئی نکلیں۔ بلالؓ نے پوچھا کیوں رو رہی ہو۔ اس نے کہا حضورؐ نے فرمایا ہے کہ بوڑھی عورت جنت میں نہ جائے گی۔ بلالؓ نے کہا، میرے ساتھ چل۔ میں حضورؐ سے کہوں گا کہ سفارش فرمائیں۔ جب دونوں حضرتؐ کی خدمت میں آئے تو بلالؓ نے کہا، حضورؐ اس کی سفارش فرما دیں۔ آپؐ نے فرمایا، تم کیا کہتے ہو کالا آدمی بھی جنت میں نہ جائے گا۔ یہ سُن کر بلالؓ رونے لگے اور وہ بوڑھی عورت اور بلالؓ عباسؓ بن عبد المطلب کے پاس پہنچے اور اُن سے کہا آپ حضورؐ کے پاس جا کر سفارش کریں۔ وہ اِنہیں ساتھ لے کر حضرتؐ کی خدمت میں آئے اور سفارش کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا، تم کیا کہتے ہو بوڑھے مرد بھی جنت میں نہ جائیں گے۔ اب تو تینوں نے مِل کر گریہ و زاری شروع کی۔ تب حضرتؐ نے فرمایا، دل گرفتہ نہ ہو۔ بوڑھے مرد اور عورتیں جوان ہو کر جنت میں جائیں گے اور کالے گورے ہو کر۔

---

(۵۶) سُوۡرَةُ الۡوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۴۶)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ۙ ﴿۱﴾ لَیۡسَ لِوَقۡعَتِهَا کَاذِبَةٌ ۘ ﴿۲﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ ﴿۳﴾ اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ رَجًّا ۙ ﴿۴﴾ وَّ بُسَّتِ الۡجِبَالُ بَسًّا ۙ ﴿۵﴾ فَکَانَتۡ هَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا ۙ ﴿۶﴾ وَّ کُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً ؕ ﴿۷﴾ فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ ؕ ﴿۸﴾ وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ؕ ﴿۹﴾ وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ﴿ۚۙ۱۰﴾ اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿ۚ۱۱﴾ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿ۙ۱۳﴾ وَ قَلِیۡلٌ مِّنَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿ؕ۱۴﴾

جب قیامت برپا ہو گی کہ اس کے واقع ہونے میں جھوٹ نہیں۔ کسی کو پست کرے گی کسی کو بلند۔ جب زمین بڑے زوروں میں ہلنے لگے گی اور پہاڑ چُور چُور ہو جائیں گے پھر ذرّے بن کر اُڑنے لگیں گے اور لوگ تین ٹکڑیوں میں بٹ جائیں گے۔ داہنے ہاتھ والے، کیا کہنا داہنے ہاتھ والوں کا۔ بائیں ہاتھ والے، کیا بُرا ٹھکانہ ہے بائیں ہاتھ والوں کا اور جو آگے بڑھ جانے والے ہیں، واہ کیا کہنا آگے بڑھ جانے والوں کا۔ یہی لوگ خدا کے مقرّب ہیں، آرام و آسائش کے باغوں میں ہوں گے بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے سے آخر والوں میں سے۔

قیامت میں لوگ تین گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ ایک وہ جن کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں ہو گا۔ یہ وہ ہوں گے جنہوں نے دُنیا میں نیک کام کیے ہوں گے۔ دوسرے وہ جن کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ہو گا۔ یہ بداعمال لوگ ہوں گے۔ تیسرے وہ لوگ ہوں گے جو نیکیوں کی طرف سب سے آگے بڑھنے والے ہوں گے۔ یہی لوگ خدا کے مقرب بندے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ سے کیا مراد ہے؟ بعض کے نزدیک اوّلین سے مراد حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت رسولِ خداؐ تک کے آدمی ہیں اور قلیل سے مراد حضورؐ کے زمانے سے قیامت تک کے لوگ مراد ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۔ سے مراد عہدِ رسالت کے لوگ ہیں اور آخرین سے مراد بعد والے۔ لیکن عہدِ رسالت والے یا قرنِ اوّل والے ان لوگوں سے زیادہ نہیں ہو سکتے جو قیامت تک ہوں گے۔

نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حکمِ رسولؐ پر سب سے پہلے لبّیک کہنے والے، جہاد میں سب سے آگے بڑھ کر حصّہ لینے والے تھے۔ راہِ خدا میں سب سے بڑھ کر خرچ کرنے والے تھے۔ احیائے اسلام کی نشر و اشاعت میں سب سے آگے آگے تھے۔ صواعق محرقہ میں ہے کہ سبقت کرنیوالے تین ہیں حزقیل مومن آلِ فرعون جس نے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے میں سبقت کی حبیب نجار مومن آلِ یٰسین جس نے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے میں سبقت کی۔ اور حضرت علیؑ ابن ابی طالب جنہوں نے حضرت رسولِ خداؐ پر ایمان لانے میں سبقت کی۔ اور یہ پہلے دونوں سے افضل ہیں کیونکہ سیّد الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی رسالت کی تصدیق کرنے والے تھے۔

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ

مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ ﴿۱۹﴾

(خدا کے مقرّب بندے جن کا ذکر اوپر ہوا) مرصّع تختوں پر تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور ان کے گرد چکّر لگانے والے ایسے جوان لڑکے ہوں گے جو ہمیشہ جوان ہی رہیں گے۔ ان کے ہاتھوں میں ساغر۔ ٹونٹی دار کنٹر اور صاف شفّاف شراب کے جام ہوں گے۔ نہ تو ان کو (خمار میں) دردِ سر ہو گا اور نہ وہ بدحواس (مدہوش) ہوں گے۔

حوریں تفریحِ طبع کے لیے ہوں گی اور غلمان شرابِ طہورا پلانے والے ہوں گے۔ یہ دُنیا جیسی ناپاک شراب نہ ہو گی جس کا پینا حرام ہے اور جس کے نشہ کے اُتار کے وقت بدن ٹوٹنے لگتا ہے اور سر میں درد ہو جاتا ہے۔ جنت میں ان تکالیف سے کیا واسطہ۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۭ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُـؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ڏ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۭ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ ﴿۳۰﴾ وَّمَاۗءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۭ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاۗءً ۙ ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۭۧ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ

مِنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور جس قسم کے میوے پسند کریں اور جس طرح کا گوشت ان کا جی چاہے سب موجود ہے اور بڑی بڑی آنکھ والی حوریں جیسے احتیاط سے رکھے ہوئے موتی (صاف شفّاف)۔ یہ بدلہ ہے ان کے نیک اعمال کا وہاں نہ تو بیہودہ بات سُنیں گے اور نہ گناہ کی بات (فحش)۔ بس ان کا کلام سلام ہی سلام ہوگا۔ اور داہنے ہاتھ والے (واہ) داہنے ہاتھ والوں کا کیا کہنا۔ بے کانٹے کی بیریوں اور لدے گتھے ہوئے کیلوں اور لمبی لمبی چھاؤں اور جھرنے کے پانی اور لاتعداد میووں میں ہوں گے جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ ان کی کوئی روک ٹوک ہوگی اور اُونچے اُونچے نرم فرشوں میں (مزے کرتے) ہوں گے اور ان کو وہ عورتیں ملیں گی جن کو ہم نے نیا پیدا کیا ہے اور ان کو کنواریاں پیاری پیاری ہمجولیاں بنایا ہے (یہ سب سامان) داہنے ہاتھ والوں (نیک کام کرنے والوں) کے واسطے ہے۔ ان میں بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور بہت سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔

یہاں اہلِ جنت کے لیے جن نعمتوں کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں :

۱ - جس پھل کو ان کا جی چاہے گا موجود پائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے پھل موجود ہوں گے اگرچہ ان کے نام وہی ظاہر کیے گئے ہیں جو دُنیا کے پھلوں کے لیے ہیں مگر ذائقہ میں روح کی تازگی میں ان پھلوں سے ان کو کوئی نسبت نہ ہوگی۔ اگر کچھ نئے نام ذکر کیے جاتے تو چونکہ ان کے ذائقہ سے انسان بے خبر ہوتا لہٰذا ان کی طرف رغبت نہ ہوتی۔ اور نہ ان کی خواہش دل میں پیدا ہوتی۔

۲ - پرندوں کا گوشت جس کی انہیں خواہش ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ چوپاؤں کا گوشت جنت کی غذا نہیں۔ صرف طیور کا گوشت ملے گا۔ پھر جس قسم کے طائر کا گوشت وہ چاہے گا ملے گا۔ یہ طائر جنت ہی کے ہوں گے جن کے گوشت کی لذّت ہی کچھ اور ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام گوشتوں میں طیور کا گوشت افضل ہے۔

۳ - کوئی لغو بات وہاں سنائی ہی نہ دے گی۔ وہاں کے تذکرے ہی کچھ اور ہوں گے۔ خدا کی حمد ہوگی، تسبیح ہوگی۔ دنیوی حالات سب بھُول بسر جائیں گے۔

۴ - وہاں تو جب کوئی ایک دوسرے سے ملے گا، سلام علیکم کہتا ہوا ملے گا۔ حتیٰ کہ فرشتے بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے۔

۵ - داہنی طرف والوں یعنی نیک اعمال والوں کا کیا کہنا۔ سُنو، اُنہیں کیا کیا عیش نصیب ہوگا :

الف : بے کانٹے کی بیریوں کا ان پر سایہ ہوگا۔ معلوم ہوتا کہ بیری کا درخت جنت کے درختوں میں سے ہے۔ جبھی تو مردہ کو آبِ سدر سے غسل دیا جاتا ہے۔ اطبا کہتے ہیں کہ بیری کے درخت کے نیچے سونا اور

بیٹھنا مفیدِ صحّت ہے اور بیری کا پھل معدہ کی اصلاح کرتا ہے۔

ب : گُتھے ہوئے کیلے درختوں میں لگے ہوئے جتنے چاہو کھا لو۔

ج : لمبے لمبے سائے ان میں گزرنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوائیں۔

د : جھرنے کی ہلکی ہلکی پھوار، سبحان اللہ۔

ہ : پھر پھل ایسے نہیں جیسے دنیا میں ہوتے ہیں کہ ایک فصل کے بعد دوسری کا انتظار۔ بلکہ ہر پھل سدا بہار۔ کسی موسم کا ہو ہر وقت موجود۔

۶ - بی بیاں وہ جن کی خلقت نئی شان سے ہوئی ہوگی۔ کنواریاں حُسن کی پریاں، ادا و ناز کی دیویاں، دلفریبی کی پُتلیاں۔ جن کو کسی نے چھوا تک نہ ہوگا۔ اللہ اللہ نیک بندوں کی کیا ناز برداریاں ہیں۔ دُنیا میں زندگی کے چند روز تکلیف میں گزار کر اگر یہ عیش و نشاط کی دُنیا ہمیشہ کے لیے مل جائے تو اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾

اب رہے بائیں طرف والے، ستیاناس ہو بائیں طرف والوں کا۔ یہ تو (دوزخ میں) کھولتے ہوئے پانی اور کالے سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہے نہ خوش آیند۔ اس سے پہلے (دنیا میں) یہ خوب عیش اُڑا چکے تھے اور بڑے بڑے گناہوں پر اَڑے رہتے تھے۔ کہا کرتے تھے کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی بن جائیں گے تو ہم یا ہمارے اگلے باپ دادا پھر اٹھائے جائیں گے۔ اے رسول کہہ دو، اوّل والے ہوں یا آخر والے ضرور روزِ معیّن پر اکٹھے کیے جائیں گے۔ پھر تم اے گمراہو، جھوٹو، تھوہڑ کے درخت سے کھاؤ گے اور اس سے اپنے پیٹوں کو بھرو گے اور اس پر کھولتا پانی پیو گے ایسا ڈگڈگا کر جیسے پیاسا اونٹ پیتا ہے۔

خدا بچائے کیا بُرا حال ہوگا بدکار گنہگاروں کا۔ اوّل تو دوزخ کی آگ عیاذاً باللہ ہی بدن کی ہڈیوں تک کو جلا کر سرمہ بنا رہی ہوگی۔ پھر گرم گرم ہوا کے جھونکے اس پر گرم سیاہ دھوآں ناک اور منہ میں گھس رہا ہوگا دُنیا میں یہ لوگ بڑے عیش و نشاط میں گزارتے تھے اور اپنی بدکاریوں پر اَڑے ہوئے تھے۔ انبیاءؑ کی بات پر کان نہ لگاتے تھے۔ قیامت کا ذکر سنتے تو کہتے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اور ہمارے باپ دادا جنہیں مرے ہوئے ہزار ہا برس ہو گئے ہڈیاں تک گل سڑ کر خاک ہو گئیں وہ پھر از سرِ نو زندہ کیے جائیں گے، بھلا کوئی بات ہے۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتی۔ رسولؐ کہتے تھے، تم کس ہوش میں ہو قیامت میں تم سب اگلے پچھلے ایک جگہ جمع کیے جاؤ گے۔ اے گمراہو، جھوٹو، وہاں تمہاری اچھی طرح خبر لی جائے گی۔ یہاں عمدہ عمدہ کھانے کھا کر مونچھوں کو تاؤ دے رہے ہو، خبر ہے وہاں پر کیا کھانے کو ملے گا۔ تھوہڑ کا درخت، اس کی کانٹے دار تلخی بھری شاخوں کو چاب کر پیٹ بھرنا پڑے گا۔ اور پھر اس کے اُوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈگڈگا کے پینا پڑے گا۔ سوچو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

یہ ہے قیامت کے دن اُن بدکاروں کی مہمانی کا سامان۔ ہم نے تم کو (پہلی بار) پیدا کیا تھا تو اب تم (دوبارہ) پیدا ہونے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے تو کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ جو نطفہ تم (عورت کے) رحم میں ڈالتے ہو تو کیا تم بچہ پیدا کرتے ہو یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کر دیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہاری شکلیں بدل ڈالیں اور تم لوگوں کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے

جو لوگ قیامت کے منکر ہیں، اُن سے کہا جا رہا ہے، تمہارے انکار کرنے کی آخر وجہ کیا ہے۔ ہم نے تم کو نیست سے ہست کیا تو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو اگر نہیں کر سکتے تو اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے کہ تمہیں پھر بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ غور کرو، تم جو نطفہ کسی عورت کے رحم میں ڈالتے ہو تو اس کے رحم کے اندر بچہ تم بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں۔ ہم ہی نے موت کو پیدا کیا ہے جو تمہاری زندگی کا خاتمہ کرے گی۔ اس کے بعد کیا ہم اس سے عاجز ہیں کہ تم ہی جیسے اور پیدا کر دیں اور ایسی شکل میں لے آئیں جن کا تم کو علم نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ جس قدرت کا مظاہرہ ہم اوّل میں کر سکتے ہیں اسے آخر میں نہیں کر سکتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۷۴﴾ ع الثلثۃ

تم نے پہلی پیدائش کو تو سمجھ ہی لیا ہے پھر تم اس پر غور کیوں نہیں کرتے۔ جو تم کاشت کرتے ہو کیا تم کھیتی کو اُگاتے ہو یا ہم۔ اگر ہم چاہتے تو اُسے چُور چُور کر دیتے بس تم باتیں ہی بناتے رہ جاتے کہ (ہائے) ہم تاوان میں پھنسے بلکہ ہم تو بدنصیب ہیں۔ کیا تم بادلوں سے پانی برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اُسے کھاری بنا دیں۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ پھر تم نے اس پر بھی غور کیا کہ جو آگ تم لکڑی سے نکالتے ہو اُس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا ہم نے اُسے (جہنم کی) یاددہانی اور حاجت مندوں کے لیے زیست کا سامان بنایا ہے۔ پس اے رسول تم اپنے رب کی جو صاحبِ عظمت ہے تسبیح کرو۔

ان آیات میں خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ کے کئی ثبوت دیئے ہیں:

پہلے کھیتی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک کسان کھیتی میں بیج بو دیتا ہے۔ اس کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اب بیج کو زمین سے پودے کی صورت میں نکالنا، پروان چڑھانا اور غلہ پیدا کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ چاہتا تو پودوں کے لہلہانے کے بعد گرم ہوا کا ایک جھونکا بھیج کر سب کو جلا کر بھُس بنا دیتا اور غلہ کا ایک دانہ تمہارے ہاتھ نہ آتا، بس ہاتھ ملتے رہ جاتے۔ بتاؤ تم خدا کے اتنے بڑے احسان کا کیا شکر ادا کرتے ہو۔

دیکھو جو میٹھا خوشگوار پانی تم رات دن پیتے رہتے ہو اُسے آسمان سے تم نے برسایا ہے یا ہم برساتے ہیں۔ سمندروں سے کھاری بد ذائقہ سورج کی کرنوں کے ذریعہ سے قطرہ قطرہ اُٹھا کر لے جاتے ہیں۔ پھر سب کو ملا کر بادل کی شکل بناتے ہیں جو اسے کچھ عرصہ الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے۔ اس عمل کے بعد جب وہ پانی زمین پر آتا ہے تو میٹھا اور خوشگوار بن کر آتا ہے۔ کیا ہمارے سوا کسی میں ایسا کرنے کی قدرت ہے۔ اس پانی سے کھیتیاں اُگتی ہیں سبزہ لہلہاتا ہے باغوں میں بہار آتی ہے۔ پھل پھول لگتے ہیں جن کو تم کھاتے ہو۔ اس پانی کو پیتے ہو۔ اس پانی سے دریا اُبلنے لگتے ہیں نہریں بہنے لگتی ہیں تالاب بھر جاتے ہیں۔ بتاؤ خدا کی اس نعمت کا کیا شکر ادا کرتے ہو۔ اگر یہی پانی تم کو کچھ دیر نہ ملے تو تڑپ تڑپ کر مر جاؤ۔ ایسی گرانقدر چیز ہم نے تمہارے قدموں کے نیچے ہر جگہ بہا دی ہے۔ جہاں چاہو کنواں کھود کر یا واٹر پمپ لگا کر نکال لو۔

اچھا اور سنو، جو آگ لکڑیاں جلا کر تم پیدا کرتے ہو اور اس سے اپنی بے شمار ضروریات پوری کرتے ہو کیا اس کے درخت تم نے اُگائے ہیں یا ہم نے۔ ہماری قدرت کو دیکھو، ہرے بھرے درختوں کی شاخوں میں یہ آگ ہم نے کس حکمت سے چھپا رکھی ہے۔ جب لکڑیاں سُوکھ جاتی ہیں تو تم ان سے آگ نکالنے کا کام لیتے ہو۔ جہاں چاہتے ہو انہیں جلا کر اپنا کھانا پکا لیتے ہو اور دیگر ضروریات بھی پوری کر لیتے ہو۔

یہ سب تمہاری زیست کا سامان ہے اگر تمہیں غلہ نہ ملے پانی نہ ملے آگ نہ ملے تو بتاؤ تم کیسے زندہ رہ سکتے ہو۔ تو باوجود ان نعمتوں کے جن سے ہر وقت تم فائدہ پاتے ہو۔ پھر بھی خدا کے شکرگزار نہیں ہوتے اور اس کی حمد و ثنا نہیں کرتے۔ تم بڑے ناشکرے ہو۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿۷۵﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿۷۶﴾ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿۷۷﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿۷۹﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۸۰﴾ أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ﴿۸۳﴾ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُونَهَآ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۸۷﴾ فَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿۸۹﴾

میں تاروں کی منازل کی قسم کھاتا ہوں اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے کہ یہ بڑے مرتبہ کا قرآن ہے۔ جو کتاب (لوح) محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس کو بس وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک ہیں۔ یہ سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے تو کیا تم اس کلام سے انکار کرتے ہو اور کیا تم نے اپنی روزی یہ قرار دے لی ہے کہ اس کو جھٹلاتے رہو تو کیا جب جان (بدن سے) نکل کر حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت کی حالت پڑے دیکھا کرتے ہو اور ہم اس مرنے والے سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا۔ تو اگر تم کسی کے دباؤ میں نہیں ہو اور اگر تم (اپنے دعویٰ میں)

سچے ہو تو روح کو پھیر کیوں نہیں دیتے۔ پس اگر وہ مرنے والا خدا کے مقربین میں سے ہے تو اس کے لیے آرام و آسائش ہے اور خوشبودار پھول ہیں اور نعمتوں کے باغ ہیں۔

مہربان خدا نے ستاروں کی منازل کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑی قسم ہے کیونکہ نظامِ شمسی کا برقرار رکھنا اور ستاروں کی چالوں کو اپنے تحت حکمت سے چلانا معمولی کام نہیں۔ پس جس خدا نے اس نظام کو قائم رکھا ہے سمجھ لو کہ وہ کیسی قدرت والا ہے۔ اس کا نازل کیا ہوا یہ قرآن ہے۔ جس کی اصل لوحِ محفوظ کے اندر ہے جسے مس نہیں کر سکتے مگر پاک و پاکیزہ لوگ۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ عبارتِ قرآن کو بے طہارت مس نہ کرنے سے کیا مراد ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ بے وضو قرآن کی عبارت کو مس کرنا مکروہ ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ بحالت جنابت اور حیض و انفاس قرآن کو مس کرنا حرام ہے باقی عام حالتوں میں مس کر سکتے ہیں۔

لفظ مس کے دو معنی ہیں۔ ایک مس ظاہری ایک مس باطنی۔ باطنی مس کے معنی ہیں جو اس سے تعلق نہیں رکھتے یعنی پورا پورا اس کا علم نہیں رکھتے۔ مگر وہ لوگ جن کو خدا نے پاک و پاکیزہ بنایا ہے۔ یعنی بمصداق آیۂ تطہیر انہی کا اس سے معنوی تعلق ہے۔ ظاہری حکم الفاظ کا بے وضو نہ چھونے کا ہے لیکن باطنی اس کے معانی و حقائق سمجھنے کا ہے۔

مس کے معنی تعلق رکھنے کے اس آیت سے ثابت ہیں کہ حضرت مریمؑ نے فرمایا تھا

یعنی میرے بیٹا یقینی ہو گا درآنحالیکہ میرا تعلق کسی مرد سے نہیں رہا۔ یہاں چھونے کے معنی مراد نہیں کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ مریمؑ کے جسم کو کسی انسان نے چھوا ہی نہ ہو یا جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص کو علم سے مس تک نہیں یعنی کوئی تعلق نہیں۔

پھر فرماتا ہے تم اس قرآن کے کلام خدا ہونے سے کیسے انکار کر سکتے ہو درآنحالیکہ تم اس کا جواب نہیں لا سکے۔ اس میں جو حقائق بیان کیے گئے ہیں ان کی معقول طریقہ سے تردید نہیں کر سکے۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم نے اپنا وظیفہ ہی یہ قرار دے لیا ہے کہ جب قرآن کو سنو تو اس کا انکار کر دو۔

خیر وہ وقت آ رہا ہے جب تم اس دنیا سے رخصت ہونے لگو گے۔ جب تمہاری جان کھنچ کر حلق تک آ جائے گی اور تم بے کسی کے عالم میں ہر طرف دیکھتے ہو گے۔ اُس وقت ہم تمہارے سب سے قریب ہوں گے لیکن تمہیں نظر کچھ نہ آئے گا۔ بتاؤ کیا اس وقت تم اپنی جان بچا سکو گے۔ پس جس قادر و قیوم کے ہاتھ تمہاری جان ہو گی اسی کا یہ کلام ہے۔ مرنے کے بعد اس انکار کی تم کو سزا ملے گی اور ضرور ملے گی۔ زندگی میں تم جو چاہو کر و لیکن مرنے کے بعد تمہاری اکڑ فوں سب ختم ہو جائے گی اور جن حق باتوں سے تم از راہِ جہالت انکار کرتے رہو گے اُن کی حقانیت تم پر واضح ہو جائے گی۔ البتہ جو لوگ مقربانِ ایزدی ہیں جنہوں نے دُنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے سب کچھ ہے۔ راحت ہے خوشبو ہے پھلواریاں ہیں نعمتوں سے بھری جنتیں ہیں۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹٦﴾

اگر وہ داہنے بازو سے ہے تو اس سے کہا جائے گا تم پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام ہو۔ اور اگر جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے ہے اور جہنم میں اس کا داخلہ ہو گا۔ یہ خبر یقیناً صحیح ہے۔ اے رسول تم اپنے بزرگ پروردگار کے نام کی تسبیح کرو۔

﴿۵۷﴾ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ ﴿۹۴﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲﴾ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا

يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۴﴾ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ
تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۵﴾ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي
اللَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۶﴾

اللہ کی تسبیح کرتی ہے وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ زبردست حکمت والا ہے آسمان و زمین کی حکومت اُسی کے لیے ہے۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے وہ اوّل ہے اور آخر ہے ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ اُس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا۔ وہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو زمین میں داخل ہے اور جو اس سے خارج ہے اور جو آسمان سے نازل ہوا یا جو آسمان کی طرف بلند ہوا اور جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اس کا دیکھنے والا ہے۔ آسمان و زمین کی حکومت اسی کے لیے ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام اُمور لوٹتے ہیں اور رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔ اور جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے وُہ سب کا جاننے والا ہے۔

ہر وہ چیز جو آسمان و زمین کے اندر پائی جاتی ہے وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ پتہ پتہ حیوان و انسان مگر ہم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔
آسمان و زمین پر اس کی حکومت ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس میں دخل دے سکے۔ وہ بچوں کو ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے اور زندہ کرنے کے بعد جسے چاہتا ہے مار دیتا ہے۔ اُسے ہر شے پر قدرت ہے کوئی اُس سے زیادہ قدرت والا نہیں۔
وہ اوّل ہے لیکن اس کی اولیت کے کوئی وقت معین نہیں کیا جا سکتا۔ وہ آخر ہے لیکن آخریت کے لیے بھی کوئی وقت نہیں بتایا جا سکتا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شے سے اوّل ہے اور فلاں شے سے آخر۔ وہ

قیودِ زمان و مکان سے مبرا ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہ ایسا ظاہر نہیں کہ کوئی اُسے دیکھ سکے اور ایسا باطن نہیں کہ کوئی اُسے معلوم کر سکے۔ نہ اس کی ذات کا تصور ہو سکتا ہے نہ صفات کا۔ کیونکہ وہ عین ذات ہیں۔ امیر المومنینؑ نے ایک خطبہ میں فرمایا ہے: لَا يُدْرِكُهُ بُعْدُ الْهِمَمِ وَلَا يَنَالُهُ غَوْصُ الْفِطَنِ یعنی ہمتیں کتنی ہی بلند ہوں اس کو نہیں پا سکتیں اور عقلیں کتنی ہی گہرائی میں جائیں اس کا پتہ نہیں لگا سکتیں۔ لہٰذا اس کی حقیقت کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا اپنے کو گمراہی میں ڈال دینا ہے۔
عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا یعنی مخلوقاتِ سماوی میں سب سے بڑی مخلوق عرش ہے وہ بھی اس کا بنایا ہوا ہے مگر وہ اس کے رہنے کی جگہ نہیں کیونکہ اس کے لیے نہ کوئی جگہ ہے نہ کوئی وقت۔ وہ اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے جو مادہ جو قوت زمین کے اندر پائی جاتی ہے وہ اُس سے واقف ہے اور جو باہر ہے اس سے بھی۔ تم کہیں بھی رہو، وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے اور ایسا موجود کہ رگِ گردن سے زیادہ قریب۔ مگر نہ وہ نظر آنے والی ذات ہے نہ کسی شے سے ادراک ہونے والی۔ وہ کبھی رات کو دن میں داخل کر کے رات کو لمبا کر دیتا ہے کبھی دن کو رات میں داخل کر کے دن کو لمبا بنا دیتا ہے۔ کوئی چیز اس کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتی اور نہ دن و رات کی یہ طاقت کہ اس کے حکم کے بغیر کم و بیش ہو سکیں۔

اٰمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۚ
فَالَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۷﴾ وَمَا لَكُمْ
لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ
أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ
عَبْدِهِ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ
اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۹﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ
مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۚ أُولٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً

مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾

ع ۱۷

ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ اللہ نے تمہیں اپنا نائب بنا کر دیا ہے اس میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور خدا کی راہ میں خرچ کیا ہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کو بُلا رہے ہیں کہ اللہ پر ایمان لاؤ، اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یہ باور کر لو کہ اللہ تم سے عہد لے چکا ہے جو اپنے بندہ پر اپنی روشن آیات اس لیے نازل کرتا ہے کہ تم کو تاریکی سے نکال کر نُور کی طرف لے جائے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان و رحیم ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔ اور آسمان و زمین کا مالک و وارث تو اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جو لوگ فتح مکّہ کے بعد خرچ کریں گے اور خیال کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح مکّہ سے قبل (راہِ خدا میں) خرچ کیا ہے اور جہاد کیا ہے ان کا درجہ بہت بلند ہے اور اللہ نے ثواب کا وعدہ سب سے کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

یہاں خلیفہ بنانے کے وہ معنی نہیں جو ہدایتِ خلق کے لیے نبی یا عالم کے نام سے بنائے جاتے ہیں۔ بلکہ تقسیمِ رزق میں ان کو خدا نے اپنا نائب بنایا ہے۔ یعنی اصل مالک تو ہر چیز کا خدا ہے ہر ایک کو رزق وہی دیتا ہے پس جو شخص اس کے غریب بندوں کو رزق پہنچائے گا وہ گویا اس کا نائب ہو گا۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ مال تو میرا ہے اور مالدار میرے وکیل ہیں اور محتاج میرے عیال ہیں۔ تو اگر میرا وکیل میرے عیال کو خرچ نہ دے گا تو میں اسے جہنّم میں داخل کروں گا۔

جب کوئی انسان اپنی جائز ضرورتوں سے زیادہ دولت کا مالک ہو تو خدا کے اس احسان کا شکریہ یوں کیوں نہیں کرتا کہ جو اس کے محتاج بندے ہیں ان کی ضرورتوں کو پورا کرے اور بارگاہ سے بہت بڑا اجر حاصل کرے۔

آیت نمبر ۶ میں جس میثاق کا ذکر ہے یہ وہی عہد ہے جو روزِ الست ہر شخص سے لیا جا چکا ہے۔ اس روز خدا نے ہر اس شخص سے جو کسی وقت بھی اس دُنیا میں آنے والا ہو گا یہ سوال کیا تھا الستُ بربکم۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ قالُوا بلٰی۔ تو ہر ایک نے یہی جواب دیا تھا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ تو اب تم اس سے پھر کیوں گئے۔ اور جب میرا رسول تم سے کہہ رہا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو تم ایمان کیوں نہیں لاتے کیا اس عہد کو بھول گئے۔ اس نے اپنے

رسول پر کیسی کیسی روشن نشانیاں نازل کیں۔ ان میں سے ایک قرآن جیسی کتاب بھی ہے۔ معجزات بھی ہیں۔ یہ سب اس لیے ہیں کہ تم کو کفر کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آئے اور جو گناہ تم سے سہواً سرزد ہو جائیں انہیں بخش دے پھر کیا وجہ کہ تم راہِ خدا میں خرچ کرنے سے جی چراتے ہو۔ جس خدا نے تمہیں اب دیا ہے وہ خرچ کے بعد اور زیادہ دے گا۔ آسمان و زمین میں جو کچھ دولت ہے وہ سب بلا شرکتِ غیرے خدا ہی کی تو ہے۔ وہ ہر وقت تم کو جتنا چاہے دے سکتا ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھو فتح مکّہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنا مال راہِ خدا میں دیا اور دشمنوں سے جہاد کیا اُن کا مرتبہ ایسے لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جنہوں نے بعد میں ایسا کیا۔ کیونکہ قبل از فتح مکہ ان کے پاس دولت کم تھی۔ اور طرح طرح کی سختیوں کا ان کو مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ فتح مکہ کے بعد تو تم ایک سلطنت کے مالک بن گئے تھے۔ تاہم ثواب دونوں گروہوں کے لیے ہے۔ تمہاری خدمات بھی اجر سے خالی نہیں رہ سکتیں۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾

ایسا کون ہے جو (خالص نیت سے) اللہ کو قرضِ حسنہ دے اور خدا اس کو کئی درجہ بڑھا دے۔ اور آخرت میں تو اس کے لیے اجرِ عظیم ہے ہی۔ اس دن تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کے ایمان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا اور ان کے داہنی طرف چل رہا ہوگا تو ان سے کہا جائیگا تم کو بشارت ہو کہ آج تمہارے لیے وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور ان میں ہمیشہ رہو گے اور یہ تمہارے لیے بڑی کامیابی ہے۔ اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گی ایک نظرِ شفقت) ہماری طرف بھی کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔ تو ان سے کہا جائے گا، پیچھے ہٹو کہیں اور نور کو تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اور اس کے اندر کی جانب تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب۔ منافقین مومنوں سے پکار کر کہیں گے کیوں بھائی کیا تم بھی ہمارے ساتھ نہ تھے۔ مومن کہیں گے، تھے تو مگر تم نے خود اپنے کو بلا میں ڈالا اور (ہمارے حق میں گردشوں کے) منتظر رہے اور (دین میں شک کرتے رہے) اور تمہاری تمناؤں نے تمہیں دھوکہ میں رکھا۔ یہاں تک کہ خدا کا حکم آ پہنچا اور ایک بڑے دغاباز (شیطان) نے خدا کے بارہ میں تم کو فریب دیا۔

مدینہ کے یہودی بڑے مالدار تھے۔ جب مسلمان مکہ پہنچے تو سخت پریشان حال پہنچے۔ یہودیوں سے قرضہ لینے پر مجبور ہوئے۔ انہوں نے بڑے بڑے سود پر قرضے دے کر اور سود در سود کی بلا میں پھنسا کر سخت مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ مدینہ میں انصار تھے وہ بھی مدت سے یہودیوں کے قرضدار بنے ہوئے تھے اور اس سود کے چکر میں اپنی کمائی کا بہت بڑا حصہ اُن کو دیتے رہتے تھے۔ ہندوستان میں جو حال بنیوں کا تھا وہی مدینہ میں یہودیوں کا تھا۔ آخر خدا نے اس مصیبت سے نجات دینے کی یہ صورت نکالی کہ مومنوں کو قرضِ حسنہ دینے کی طرف توجہ دلائی۔ یعنی ان میں جو لوگ مالدار تھے اُن سے کہا گیا کہ اپنے غریب بھائیوں کو اس نیت سے قرضہ دو کہ جب ان کے پاس ہوگا تو وہ رقم جوں کی توں بغیر کسی زیادتی کے انہیں لوٹا دیں گے اور اگر وہ کسی وقت بھی ادا کرنے کے قابل نہ ہوں گے تو خدا کی خوشنودی کے لیے انہیں معاف کر دیں گے۔ خدا نے مسلمان سے یہ وعدہ فرمایا کہ اس کے بدلہ میں وہ کئی گنا ان کو زیادہ دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کئی گنا اجر ملے گا۔ اور قرض لینے والوں کو تاکید کی گئی کہ جس وقت وہ رقم ان کے پاس ہو جائے فوراً بغیر کسی حیلے حوالے کے واپس کر دیں۔ اس طریقۂ کار سے مسلمان یہودیوں کے پنجۂ ظلم سے رہا ہو گئے۔

اب قیامت میں مومنوں اور منافقوں کا جو حال ہوگا اس کا ذکر بھی سن لیجئے۔

مومنوں کے جسموں پر ایسا نور ہوگا جو ان کے سامنے کے حصّہ کو بھی روشن کرتا ہوگا اور داہنی طرف کے حصّہ کو بھی جس کے جیسے اعمال ویسی ہی اس کی روشنی۔ جب عرصۂ محشر سے جنت کی طرف چلیں گے تو ان کا راستہ بالکل روشن

ہوگا۔ داہنی طرف صرف اس لیے کہا گیا کہ جب سامنے بھی روشنی ہوگی اور داہنی طرف بھی تو بایاں حصّہ خود بخود روشن رہے گا۔

اب رہے منافق تو عرصۂ محشر میں ان کے لیے تاریکی ہی تاریکی ہوگی۔ راستہ چلنا اُن کو دشوار ہوگا۔ وہ مومنوں سے کہیں گے بھائیو ذرا اپنا رُخ ہماری طرف کر لو تاکہ کچھ روشنی ہمیں بھی مل جائے۔ وہ جواب میں کہیں گے، پیچھے ہٹو کہیں اور سے تلاش کرو یہاں سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔ بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ دُنیا کی طرف پلٹ کر کیوں نہیں جاتے وہاں سے نور لے کر آؤ۔ یعنی دُنیا میں تم نے بے خبری میں بسر کی۔ اب یہاں تمہیں نور کہاں ملے گا۔ یونہی ٹاپک ٹوئیے مارتے پھرو۔

ان منافقوں، کافروں اور مشرکوں کے آگے ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی اور اس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر خدا کی رحمت ہوگی۔ جنت کی بہاریں ہوں گی اور باہر کی طرف عذابِ خدا ہوگا جو دوزخیوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہوگا بابِ جنت کے دربان ان دوزخیوں سے یہ مذاق کریں گے کہ دروازہ کھول دیں گے۔ جب یہ عذابِ خدا کے گرفتار دوڑتے ہوئے اس کی طرف جائیں گے تو وہ اُسے بند کر دیں گے اور یہ ناکام لوٹیں گے۔ کئی بار ایسا ہی ہوگا۔

باہر والے دوزخی، جنت والوں سے پکار کر کہیں گے، کیوں بھائیو کیا تم دنیا میں ہمارے ساتھ رہتے سہتے نہ تھے یہاں آ کر ایسے بے مروّت بن گئے۔ وہ کہیں گے ہاں ٹھیک ہے ضرور ایسا ہی تھا۔ لیکن تم نے اپنے پیروں میں آپ کلہاڑی ماری۔ بدکاریاں کرتے رہے اور خوش ہوتے رہے۔ آج کے دن کا خیال ہی تمہارے دل میں نہ آیا۔ تمہیں تو یہ فکر تھی کہ ہم ایمان والے کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں تو تمہارے گھروں میں گھی کے چراغ جلیں۔ تمہاری آرزوؤں نے تمہیں دھوکا دیا۔ شیطانی جال میں پھنسے رہے۔ اب اس کی سزا بھگتو۔ ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑮ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑯ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑰

آج نہ تو تم سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور

وہی تمہارے لیے مناسب جگہ ہے۔ اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ کیا ایمان داروں کے لیے اب تک اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد اور قرآن کے لیے جو خدا کی طرف سے نازل کیا ہُوا ہے ان کے دل نرم ہوں اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب (توریت و انجیل) دی گئی تھی تو ایک زمانہ دراز گزرنے پر ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہتیرے بدکار بن گئے اور یہ جان لو کہ خدا زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے ہم نے تم سے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دیں تاکہ تم سمجھو۔

قیامت کے روز کسی کے گناہ کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔ یہی حال کافروں کا ہوگا۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے وہی ان کے لیے سزاوار ہے۔ اور بعض نے مولیٰ کے معنی کارساز لیے ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے خدا کو اپنا کارساز نہیں سمجھا تھا آج دوزخ ان کی خبر لینے والا بنے گا۔ خدا کی طرف سے حق بات (قرآن) نازل ہونے کے بعد اہلِ ایمان کے لیے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ذکرِ خدا سے ان کے دل میں نرمی پیدا ہو اور وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ قرآن کے نزول کے بعد بھی اگر ایسا نہ ہُوا تو پھر کون سا وقت آئے گا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ ایمان والوں کو اُن لوگوں جیسا نہ بننا چاہیئے جن کو توریت و انجیل جیسی کتابیں دی گئیں تو کچھ مدّت بعد اُن کے دل سخت ہو گئے اور ان کے احکام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان میں سے اکثر بدکار بن کر رہ گئے۔ اے منکرو، افسوس کہ وہ لوگ تو مدّت دراز کے بعد بدکار اور منکرِ کتاب بنے تھے اور تمہارا حال یہ ہے کہ رسول تمہارے سامنے موجود ہیں اور تم احکامِ الٰہیہ سے منہ موڑے ہوئے ہو۔ اللہ جس طرح مردہ زمین میں جان ڈال دیتا ہے اگر تم بھی اس کی طرف رجوع کروگے تو تمہارے دلوں کو بھی نورِ ایمان سے منوّر کرے گا۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَأَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ⑱ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَآ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ

الْجَحِيمِ ⑲ ع

ع ۲ / ۱۸

صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جو قرضِ حسنہ دیتے ہیں ان سب کے لیے کئی گنا بدلہ ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے وہ اپنے رب کے نزدیک صدّیق و شہداء ہیں۔ ان کے لیے اجر ہے اور نور ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ جہنم والے ہیں۔

صدقہ دینے والوں اور قرضِ حسنہ دینے والوں کا پیشِ خدا بڑا رتبہ ہے۔ جتنا انہوں نے دیا ہے خدا ان کو اس سے کئی گنا زیادہ دے گا اور اس کے علاوہ آخرت میں ان کے اجرِ عظیم ہوگا۔

یہ لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لائے وہ صدّیق و شہداء ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ آیت ہر اس شخص سے متعلق ہے جو اللہ و رسول پر ایمان لایا ہو۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ تمام مسلمان صدیق و شہید ہیں۔ لیکن جب ایسا نہیں ہو سکتا تو ماننا پڑے گا کہ یہ ایمان لانے والے کچھ خاص لوگ ہیں جن کے ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے کبھی آنِ واحد کے لیے بھی نہ خدا کے بارے میں شک کیا نہ رسول کے بارہ میں۔ چنانچہ اسی بنا پر امام احمد حنبلؒ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اسی بنا پر آپؑ نے برسرِ منبر فرمایا۔ انا الصدیق الاکبر۔ علامہ سیوطی نے حضرت علیؑ کی مدح میں یہ روایت کی ہے کہ قیامت میں آپؑ ہی سب سے پہلے حضرت رسولِ خدا سے مصافحہ کریں گے۔ آپؑ ہی صدّیق اکبر اور اس اُمّت کے فاروق ہیں۔

اجر کے بعد نور کا بھی ذکر ہے جس سے معلوم ہُوا کہ روزِ حشر ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے نور حاصل کرے گا چونکہ حضرت علیؑ کا رتبہ تمام ایمان والوں سے زیادہ ہوگا لہٰذا آپؑ کا نور بھی سب سے زیادہ ہوگا۔

اِعْلَمُوٓا أَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِينَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ۖ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطٰمًا ۖ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوٰنٌ ۚ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا

مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰

یہ جان لو کہ زندگانی دنیا ایک کھیل تماشہ۔ زینت۔ ایک دوسرے پر فخر کرنا۔ مال و اولاد کی زیادتی پر اترانا ہے۔ اس کی مثال بادل کی سی ہے جس کی وجہ سے کسانوں کی کھیتی لہلہا کر انہیں خوش کر دیتی ہے پھر وہی سوکھ جاتی ہے پھر تو اس کو دیکھتا ہے کہ زرد ہو گئی ہے پھر چور چور ہو جاتی ہے اور آخرت میں کفّار کے لیے سخت عذاب ہے اور (مومنوں کے لیے) خدا کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیوی زندگی تو بس فریب کا ساز و سامان ہے۔

دنیاوی زندگی کی بہترین مثال دی گئی ہے۔ کھیل تماشہ۔ زیب و زینت۔ ایک دوسرے پر فخر۔ مال و اولاد پر اترانا انسانی زندگی کا پورا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ اس کو عیش و آرام کی زندگی کہا جاتا ہے۔ لیکن ہوتا کیا ہے کہ رفتہ رفتہ سب کارخانہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ کل کے بادشاہ آج کے فقیر کہلانے لگتے ہیں۔ اولاد مر گئی تو بے سہارا ہو بیٹھے۔ اور اگر سب کچھ ہو بھی تو جب موت نے آکر گلا دبایا تو سب چھوڑ چھاڑ کر خالی ہاتھ دنیا سے چل دیے۔ یہ ریاست۔ یہ حکومت یہ مال دولت سب دھوکا تھا۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۱ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۲۲ ۙ

تم اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف بڑھ جاؤ جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے جو ایسے لوگوں کے لیے مہیّا کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے۔ کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین میں یا

تمہارے نفس پر نازل نہ ہوئی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (لوح محفوظ) میں نہ لکھ دیا ہو اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔

(جب تم کو پتہ چل گیا کہ دنیا دار امتحان ہے) تو اب ایسے کام کرو کہ اللہ کی بخشش اور ایک لمبی چوڑی جنت کے حق دار بن جاؤ۔ اسلام کے ابتدائی دور میں جب مسلمانوں کو بے شمار اذیتوں کا سامنا تھا۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے ہماری کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہوا ہے۔ یہ بلائیں تم پر اس لیے نازل ہو رہی ہیں کہ تم مضبوط ایمان والے بن جاؤ۔ سونا اس لیے تپایا جاتا ہے کہ کندن بن جائے۔ یہ اچانک نہیں ہو رہا ہے بلکہ ہمارے یہاں سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ ان سب باتوں کا تم کو اجر ملے گا۔

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝۲۳ ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۴ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۲۵ ع

ع ۳
۱۹

(یہ اس لیے ہے) تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس پر رنج نہ کرو اور جو مل جائے اس پر اترایا نہ کرو۔ خدا کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں۔ اب اگر کوئی ان باتوں سے روگردانی کرتا ہے تو اللہ اس سے بے پرواہ اور صاحب حمد و ثنا ہے ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح اور روشن معجزے دے کر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھی

نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم ہی نے لوہے کو نازل کیا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے نفع ہے اور تاکہ خدا دیکھ لے کہ بے دیکھے بھالے خدا اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے بے شک اللہ قوی اور غالب ہے۔

مسلمانوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم کو کچھ نقصان پہنچ جائے تو اس کا رنج نہ کرو اور جو تمہارا فرض ہے اس کو انجام دیئے جاؤ اور اگر کہیں سے کچھ فائدہ حاصل ہو جائے تو اتراؤ مت۔ مالِ دُنیا تو آنے جانے والی چیز ہے اس کا غم کیا اور خوشی کیسی۔ ہاں اس بات پر جمے رہو تو تم کو اللہ آگے چل کر دوامی خوشی بخشنے والا ہے۔ منافقوں کا حال یہ ہے کہ وہ راہِ خدا میں دینے سے اس لیے بخل کرتے ہیں کہ غریب ہو جائیں گے یا اس لیے کہ ہم کیوں اپنی دولت دوسروں کی حاجت برآری کے لیے برباد کریں بلکہ وہ تو دوسروں کو بھی یہ سمجھاتے ہیں کہ راہِ خدا میں کیوں دیتے ہو۔ یہ کونسی دانائی ہے کہ خواہ مخواہ اپنی دولت لٹا بیٹھو۔ خدا فرماتا ہے نہیں دیتے نہ دیں مجھے کیا پرواہ ہے میں ان کے مال کا محتاج نہیں۔ دیتے تو ان ہی کو فائدہ ہوتا۔

اگلی آیت میں فرماتا ہے ہم نے اپنے پیغمبروں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف سے کام لیں۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ کوئی رسول اپنے ساتھ نہ کتاب لے کر آتا ہے نہ کوئی ترازو۔ لیکن آیت میں معہم کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں بطنِ مادر سے اس کے ساتھ آتی ہیں۔

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں کتاب سے مراد کتابِ تشریعی نہیں بلکہ کتاب وجودی ہے۔ ہر انسان کا وجود قدرت کی ایک کتاب ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

اتزعم انک جرمٌ صغیرٌ وفیک انطوی عالم اکبرٌ
وانت الکتاب العظیم الذی باحرفہٖ یظھر المضمرٌ

یعنی اے انسان کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو چھوٹا سا جثّہ ہے حالانکہ تیرے اندر ایک عالمِ اکبر لپٹا ہوا ہے اور تُو تو خدا کی وہ بڑی کتاب ہے جس کے ایک ایک حرف میں بڑے بڑے راز چھپے ہوتے ہیں۔ عام انسانوں کی اور انبیاء کی کتابِ وجودی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ان کے عام قوائے ظاہری و باطنی عام انسانوں سے جُدا ہوتے ہیں ان کے تمام اعمال سبق آموز ہوتے ہیں۔ وہ ہماری طرح کانوں سے غیبت نہیں سنتے۔ زبان سے جھوٹ نہیں بولتے۔ آنکھوں سے غلط چیز کو نہیں دیکھتے۔ نجس چیز کو نہیں چھوتے۔ بدبُو کو نہیں سونگھتے۔ ان کی تمام حرکات و سکنات باعثِ ہدایت ہیں۔ اب رہی میزان تو اس کی یہ صورت ہے کہ ہر شے کے تولنے کی ایک جداگانہ ترازو ہوتی ہے۔ جس ترازو سے غلّہ تولا جاتا ہے اس سے سونا چاندی نہیں تولتے۔ اور جس سے سونا چاندی تولتے ہیں اُس سے بال کا وزن نہیں کیا جاتا۔ جس سے بال تولتے ہیں اس سے بخار کا وزن نہیں تولا جاتا، اس کے لیے تھرمامیٹر ہوتا ہے۔ اگر شعر کا وزن تولنا ہوتا ہے تو اس کے اوزان فاعلوا فاعلن وغیرہ ہوتے ہیں۔ لیکن اگر سخاوت کو تولنا ہے تو اب شخصیت بیچ میں آئے گی۔ مثلاً کہیں گے کہ فلاں شخص حاتم جیسا سخی ہے۔

شجاعت میں رستم جیسا ہے۔ عدل میں نوشیرواں جیسا ہے۔ پس معلوم ہوا، انبیاءؑ کا وجود ان کی امت کے لیے میزانِ اعتدال ہوتا ہے۔ اس میزان سے امت کے اعمال کی جانچ ہوگی۔ جس قدر کسی کے اعمال پیغمبر کے اعمال سے ملتے جلتے ہوں گے ویسے ہی اس کا درجہ ہوگا۔ ہمارے رسولؐ نے اپنی امت کے لیے حضرت علیؑ کو میزانِ عمل بنایا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے یَا عَلِیُّ اَنْتَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ وَمِیْزَانُ الْاَعْمَالِ۔ (اے علیؑ تم صراطِ مستقیم اور میزانِ اعمال ہو)۔

ایک مفسّر نے لکھا ہے کہ رسول تین طریقہ سے ہدایت کرتا ہے۔ اوّل معجزات سے دوسرے کتابِ خدا سے تیسرے اپنے عمل سے۔ جو حدِ اعتدال سے بال برابر تجاوز نہیں کرتے۔ لیکن زیرِ بحث آیت میں معھم ہے۔ یعنی میزان و کتاب رسول کے ساتھ آتی ہیں۔ موسٰیؑ ہوں یا عیسٰیؑ یا ہمارے رسولؐ۔ ان کے پاس عمر کا ایک حصّہ گزرنے کے بعد کتاب آئی ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس کتاب سے مراد کتابِ شریعتی نہیں بلکہ کتابِ وجودی ہے جو اپنے مقام پر ایک واضح اور روشن آیتِ الٰہی ہے۔ اس لیے ان کا ہر قول و فعل حُجّت ہے۔ ان کے اس وجود میں میزان داخل ہے۔ جیسا کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا، مجھے سورۂ ھود نے بوڑھا کر دیا لوگوں نے پوچھا یہ کیسے فرمایا، اس میں حکم فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ (سیدھے کھڑے رہو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے)۔ یعنی اپنے کسی عمل میں صراطِ مستقیم بال برابر کسی طرف نہ جھکو۔ اعتدالی شان ہر صورت میں باقی رہے۔ اس کا نام میزان ہے۔ کوئی شے اس وقت پوری تلتی ہے جب ترازو کے دونوں پلّے برابر ہو جائیں۔

پس جب امتِ رسول میدانِ حشر میں آئے گی اور اس کے اعمال کی جانچ ہوگی تو اعمالِ علیؑ کو سامنے رکھا جائے گا پس ان کی عدالت ان کی شجاعت ان کی سخاوت ان کی عبادت وغیرہ سے کس کی عبادت کس حد تک ملتی ہے۔ وہ اعمال کے تولنے کے لیے کوئی ایسی ترازو نہیں ہوگی جیسی دنیا میں ہماری ترازوئیں ہوتی ہیں۔ دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں ہر شخص کے پیشِ نظر ایک نمونۂ عمل ہوتا ہے ورنہ وہ بے پیرا کہلاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی ایسی نماز نہیں پڑھتا جیسی رسولؐ پڑھتے تھے یا ایسا نہیں کرتا جیسا رسولؐ کرتے تھے تو نہ وہ نماز مقبول ہوگی نہ وہ حج۔ بعض صورتوں میں انبیاءؑ کے لیے بھی نمونۂ عمل پیش کیا جاتا ہے۔ جیسے حضورؐ سے فرمایا گیا ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (اے رسول ایسا کرو جیسے اولوالعزم رسول کیا کرتے تھے۔ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ [۴۶/۳۵ احقاف، ۳۴/۴۶ سبا] (یونس جیسے نہ بنو)۔ یہی وجہ ہے کہ رسولؐ نے قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیتؑ کو کیا کہ احکامِ قرآنی کے ساتھ ساتھ نمونۂ عمل بھی رہے ورنہ عمل سے غلطی اجر سے محروم بنا دے گی۔ قرآن سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے عمل نہیں۔ عمل حاصل کرنے کے لیے اہلبیتِ رسولؐ ہیں۔ معصوم ہونے کی بنا پر جن کے عمل میں غلطی کا امکان نہیں۔

آیت کے آخر میں لوہے کے نازل کرنے کا ذکر ہے۔ مفسرین نے کانوں کے اندر سے نکلنے والا لوہا مراد لیا ہے۔ لیکن آیت میں نازل کرنا مراد ہے۔ شیعہ مفسرین نے وہ تلوار مراد لی ہے جو آسمان سے رسولؐ پر نازل ہوئی جس کا نام ذوالفقار ہے اور جو رسولؐ نے علیؑ کو عطا کی تھی۔ اس کے متعلق روزِ احد جبرئیلؑ نے ندا کی تھی لا فتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار اس کی دھاک نے یاس شدید یعنی سخت خوف و ہراس کفار کے دل میں پیدا کیا تھا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۚ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۖ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٧﴾

ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوّت اور کتاب کو قرار دیا۔ پس اس اولاد میں کچھ لوگ تو ہدایت یافتہ تھے اور اکثر ان میں فاسق تھے۔ پھر ان کے پیچھے پیچھے قدم بقدم اور رسولوں کو بھیجا اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل عطا کی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں مہربانی اور رحم کو ڈال دیا اور انہوں نے لذّاتِ دُنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔ ان لوگوں نے ایک نئی بات اپنے دل سے نکال لی۔ ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (خود ایجاد کیا) تو اسے جیسا چاہیئے نبھانا نہ نبھا سکے۔ تو جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ہم نے ان کو اجر دیا۔ ان میں سے بہتیرے تو بدکار ہی ہیں۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ کتاب اور نبوّت اولادِ انبیاء سے مخصوص ہیں۔ اور ان میں سے بھی صرف انہی لوگوں سے جو ہدایت یافتہ ہوں۔ یعنی ہدایتِ خلق کا کام مخصوص کیا گیا تو اولادِ انبیاءؑ میں سے صرف ہدایت یافتہ لوگوں سے۔ اور ہدایت یافتہ سے مراد صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے آنِ واحد کے لیے بھی کفر اختیار نہ کیا ہو اور نہ کسی بُت کے سامنے سجدہ کیا ہو۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ تابعین عیسیٰ علیہ السلام نے بغیر خدا کے حکم کے ایک طریقہ خود ایجاد کر لیا۔ جس کا نام رہبانیت یا ترکِ لذّات ہے۔ لیکن اس طریقہ کو وہ بطریق احسن انجام نہ دے سکے۔ یعنی دُنیا والوں سے قطع تعلق کر کے بیک بینی و دوگوش صحرائی خانقاہوں میں جا بیٹھے اور لوگوں کو اس فائدہ سے محروم کر دیا جو اُن کی ذات سے دوسروں کو پہنچ سکتا تھا۔ لہٰذا اس کا کوئی اجر ان کو نہ ملے گا۔ خدا نے اہلِ ایمان کے لیے اس کی بجائے زہد کو قرار دیا۔ یعنی دنیا میں رہ کر خرافاتِ دنیا سے اپنے کو محفوظ رکھیں اور اہلِ حاجت کی ضرورتوں کو اپنے نفس پر ترجیح دیں۔ دین کے ساتھ ساتھ دنیا کے کام بھی انجام دیتے رہیں۔ جو دُنیا سے الگ تھلگ ہو کر پہاڑوں کی کھوہ میں جا بیٹھا۔ اس کا عبادت کرنا باعثِ اجر کیسے ہو سکتا ہے جبکہ عبادت میں کوئی رکاوٹ ہی نہیں عبادت نہ کرے تو اب کیا کرے۔ دنیا کشتِ آخرت ہے۔ اس سے آخرت کے لیے سامانِ نجات فراہم کیا جاتا ہے۔ جب کھیتی ہی اُجاڑ دی تو اب اس سے فصل کا انتظار دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾ لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو خدا تم کو اپنی رحمت سے دُہرا حصہ عطا فرمائے گا اور ایسا نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تم کو بخش بھی دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے (یہ اس لیے کہا جاتا ہے) تاکہ اہلِ کتاب یہ نہ سمجھیں کہ یہ مومنین خدا کے فضل و کرم پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے اور یہ تو یقینی بات ہے کہ فضل خدا ہی کے قبضہ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اللہ تو صاحبِ فضل عظیم ہے۔

دوہرے نور سے یہ مراد ہے کہ دنیا میں بھی بصیرت سے کام لوگے اور آخرت میں بھی اپنے نور کی روشنی میں چلو گے۔

***

(۵۸) سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③

اے رسول جو عورت تم سے اپنے شوہر کے بارہ میں جھگڑتی اور خدا سے شکایت کرتی ہے تو خدا نے اس کی بات سُن لی اور خدا تم دونوں کی گفتگو سُن رہا ہے۔ بے شک خدا بڑا سننے والا دیکھنے والا ہے جو لوگ اپنی بی بیوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں (اپنی بی بی کو ماں کہتے ہیں) وہ کچھ اُن کی مائیں نہیں ہو جاتیں۔ اُن کی مائیں تو بس وہی ہیں جو اُن کو جنتی ہیں۔ وہ بے شک ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور خدا بے شک معاف کرنے والا اور بڑا بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بی بیوں سے ظہار کر بیٹھیں پھر اپنی بات واپس لیں تو دونوں ہم بستر ہونے سے پہلے (کفّارہ میں) ایک غلام آزاد کریں اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اس سے خبردار ہے۔

مجادلہ کے معنی جھگڑا کرنے کے ہیں۔ یہ آیات مسئلہ ظہار کے متعلق ہیں۔ ظہار کی صورت یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں مرد اگر اپنی بی بی سے ناخوش ہو کر یہ کہہ دیتا تھا کہ تیری پیٹھ میری ماں کی سی پیٹھ ہے تو جاہلیت کے قواعد کی رُو سے وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی مسلمانوں میں یہ رسم جاری رہی۔ ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ خولہ زوجہ ثعلبہ نماز پڑھ رہی تھی۔ اُس کا شوہر ثعلبہ اُسے دیکھ کر دوسری دھن میں ہُوا۔ اُس نے کسی وجہ سے انکار کیا تو اُس نے غصّہ میں آکر جھٹ سے یہ کہہ دیا کہ تیری پیٹھ میری ماں کی سی ہے۔ یہ سُن کر خولہ بہت پریشان ہوئی بھاگی ہوئی حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرتؐ نے اس کا حال سُن کر فرمایا، رسم جاہلیت کی بنا پر تم دونوں ایک دوسرے پر حرام ہو گئے۔ وہ فریاد کرنے لگی کہ میں بڑھیا ہوں کئی بچّوں کی ماں ہوں۔ میں شوہر سے جُدا ہو کر کیونکر پرورش کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں حکم خدا کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اُس نے رو رو کر خدا سے فریاد کی۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ ایک جاہلانہ رسم تھی کہ کسی نے ظہار کیا تو بی بی اس پر حرام ہو گئی۔ پھر اسلام نے اس کو جائز کیوں کہا بات یہ ہے کہ وہ جاہل بدو جو ایام جاہلیت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے اگر ان کی تمام رسوم کو یک لخت منسوخ کر دیا جاتا تو وہ ضرور بدک جاتے اور کچھ بعید نہ تھا کہ اپنے قدیم مذہب کی طرف عود کر جاتے۔ مسئلہ ظہار کے متعلق جن لوگوں کو تفصیل درکار ہو وہ فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرماویں۔

مسلمان اس عورت (خولہؓ) کی اس بنا پر بڑی عزّت کرتے تھے کہ اس کی بات خدا نے سُن لی اور اس کی شکایت کو دُور فرمایا۔

کفارہ ظہار کا نہیں بلکہ شوہر کے عود کرنے کا ہے کہ اس نے ایک لغو بات کر کے عورت کو اذیت دی۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾

جو شخص غلام آزاد نہ کر سکے وہ متواتر دو مہینے روزے رکھے اس عورت کے پاس جانے سے پہلے اور جو یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے (یہ حکم اس لیے ہے) تاکہ تم خدا اور اس کے رسول کی پوری تصدیق کرو۔ یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور انکار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۚ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۶﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷﴾

ع

جو لوگ خدا اور رسول کے حکم کی مخالفت کریں گے وہ اس طرح ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے ذلیل کیے گئے تھے۔ ہم نے روشن آیتیں نازل کی ہیں اور انکار کرنے والوں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ جس دن خدا ان سب کو اُٹھائے گا تو جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا اس سے آگاہ کر دے گا۔ اگرچہ وہ خدا کو بھُول گئے ہیں مگر خدا نے ان کو یاد رکھا ہے اور اللہ تو ہر شے پر گواہ ہے کیا تم نے غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے اللہ وہ سب جانتا ہے۔ جہاں تین آدمی باتیں کرتے ہیں وہ اُن کا چوتھا ہوتا ہے اور جب پانچ باتیں کرتے ہیں وہ اُن کا چھٹا ہوتا ہے۔ چاہے اس سے کم ہوں یا زیادہ اور چاہے جہاں کہیں ہوں وہ اُن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے اور جو کچھ وہ دُنیا میں کرتے رہے ہیں قیامت کے دن اس سے آگاہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

ساتھ ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ ان کے ساتھ کہیں چھُپا بیٹھا رہتا ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جہاں کہیں دو چار

آدمی یا کم و بیش مل کر مشورہ کرتے ہیں وہ سب اس کے علم میں ہوتا ہے تاکہ منافق یہ نہ سمجھیں کہ جو کچھ مشورہ وہ چپکے چپکے کرتے ہیں خدا ان سے ناواقف ہے۔ روزِ قیامت وہ ان سب باتوں سے آگاہ کرے گا۔

تفسیر صافی اور کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت فلاں فلاں اور ابو عبیدہ جراح اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سالم غلام ابو حذیفہ اور مغیرہ بن شعبہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جبکہ ان لوگوں نے مشورہ کر کے ایک نوشتہ لکھا تھا اور باہمی عہد کیا تھا کہ اگر محمد رسول اللہ کا وصال ہو گیا تو ہم خلافت و نبوت کو بنی ہاشم میں ہرگز جمع نہ ہونے دیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (۹) اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْــــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۰)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ پھر بھی جس کام کی ممانعت کی گئی تھی اسی کو کرتے ہیں۔ اور لطف تو یہ ہے کہ گناہ اور (بے جا) زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی

سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو جن لفظوں سے خدا نے تمہیں سلام نہیں کیا، ان لفظوں سے سلام کرتے ہیں اور اپنے جی میں کہتے ہیں (اگر یہ واقعی پیغمبر ہیں تو) جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا۔ اے رسول، ان کو دوزخ ہی کی سزا کافی ہے جس میں یہ داخل ہوں گے اور وہ تو بُری جگہ ہے۔ اے ایمان دارو جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو۔ بلکہ نکوکاری اور پرہیزگاری کی سرگوشی کرو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو جس کے سامنے ایک روز پیش کیے جاؤ گے۔ سرگوشی شیطانی کام ہے اور اس لیے کرتے ہیں تاکہ ایمانداروں کو اس سے رنج پہنچے۔ حالانکہ اللہ کی طرف سے آزادی دیئے بغیر سرگوشی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور مومنین کو خدا پر بھروسا رکھنا چاہیئے۔

منافقین کی یہ عادت تھی کہ جب جہاد کو جاتے تو باہم سرگوشیاں کرتے جس سے مومنین یہ سمجھتے کہ شاید مجاہدوں پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ اس کے متعلق یہ لوگ چپکے چپکے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ اس سے ان کو رنج پہنچتا اور رسول سے شکایت کرتے۔ حضورؐ نے ان منافقوں کو بار بار اس سے روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ اس سرگوشی میں وہ جہاد سے فرار کرتے۔ مجاہدوں کو اذیت پہنچاتے اور رسولؐ کی بُرائیاں کی جاتیں۔

یہودیوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا تھا کہ جب حضورؐ کی خدمت میں آتے تو السلام علیکم کی بجائے دبی زبان سے السام علیکم کہتے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ تم پر موت آئے۔ حضورؐ اس کے جواب میں صرف علیکم فرماتے یعنی تم پر آئے۔

اگر سرگوشی امورِ نیک کے متعلق کی جائے یا کوئی ایسا امر ہو کہ بالاعیان کہنے میں مومنین کو نقصان پہنچ جائے گا تو اس سرگوشی کی اجازت ہے لیکن اگر مبنی بر شرارت ہو تو عمل شیطان ہے اور داخلِ معصیت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (۱۱)

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کشادہ کردو تو کر دیا کرو۔ خدا تم کو کشادگی عطا کرے گا اور جب کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو۔ خدا ان لوگوں کے درجے بلند کرے گا۔ جو تم میں سے ایماندار ہیں جن کو علم عطا ہوا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

اصحاب رسولؐ کی یہ عادت تھی کہ جب حضورؐ کے پاس آتے تو آپؐ کے گرد گھس کر بیٹھتے کہ کسی دوسرے کو جگہ نہ دیتے ایک دن جمعہ کے روز مسجد میں اصحاب جمع تھے۔ حضرتؐ مسجد کے در میں تشریف فرما تھے کہ بعد میں کچھ لوگ آئے اور سلام کیا۔ حضرتؐ نے جواب دیا مگر اصحاب نے ان کو بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ حضرتؐ کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی اور ان کو جگہ دینے کا حکم دیا۔ بعض کو ناگوار ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسری خراب عادت یہ تھی کہ حضرتؐ کی خدمت میں بیٹھتے تو اُٹھنے کا نام نہ لیتے۔ غپ شپ کیے ہی چلے جاتے۔ یہ بات بھی حضرتؐ کو ناگوار ہوتی تھی۔ آخر اس سے بھی روکا گیا۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو فلکِ ہدایت کے ستارے کہلاتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اے ایمان والو، جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی (کانا پھوسی) سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ بات ہے۔ لیکن اگر تم اتنا بھی نہ کر سکو تو اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے مسلمانو، کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ رسول سے سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا

کرو۔ اگر تم میں اتنی سکت بھی نہیں تو اللہ تمہاری توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

اصحاب رسولؐ کی یہ عادت تھی کہ بار بار حضرتؐ سے تخلیہ چاہتے تھے۔ اس سے اوّل تو حضرتؐ کو تکلیف پہنچتی تھی۔ دوسرے بااثر حضرات غریب لوگوں کو پاس آنے اور گفتگو کرنے کا موقع ہی نہ دیتے تھے۔ ہر روز یہی سلسلہ رہتا تھا۔ آخر یہ آیت نازل ہوئی کہ تخلیہ سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو۔ کوئی بڑی بات تو نہ تھی مگر دیتا کون۔ بادل چھٹ گئے اور مطلع صاف ہو گیا۔ مقصد اس صدقہ دلوانے سے یہ تھا کہ جن غریبوں کو حضورؐ سے بات چیت کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اور وہ دل شکستہ ہو کر واپس جاتے ہیں کم سے کم اُن کو مالی فائدہ تو پہنچ جائے گا۔

ان تمام عاشقانِ رسولؐ میں صرف حضرت علیؑ ایسے رہ گئے جنہوں نے دس روز بار بار صدقہ دے کر حضورؐ سے خلوت کی اور اسرارِ ربانی کی تعلیم حاصل کی۔ کبھی چھپ کر صدقہ دیا کبھی بظاہر۔ کبھی رات کو دیا کبھی دن میں۔ دس روز جب سوائے حضرت علیؑ کے اور کوئی صاحب خلوت کے خواستگار ہی نہ ہوئے تو یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک ایسی آیت بھی ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل ہی نہیں کیا۔ اور وہ آیہ نجویٰ ہے۔ بھلا بتائیے اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو یہ آیت بغیر تعمیلِ حکم یوں ہی واپس جاتی۔ یہ آیت کی کتنی توہین تھی۔ علیؑ نے اس آیت کو توہین سے بچا لیا۔

علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف جلد ۳ میں امیرالمومنینؑ کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اصحابِ کرام کے ایمان کا کونسا درجہ سمجھا جائے کہ چند درم صدقہ دینا گوارا نہ کیا۔ سب ایسے محتاج تو نہ تھے کہ دس روز تک چند پیسے دینے کے قابل نہ ہو سکے۔ بلکہ بات یہ تھی کہ جو غریب روزمرہ آ کر ان کے تخلیہ میں مخل ہونا چاہتے تھے ان پر غصہ تھا پھر ان کو فائدہ کیوں پہنچاتے۔ علیؑ اور اصحاب میں جہاں اور بہت سے فرق ہیں ایک یہ بھی ہے۔

اس کے بعد کسی کو اب یہ دعویٰ کرنے کا حق نہ رہا کہ کل قرآن پر اس کا عمل ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

تم لوگوں نے اُن کے حال پر بھی غور کیا جو ایسے لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جن پر اللہ نے اپنا غضب

نازل کیا ہے وہ نہ تو تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے۔ وہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے شدید عذاب مہیّا کر رکھا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں بُرا کر رہے ہیں۔

یہودیوں میں عبداللہ بن نبیل جیسے لوگوں نے منافقوں کو اپنا یار بنا رکھا تھا۔ وہ منافقوں سے دل کھول کر مسلمانوں کی بُرائیاں بیان کرتے تھے۔ منافق تو منافق ہی تھے۔ وہ بظاہر تو مسلمانوں سے ملے رہتے تھے لیکن ان کی بُرائیاں سُن کر دل ہی دل میں خوش ہوتے۔ جب اُن کو روکا ٹوکا جاتا تو قسمیں کھا کھا کر کہتے ہم تو ایسا نہیں کرتے۔ لیکن ان کے ایسا کہنے سے ان کا نفاق چھُپ تو نہ سکتا تھا ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم — نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

عہدِ رسولؐ میں تو ایسے بہت سے لوگ تھے۔ چنانچہ ایک پورا سورہ منافقون ان ہی کے متعلق نازل ہوا لیکن رسولؐ کے دُنیا سے روپوش ہوتے ہی خدا جانے ان کو آسمان نے اٹھا لیا یا زمین نگل گئی یا سب مومن بن گئے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

ان منافقوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو اپنی سپر بنا رکھا ہے۔ لوگوں کو راہِ خدا پر چلنے سے روکتے ہیں ان کے لیے نہایت رسواکن عذاب ہے۔ خدا کے سامنے تو ان کے مال کچھ کام آئیں نہ ان کی اولاد۔ یہ تو کھُلے دوزخی ہیں۔ اس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ جس دن (قیامت میں) خدا سب کو اٹھا کھڑا کرے گا تو یہ لوگ اسی طرح اُس کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ وہ راہِ صواب پر ہیں۔ آگاہ ہو کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

منافقوں کی جھوٹی قسمیں

یہ ایسے مکار لوگ ہیں کہ مسلمانوں کی بُرائیاں کر کے پھر قسمیں کھاتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ بالکل سچ ہے پھر جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں ان کو بہکاتے ہیں اور جو مسلمان ہونا چاہتے ہیں ان کو روکتے ہیں کہ اس دین میں آکر کیوں اپنی زندگی تباہ کرتے ہو۔ چونکہ یہ لوگ مالداروں میں سے ہیں اور زیادہ اولاد کی وجہ سے جتھے والے بن گئے ہیں۔ اس لیے لوگ ان کے دامِ فریب میں پھنس جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو کچھ دے دلا کر روکتے ہیں اور کچھ کو ڈرا دھمکا کر۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ بالکل صحیح ہے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَاۗدُّوْنَ مَنْ حَاۗدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ اَوْ اَبْنَاۗءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

شیطان ان پر غالب آگیا ہے اُس نے ان کو خدا بھُلا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطانی گروہ ہیں بیشک شیطانی گروہ گھاٹا پانے والوں میں ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل لوگ ہیں۔ اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ بے شک اللہ

۳۶۴

قوی و عزیز ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں ان کو ایسے لوگوں کا دوست نہ پاؤ گے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں چاہے وہ ان کے باپ دادا، بیٹے پوتے، بھائی اور باہم قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے نور کو ثابت کر دیا ہے اور اپنے نور سے ان کی تائید کی ہے اور ان کو داخل کرے گا ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ اللہ کا گروہ ہے۔ بے شک اللہ کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہوا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتے ہیں ان کو ایسے لوگوں سے ہرگز محبت نہ کرنی چاہیئے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے مخالف ہوں۔ کیونکہ نور اور تاریکی، عداوت و محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ مخالفین خدا و رسولؐ چاہے کتنے ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں اُن سے رشتۂ محبت کو قطع کر لینا چاہیئے ورنہ اُن کا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا۔ اللہ اور رسولؐ کی محبت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی محبت نہیں۔ جو لوگ اللہ و رسولؐ کے مخالف ہیں ان پر شیطان نے پُورا پُورا غلبہ حاصل کر لیا ہے۔

جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تھے اپنے بہت سے عزیز جو مشرک و کافر تھے مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ جب بدر و اُحد کے معرکوں میں وہ عزیز مسلمانوں سے لڑنے آئے تو مسلمانوں نے ذرا اس کی پرواہ نہیں کی کہ وہ ان کے قریبی عزیز ہیں، بیدریغ ان کو قتل کیا، قید کیا اور کسی نرمی کو ان کے ساتھ روا نہ رکھا۔ یہ اس روحانی اور ایمانی قوت کا زور تھا جو اللہ نے ان کو عطا کیا تھا۔ بعض کافروں نے جبکہ وہ اپنے مسلمان عزیز کی تلوار کے نیچے آ چکے تھے اپنی رشتہ داری کا واسطہ دے کر قتل ہونے سے بچنا چاہا تو مسلمان مجاہدوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ مومن و کافر میں کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔

آنحضرتؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب جنگِ بدر کے بعد جب قید ہو کر آئے تو انہوں نے حضورؐ سے کہا میں تو مسلمان ہوں مجھے کیوں قید کیا گیا ہے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا، دل کا حال تو اللہ جانتا ہے اس وقت تو تم کافروں کے گروہ میں شامل ہو کر ہم سے لڑنے آئے تھے۔ اس صورت میں میں کوئی رعایت آپ کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ جب ان سے فدیہ طلب کیا گیا تب انہوں نے اپنی ناداری کا عذر کیا حضورؐ نے فرمایا کافروں کے شریکِ حال ہو کر آنا اس کی دلیل ہے کہ تم کو بجائے مسلمانوں کے کافروں سے ہمدردی تھی لہٰذا فدیہ معاف نہیں ہو سکتا۔ اس مال سے ادا کرو جو تم مکہ سے چلتے وقت اپنی بی بی ام الفضل کو دے کر آئے تھے۔ انہوں نے تعجب سے کہا، آپ کو اس کا پتہ کیسے چلا۔ میں نے تو یہ رقم ایسے وقت اپنی بی بی کو دی تھی جب میرے گھر میں اور کوئی نہ تھا۔ فرمایا مجھے اطلاع دی ہے اللہ نے جو علیم و خبیر ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ نے اجازت نہیں دی کہ مخالفینِ خدا و رسولؐ کے ساتھ کوئی رعایت کی جائے چاہے کوئی کتنا ہی قریبی رشتہ دار ہو۔

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

ہر وہ چیز جو آسمان و زمین کے اندر ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ وہ غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔ وہ وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب (بنی نضیر) کو اوّل حشر (جلائے وطن) میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ تمہیں یہ وہم و خیال بھی نہ تھا کہ یہ نکال دیئے جائیں گے اور وہ بھی یقین کیے ہوئے تھے کہ ان کے مستحکم قلعے ان کو عذابِ خدا سے بچا لیں گے۔ مگر جدھر سے انہیں گمان بھی نہ تھا خدا نے اُن کو آ لیا اور اُن کے دلوں میں (مسلمانوں کا) ایسا رعب ڈالا۔ کہ وہ خود اپنے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنے گھر اجاڑنے لگے۔ پس اے آنکھوں والو، (اس واقعہ سے) عبرت حاصل کرو۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ بنی عامر اور بنی نضیر یہودیوں کے دو قبیلے تھے۔ مدینہ سے کچھ فاصلے پہ رہتے تھے۔ عمر بن ضمیری نے عامر کے دو آدمیوں کو مار ڈالا۔ اور چونکہ یہ دونوں قبیلے آپؐ کے امتی تھے اس وجہ سے

آپؐ چند اصحاب کے ساتھ دونوں کا خون بہا دلوانے کی غرض سے بنی نضیر کے پاس آئے اور ان سے مدد چاہی۔ انہوں نے بظاہر تو اطمینان دلایا لیکن خفیہ طور پر یہ مشورہ کیا کہ جس دیوار کے نیچے آپؐ بیٹھے تھے اس کے اوپر سے ایک بڑا پتھر آپؐ پر گرا کر آپؐ کا کام تمام کردیں۔ بالہام غیبی آپؐ کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ آپؐ وہاں سے اُٹھ کر مدینہ آگئے اور اصحاب نے وہیں قیام کیا تاکہ اُن کی شرارت کھُل جائے۔ کچھ دیر بعد وہ بھی مدینہ آگئے۔ آپؐ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ بنی نضیر کے کعب بن اشرف کا سر کاٹ لائیں۔ یہ چند آدمیوں کے ساتھ گئے اور کامیاب آئے۔

اس کے بعد آپؐ نے ان سے کہلا بھیجا کہ اب تمہاری مکاری ظاہر ہوگئی لہٰذا تم ہماری حکومت سے نکل جاؤ یا لڑنے پر تیار ہو جاؤ اور دس روز کی مہلت دی گئی۔ ادھر ابن اُبی نے اُن کا دل بڑھایا اور دو ہزار کی کمک کا وعدہ کیا۔ وہ لڑنے پر تیار ہوئے مگر جب مسلمانوں کا حملہ ہوا تو اپنے قلعہ میں محصور ہو گئے۔ جب کوئی صورت کامیابی کی نظر نہ آئی تو جلاوطنی پر آمادہ ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا، اس شرط پر کہ اپنے ہتھیار یہیں چھوڑ دو اور جس قدر مال و دولت لے جاسکو لے جاؤ۔ غرض وہ لوگ جلاوطن ہو کر شام کے مقام اُریحا اور روزعاہ میں جاکر آباد ہوئے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بنی نضیر جو یہودی تھے مدینہ سے باہر عرصۂ دراز سے رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے مستحکم قلعے بنالیے تھے اور ان کی تعداد بھی خاصی تھی۔ اسلامی حکومت سے ان کا معاہدہ تھا۔ اگرچہ بظاہر انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی لیکن حضرتؐ کے قتل کی سازش کا سب سے بڑا الزام ان پر عاید تھا جس کا وہ انکار نہ کرسکے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ باوجود ایک طاقتور جماعت ہونے کے چند روز میں وہ جلاوطنی پر مجبور ہوجائیں گے۔ لیکن مسلمانوں کا کچھ ایسا رعب ان پر چھایا کہ اپنے مقام پر ٹھہرے رہنا اُن کے لیے ناممکن ہوگیا۔

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤ وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ

وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥

اگر خدا نے ان کی قسمت میں جلاوطنی کو نہ لکھا ہوتا تو ان پر دُنیا میں (دوسری طرح) عذاب کرتا۔ اور آخرت میں تو ان پر جہنم کا عذاب ہے ہی۔ کیونکہ ان لوگوں نے خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جس نے خدا کی مخالفت کی تو خدا (اس کو) بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔ (مومنو) تم نے جو کھجور کا درخت کاٹ ڈالا یا جوں کا توں اس کی جڑوں پر قائم رہنے دیا تو خدا ہی کے حکم سے تھا اور مطلب یہ تھا کہ نافرمانوں کو رسوا کرے تو جو مال خدا نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے بے لڑے دلوا دیا اس میں تمہارا حق نہیں کیونکہ تم نے اس کے لیے کچھ دوڑ دھوپ تو کی نہیں نہ گھوڑوں سے اور نہ اونٹوں سے اور خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے غلبہ عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔

یعنی بنی نضیر جلاوطن نہ ہوتے تو خدا ان پر دُوسرے طریقہ سے عذاب نازل کرتا۔ غرض یہ ہے کہ وہ عذاب سے بچ نہ سکتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے خدا اور اُس کے رسولؐ سے دشمنی مول لی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ جو خدا کا مخالف ہوگا اس کے لیے سخت عذاب ضرور ہوگا۔

جب لشکرِ اسلام بنی نضیر سے لڑنے کے لیے گیا تو وہاں کھجوروں کے بہت درخت تھے۔ ایسے ملے جُلے کہ قلعہ کے محاصرہ میں ان سے رکاوٹ پیدا ہوتی تھی لہٰذا ان کو کاٹ ڈالا اور جن سے کوئی رکاوٹ نہ تھی اُسے چھوڑ دیا اس پر یہودیوں نے بہت غُل مچایا اور کہا کہ محمدؐ دوسروں کو تو فساد فی الارض سے روکتے ہیں اور خود ایسا کرتے ہیں۔ درختوں کو کاٹنا فساد فی الارض نہیں تو اور کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ فساد فی الارض نہیں بلکہ جنگی ضرورت کا پورا کرنا ہے۔ فساد فی الارض یہ ہے کہ بلا وجہ کسی پر چڑھ دوڑیں اور بستیوں کو تباہ و برباد کردیں۔ کھیتیاں اُجاڑ دیں۔ باغوں کو کاٹ ڈالیں۔

جب بنی نضیر جلاوطن ہوئے تھے تو اپنے قلعہ میں پچاس زرہیں پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں چھوڑ گئے تھے اور اُن میں صرف دو آدمی ایمان لائے تھے۔ سفیان بن عمیر اور سعد بن وہب۔ چونکہ یہ مال بغیر جنگ کیے ملا تھا لہٰذا یہ مالِ غنیمت نہیں تھا اور مال فئے تھا جو خاص طور سے حقِ رسولؐ ہے اور رسولؐ کو یہ حق حاصل ہے کہ جس کو چاہیں دیں۔ چنانچہ آپؐ نے کُل مال جو وہاں سے ملا تین مہاجروں پر تقسیم کردیا۔ جو ابو دجانہ، سہیل بن حنیف اور زید بن ظہیر تھے۔

اسی طرح جنگ خیبر کے بعد فدک کا علاقہ جو یہودیوں سے بغیر جنگ و پیکار حاصل ہوا تھا مالِ فئے تھا کیونکہ اس علاقہ میں یہودیوں سے کوئی جنگ نہ ہوئی تھی۔ کل کا کل رسولؐ کی ملک تھا۔ اس کا ایک حصہ تھا باغ فدک۔

جو حضورؐ نے اپنی صاحبزادی جناب فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا کو ہبہ کر دیا تھا اور اس کے متعلق دستاویز لکھ دی۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلامی حکومت نے معصوم کو نہ تو وراثت میں دیا اور نہ ہی ہبہ کو تسلیم کیا۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے تو یہ کمال کیا کہ وہ دستاویز ہی پھاڑ ڈالی تاکہ آگے کو یہ سلسلہ ہی ختم ہو جائے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری صفائی لاکھ پیش کی گئی مگر صدیقہ کی درخواست دربار میں قبول نہ ہوئی۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑦ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑧

جو مال خدا نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے بے لڑے دلوایا ہے وہ خاص خدا اور رسول اور (رسول کے) قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسیوں کا ہے تاکہ تم میں جو دولتمند ہیں ہر پھر کر دولت اُن ہی کے پاس نہ رہے۔ جو کچھ تم کو رسول دے دیں وہ لے لیا کرو اور جس کے لیے منع کریں اس سے باز رہو اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔ ان مفلس مہاجروں کا حصہ بھی ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اور خدا کے فضل اور خوشنودی کے طلبگار ہیں اور خدا اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہ لوگ سچے ایماندار ہیں۔

شریعت میں تقسیم ہونے والے مال تین قسم کے ہیں۔ اوّل زکوٰۃ۔ بنی ہاشم پر غیر بنی ہاشم کی زکوٰۃ حرام ہے۔

دوسرے مالِ غنیمت جو کفار سے لڑ کر حاصل ہو۔ اس میں سے خمس تو بنی ہاشم کا حق ہے باقی کُل مجاہدین کا۔ دسویں پارہ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔ تیسرے مالِ فَے جو بے لڑے حاصل ہو، وہ خاص رسولؐ کا ہے۔ جس کو چاہے دیں مگر اس کے مستحق بھی بنی ہاشم ہی ہیں۔ یعنی اولادِ ابوطالبؑ و عباسؓ اور دوسری چیزوں کا خمس بھی ان ہی کا ہے اور ان لوگوں میں بھی شرط ہے کہ یتیم و محتاج و پردیسی بھی ہوں بنی ہاشم سے ہوں ورنہ نہیں۔ رسولؐ کی زندگی میں تو اس پر عمل ہوا مگر حضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی سادات بنی ہاشم کو اس سے محروم کر کے بیت المال میں داخل کیا جانے لگا۔

خدا نے جب زکوٰۃ سے بنی ہاشم کو محروم کیا تھا تو اس کے بدلے ان کے بسر اوقات کے لیے خمس کو رکھا تھا۔ یہ خاندانِ رسولؐ کے لیے ایک خاص رعایت تھی۔ لیکن جن لوگوں کو خاندانِ رسولؐ بالخصوص علیؑ و فاطمہؑ کے ساتھ کوئی رعایت منظور ہی نہ تھی انہوں نے اس جائز حق کو ان سے روک لیا۔ تاکہ وہ مفلوک الحالی میں اپنی زندگی بسر کریں اور اس قابل ہی نہ رہیں کہ اہلِ حاجت ان کے دروازہ پر جا کر اپنی حاجتیں بیان کریں۔

تفسیر صافی میں امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ اس آیت میں ذوی القربٰی سے ہم مراد ہیں اور سب کو اپنی ذات اور اپنے نبی سے ملا دیا ہے۔ جہاں یہ ارشاد فرمایا ہے ما افاء اللّٰہ الخ اور یتامٰی و مساکین سے خاص ہمارے یتیم و مساکین مراد ہیں۔ اس لیے خدا نے صدقات میں ہمارا حصہ مقرر نہیں فرمایا۔ اور صدقہ ہم پر حرام کر دیا۔ اللہ نے ہمارا اور اپنے نبیؐ کا اکرام فرمایا ہے کہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کا میل کچیل ہمیں نہیں کھلایا۔ تفسیر مجمع البیان میں امام زین العابدینؑ سے منقول ہے کہ اس آیت میں الیتامٰی سے مراد ہمارے یتیم اور مساکین اور ابن السبیل سے ہمارے مسافر مراد ہیں۔

ان حالات پر نظر رکھتے ہوئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے آنحضرتؐ کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کن رعایتوں کو ملحوظ رکھا۔ بنتِ رسولؐ کو جو چیز ورثہ میں ملی تھی یا بطور ہبہ حاصل ہوئی تھی اس سے ان کو محروم کر دیا گیا۔ خمس جو اُن کا خاص حصہ تھا اس کو بحق بیت المال ان سے روک دیا گیا۔ خدا نے ان کی محبت واجب کی تھی، اس حق کو ان کے گلے کاٹ کر ادا کیا گیا۔ خلافت جو اُن کا حق تھا، اس سے محروم کر دیا گیا۔ رسولؐ کی صاحبزادی صاحبہؑ کو غضبناک کیا گیا۔ دربارِ حکومت سے جو وظائف اصحاب و ازواج کے لیے مقرر کیے گئے سب سے کم حصہ ان کا رکھا گیا۔ اگر خدانخواستہ حضرتؐ کی اولاد خدا کی نافرمان بھی ہوتی تب بھی ان کے ساتھ مراعات ملحوظ رکھنا ضروری تھا چہ جائیکہ وہ تو نورانی پیکر تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے میری اولاد میں جو خدا کے فرمانبردار ہیں اُن کو خدا کی رعایت سے اور جو نافرمان ہیں ان کو میری رعایت سے عزیز رکھو۔ اہلبیتؑ رسولؐ جو سب سے زیادہ خدا کے فرمانبردار اور اطاعت گزار بندے تھے اور اسلام پر جن کے بڑے بڑے احسان تھے اُن پر یہ ظلم کس بنا پر روا رکھا گیا۔

مالِ فَے میں سے جو خالص رسولؐ کا حصہ ہے اس میں سے جو کچھ رسولؐ بخوشی دے دیں اُسے قبول کر لو اور جو دینا نہ چاہیں اس کے لینے کی خواہش نہ کرو۔ اور رسولؐ کو اپنی ناخوشی کا اظہار کر کے اذیت نہ پہنچاؤ۔

مالِ غنیمت وہ کہلاتا تھا جو مفتوحہ ہوتا تھا اور جسے دشمن چھوڑ کر بھاگ جاتا تھا۔ مالِ فَے جو رسولؐ کا حق تھا اس میں باغات وغیرہ بھی شامل ہوتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ
اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ
يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ
شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۹ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ
بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا
بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ
اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰

اور ان لوگوں کے لیے بھی حصّہ ہے جو مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لاکر دارِ ہجرت میں مقیم تھے
یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے ان کے پاس آئے اور جو کچھ اُن کو دے دیا جائے۔
اس کی کوئی حاجت تک اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے
ہیں چاہے خود اپنی جگہ محتاج ہوں اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا اور ایسے ہی لوگ اپنی
مرادیں پائیں گے اور (ان لوگوں کا بھی حصّہ ہے) جو ان کے بعد آئے اور (رو رو کر) کہتے ہیں ،
اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کے بھی جنہوں نے ایمان میں ہم سے
سبقت کی اور ہمارے مومن بھائیوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کوئی کینہ نہ آنے دے
اے ہمارے رب تو مہربان و رحیم ہے۔

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (یعنی مالِ فے میں ایسے لوگوں کا حق
ہے جو اپنے نفس پر دوسروں کے نفس کو ترجیح دیتے ہیں چاہے وہ اس چیز کی طرف خود حاجتمند ہوں۔ علمائے اسلام
نے اس آیت کو ہر اس شخص سے متعلق کر دیا ہے جس میں یہ صفت پائی جائے اور اس کی خصوصی تفسیر سے اس لیے

گوبڑی ہے کہ اس سے اہلبیتؑ رسولؐ کی بہت بڑی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔
ہوسکتا ہے کہ ایک وقت خاص میں ایسا کسی اور شخص نے بھی کر دکھایا ہو لیکن اس صورت کو اپنی زندگی کا جزو بنالینا حضرت
علی علیہ السلام کے گھرانے کے سوا اور کسی میں نہیں پایا گیا۔ ایک دو بار نہیں ساری عمر ایسا ہی ہوا کہ کسی سائل کو اپنے در سے محروم
نہیں جانے دیا۔ خود خوشی سے فاقہ کر لیا۔ پیٹ پہ پتھر باندھ لیا۔ فاقہ پر فاقہ کر لیا مگر یہ گوارا نہ کیا کہ کوئی مسلمان بھوکا رہے
اور اس بے نظیر سخاوت میں عجب بات یہ ہے کہ عام لوگوں کو اس طرزِ عمل میں تکلیف محسوس ہوتی تھی لیکن حضرت علیؑ اور ان
کے گھر والوں کو ایسا کرنے میں رُوحانی لذت حاصل ہوتی تھی اور اس تکلیف سے اکتانا جانتے ہی نہ تھے۔
ملا ابوالقاسم دمشقی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب امیر علیہ السلام نے
حضرت سیدہؑ سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے کہا، اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے۔ آپؑ یہ سُن کر باہر تشریف لائے
اور ایک دینار کسی سے قرض لے کر بازار کی طرف چلے۔ دیکھا کہ مقداد رضی اللہ عنہ باحال پریشاں چلے آتے ہیں اور دھوپ
سے اُن کا چہرہ سُرخ ہو رہا ہے۔ حضرتؑ نے پریشانی کا سبب پوچھا۔ کہنے لگے، اس وقت کچھ نہ پوچھئے اور مجھے جانے
دیجئے۔ فرمایا، بھائی اپنا حال مجھ سے چھپانا مناسب نہیں۔ تب انہوں نے کہا، میرے بچے اس وقت بھوک سے رو
رہے ہیں۔ مجھ سے اُن کا حال دیکھا نہ گیا۔ اسی پریشانی میں گھر سے نکلا ہوں۔ فرمایا، اے بھائی جو باعث تمہارے گھر سے
نکلنے کا ہے وہی صورت میرے لیے بھی ہے مگر میں اپنے اوپر تم کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ دینار اُن کے حوالہ کر دیا
اور خود خالی ہاتھ گھر واپس تشریف لائے۔ خدا نے اس عمل کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی اور بہشت کا کھانا اُنؑ کے لیے بھیجا۔
سورۂ دہر میں آپؑ کی بے نظیر سخاوت کا تذکرہ آگے آرہا ہے کہ تین روز ایسا ہی عمل ہوا۔ پھر انؑ کی سخاوت کی
ایک خصوصیت یہ ہے کہ جو کچھ کسی کے ساتھ کرتے تھے نہ اس سے کسی بدلہ کی خواہش رکھتے تھے نہ شکریہ ہی کے خواستگار تھے،
نہ دکھاوے سے کوئی غرض نہ اظہارِ برتری سے کوئی واسطہ۔ محض خوشنودیٔ خدا کے لیے یہ عمل کرتے تھے۔
مالِ غنیمت میں سے جو کچھ ملا کرتا تھا اس سے لوگ اپنے گھر بھر لیتے تھے، ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔ آرام و آسائش
کے سامان مہیا کرتے تھے۔ مگر مورخین کا بیان یہ ہے کہ حضرت علیؑ اپنے حصّہ کو کبھی گھر میں لے ہی نہ گئے۔ دروازہ ہی پر کھڑے
کھڑے تقسیم کر دیتے تھے۔ مدینہ کے محتاج اس تاک میں رہتے تھے کہ کب آپؑ کو مالِ غنیمت میں سے حصّہ ملے اور ہم اس پر
قبضہ کر لیں۔ ایک بار چند اونٹ آپؑ کو ملے۔ ایک سائل نے روٹی کا سوال کیا۔ آپؑ نے قنبر سے فرمایا کہ اس کی حاجت پوری
کر۔ اُس نے کہا، چند روٹیاں زادِ راہ سے بچی ہیں مگر وہ اونٹ کے کجاوہ میں ہیں۔ فرمایا، وہ اونٹ ہی اس کو دے دو۔
اُس نے کہا، اونٹ قطار میں ہے۔ فرمایا، مع قطار کے دے دو۔ کوتاہ نظر اس سخاوت پر اعتراض کرتے ہیں کہ جس سائل کا
سوال روٹی کا تھا اُسے اونٹ کی قطار کیوں دے دی۔ بات یہ تھی کہ سوال کرنے والا مدینہ سے باہر کسی قبیلہ کا ایک فرد تھا
آپؑ نے اس کے قبیلہ کا حال بھی اُس سے پوچھا۔ اس نے سب کی پریشان حالی بتائی۔ لہٰذا آپؑ نے چند اونٹ جو قطار میں
تھے اُسے دے کر فرمایا، ان سے اپنی ضرورت بھی پوری کرنا اور باقی اپنے قبیلہ والوں میں تقسیم کر دینا تاکہ اُن کا افلاس دُور ہو۔
علی کو ایسے اونٹوں کی ضرورت نہیں۔ علیؑ کے سوا اصحابِ رسولؐ میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے پاس ایک ایک ہزار اونٹ تھے
جو چراگاہوں میں چرتے پھرتے تھے۔ کتنا فرق ہے علیؑ میں اور دوسرے اصحاب میں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

(اب کامل الایمان لوگوں کے ذکر کے بعد منافقوں کا حال بیان ہوتا ہے)۔ کیا تم نے ان منافقوں کے حال پر نظر نہیں کی جو اپنے کافر بھائیوں اہلِ کتاب سے کہا کرتے ہیں کہ اگر کہیں تم گھروں سے نکالے گئے تو یقین جانو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے معاملہ میں کسی کی اطاعت نہ کریں گے اور اگر تم سے لڑائی ہوگی تو ضرور تمہاری مدد کریں گے مگر خدا بیان کیے دیتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ اگر کفار نکالے بھی جائیں تو یہ منافقین ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد بھی نہ کریں گے اور اگر مدد کریں گے بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر اُن کو کہیں سے کمک بھی نہ ملے گی (مومنو) تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں خدا سے زیادہ ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ لوگ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے

یہ سب کے سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑ سکتے مگر ہر طرف محفوظ بستیوں میں یا دیواروں (شہر پناہ) کی آڑ میں تو ان کی بڑی دھاک ہے۔ تم خیال کروگے یہ سب ایک جان ہیں مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔

یہ آیات عبداللہ بن ابی ابو لیلیٰ اور رفاعہ وغیرہ منافقوں کے بارہ میں ہیں۔ جب لشکرِ اسلام نے بنی نضیر پر چڑھائی کی اور ان کی جلاوطنی کا حکم حضورؐ نے دیا تو کچھ منافقوں نے خفیہ طور سے بنی نضیر کو کہلا بھیجا کہ گھبرانا مت ہم ہر طرح تمہاری مدد کے لیے موجود ہیں۔ اگر تم ڈٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ کروگے تو ہم بھی کریں گے اور اگر تم مغلوب ہوگئے اور تم کو جلاوطن ہونا ہی پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ جلاوطن ہوجائیں گے۔ لیکن یہ سب زبانی جمع خرچ تھا۔ نہ وہ ان کے ساتھ مل کر لڑنے والے تھے نہ جلاوطن ہونے والے۔ اُن کا منشا تو یہ تھا کہ ان کی بھپکیوں میں آکر بنی نضیر لڑ پڑیں تو یہ مسلمان جن کی تعداد تھوڑی ہے مارے جائیں گے اور ہمارا مطلب حاصل ہوجائے گا۔ لیکن خدا کی شان، تھوڑے سے مسلمانوں کا ایسا رعب بنی نضیر پر چھایا کہ انہیں لڑنے کی ہمت ہی نہ ہوئی اور جلاوطنی کی راہ اختیار کی۔

بنی نضیر کی تعداد اگرچہ زیادہ تھی مگر ان کی بہادری کی گونج ان کے قلعوں اور شہر پناہوں کے اندر ہی اندر تھی۔ وہ بظاہر سب ملے جلے معلوم ہوتے تھے لیکن ان کے دل ان کی زبان کی موافقت نہیں کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی خصومت کو دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ اس کمزوری سے اُن کو مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ برخلاف اس کے مسلمان اگرچہ تھوڑے تھے مگر ان کے دلوں میں ایمانی قوت کا جوش تھا۔ خدا کی مدد بھی ان کو حاصل تھی۔ یہودیوں میں کچھ ایسا رعب ان کا چھایا کہ لڑائی سے جان چرانے لگے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ منافق مسلمانوں کی آستین کا سانپ بنے ہوئے تھے۔ جنگ کے ہر موقع پر اُن کی دلی خواہش ہوتی تھی کہ مسلمان شکست کھا جائیں۔ ان کے دلوں میں خدا کی نہیں بلکہ بتوں کی محبت جڑ پکڑے ہوئے تھی۔ اپنی جان کے خوف سے یا مالِ غنیمت کے لالچ میں بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے۔ خدا نے ہر موقع پر ان کے شر سے اسلام کو محفوظ رکھا۔ اور ان کے نفاق کا پردہ چاک کیا اور ان کی کافرانہ کوششوں کو پھولنے پھلنے کا موقع ہی نہ دیا۔ یہی وہ لوگ تھے جو خفیہ طور پر دشمنانِ اسلام سے ملے ہوئے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جو لڑائی میں جانے سے گریز کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جو میدان چھوڑ کر بھاگ آتے تھے۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ

إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿١٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾

اِن لوگوں کا حال اُن لوگوں کا سا ہے جو اُن سے کچھ ہی پہلے اپنے کاموں کی سزا کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ منافقوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کافر ہوجاؤ جب وہ کافر ہوگیا تو کہنے لگا کہ میں تجھ سے بیزار ہوں۔ میں سارے جہان کے پروردگار سے ڈرتا ہوں۔ ان دونوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی تمام ظالموں کی سزا ہے۔ اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو غور کرنا چاہیئے کہ کل (قیامت) کے واسطے اُس نے کیا بھیجا ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو، خدا اس سے باخبر ہے۔ اور ان لوگوں میں نہ ہوجاؤ جو خدا کو بھلا بیٹھے ہیں تو خدا نے اُن کو ایسا کر دیا کہ وہ خود اپنے کو بھول گئے۔ یہی لوگ بدکار ہیں۔ دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہوسکتے جنت والے کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

ان منافقوں کا وہی حال ہوگا جو ان سے قبل والوں کا ہوا تھا کہ انہوں نے اپنی سرکشی کا مزہ چکھا تھا۔ یہ منافق بنی نضیر کو جنگ پر یہ کہہ کر اکسا رہے ہیں کہ ہم دو ہزار آدمیوں کی جمعیت سے تمہارے ساتھی ہیں اور یہودیوں کے

ایمان والوں کو نصیحت

ساتھ شامل ہوجائینگے لہٰذا جم کر لڑو۔ اے مسلمانو، ان خبروں سے دل شکستہ نہ ہوں۔ یہ سب تشنیعیاں اور تعلیاں ہیں۔ ان منافقوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ اس نے انسان سے کہا، کافر ہوجا، میں تیری پشتی پر ہوں۔ لیکن جب وہ کافر ہوگیا تو اُس سے یہ کہہ کر الگ جا کھڑا ہوا کہ میں رب العالمین خدا سے ڈرتا ہوں۔ پس یہی حال ان منافقوں کا ہے کہ بنی نضیر کو تڑی دے کر پہلے تو جنگ کے آمادہ کر دیا اس کے بعد ان کے سارے وعدے ختم ہوئے۔ جب بنی نضیر جلاوطن ہوئے، تو یہ منافق انھی پر الزام لگانے لگے کہ تم نے جلاوطنی کیوں منظور کر لی۔ ہم تو تمہاری کمک کو آنے والے تھے۔ اے مسلمانو! تم ان منافقوں سے ہوشیار رہو اور ان کے بہکاتے میں آکر ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو اللہ کو بھول گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود ہی کو بھول گئے۔ یہ بدکار لوگ اپنی زندگی میں کبھی اہلِ جنت کے برابر نہیں ہوسکتے۔ جنت والے اپنی سعی میں کامیاب ہیں۔

لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾

اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر بھی نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ جھکا اور پھٹا جاتا ہے۔ یہ مثالیں ہم اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ غور و فکر سے کام لیں۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جو رسولؐ پر نازل کیا گیا ہے اور اس میں جو ذمہ داریاں تم پر عائد کی گئی ہیں اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک دن تم سے ان کے متعلق ضرور جواب طلب کیا جائے گا۔ اگر یہ ذمہ داریاں اسی شان سے پہاڑوں پر واضح کی جاتیں تو وہ بھی کانپ اُٹھتے اور خوف سے پھٹ جاتے۔ مگر تمہیں کچھ احساس نہیں۔ قرآن پڑھتے ہو سمجھتے نہیں۔ سمجھتے ہو تو اس پر عمل نہیں کرتے۔ تم تو کچھ ایسے سخت ہو بیٹھے ہو گویا تم سے کسی معاملہ کی پوچھ گچھ ہوگی ہی نہیں۔ کتنی مثالیں اُن لوگوں کی جو فرض ناشناس تھے اور اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کرنے کی سزا میں مارے گئے تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہیں مگر تم ہو کہ کسی طرح چونکتے ہی نہیں۔ گویا تم اس معاملہ میں پتھروں سے بھی بدتر بن گئے ہو۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۖ هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ

الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ چھپی ہوئی اور ظاہر سب باتوں کا جاننے والا ہے وہ دین و دُنیا ہر جگہ رحم کرنے والا ہے۔ وُہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حقیقی بادشاہ ہر عیب سے پاک امن دینے والا، نگہبانی کرنے والا، غالب زبردست بڑائی والا، جس کو (لوگ) اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اس سے پاک ہے۔ وہی خدا تمام چیزوں کا خالق، موجد صورتوں کا بنانے والا ہے اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ جو چیزیں تمہارے آسمان و زمین میں ہیں سب اُس کی تسبیح کرتی ہیں وہ غالب حکمت والا ہے۔

عقلاً یہ مسلم ہے کہ ایک خدا کے سوا دوسرا کوئی بھی اس تمام نظامِ کائنات کا چلانے والا ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا کے سوا کوئی دوسرا ایسا ہے جو غائب و حاضر ہر چیز کا پُورا علم رکھتا ہے۔ خدا کے سوا کون سا حاکم ہو سکتا ہے جو ہر عیب سے پاک ہو۔ ہر بُرائی سے بری ہو۔ تمام عالم میں امن برقرار رکھنے والا ہو۔ پھر سب کا نگہبان ہو۔ سب پر غالب بھی ہو۔ اپنی عظمت کے اعتبار سے سب سے بڑا بھی ہو۔ جن بتوں کو لوگوں نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے وہ سب باطل ہیں۔ ان میں کوئی معبود بننے کے قابل نہیں۔ صرف خدا ہے جو سب کا خالق اور ہر چیز کا ایجاد کرنے والا ہے۔ مخلوق کی تمام صورتوں کا بنانے والا صرف وہی ہے۔ سب اچھے اچھے نام اُسی کے ہیں۔ یعنی اس کا کوئی نام ایسا نہیں جس سے اُس کی اچھائی کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ چاہے اس کو تم سمجھو یا نہ سمجھو۔ اور کیوں نہ کرے جبکہ ہر شے کو اُس نے پیدا کیا ہے۔ وہ ہر شے پر حاکمانہ تصرّف رکھتا ہے اور یہ تصرّف حکمت و مصلحت کے ساتھ ہے۔

~

(۶۰) سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۹۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱﴾

اے ایمان والو، تم میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ تم تو ان کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور اُن کا حال یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس خدا کی طرف سے آیا ہے وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ وہ رسول کو اور تم کو اس بنا پر گھروں سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لے آئے ہو۔ پس اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری مرضی چاہنے کے لیے گھر سے نکلتے ہو تو اس بات کا خیال رکھو۔ تم ان کے پاس چھُپ چھُپ کر دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور جو کچھ تم چھُپا کر یا بالاعلان کرتے ہو، میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں اور جو ایسا کرے گا وہ سیدھی راہ سے یقیناً بھٹک گیا۔

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ جب قریش نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا تو آپ نے مکّہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کو بطور راز رکھا۔ چند اصحاب کے سوا اور کسی سے اس منصوبہ کو بیان نہ کیا۔ اس زمانہ میں ایک عورت مکّہ سے مدینہ آئی۔ جو پہلے

بنی عبدالمطلب کی کنیز تھی، بعد میں مکہ میں جاکر اس نے گانے بجانے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ جب حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اپنی مفلسی بیان کر کے طالبِ امداد ہوئی۔ حضرتؐ نے فرمایا تُو نے اہلِ مکہ سے کیوں نہ مدد چاہی۔ اُس نے کہا، جنگِ بدر کے بعد سے پھر کسی نے میرا گانا سُنا ہی نہیں۔ حضرتؐ نے اولادِ عبدالمطلب سے کہہ کر اُس کی مدد کرا دی۔ جب وہ مکہ جانے لگی تو حاطب بن ابی بلیتعہ نے ایک خط خفیہ طور سے اسے دیا کہ اس کے عزیزوں کے پاس پہنچا دے۔ اس میں لکھا، قریش سے کہو ہوشیار رہیں حضرتؐ مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جب بذریعہ وحی اس کی اطلاع آپؐ کو ملی تو آپؐ نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور مقداد کو حکم دیا کہ راستہ میں اس عورت کو جا پکڑیں اور وہ خط اس سے چھین لیں۔ ابھی وہ مدینہ سے ۱۲ میل دور پہنچی تھی کہ حضرت علیؑ نے اُسے جا پکڑا اور کہا وہ خط ہمیں دے۔ اس نے کہا، میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہر چند اس پر سختی کی مگر اس نے خط نہ دیا۔ آخر آپؑ نے فرمایا اگر تُو خط نہ دے گی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ آنحضرتؐ کو بذریعہ وحی اطلاع مل چکی ہے کہ خط تیرے پاس ہے۔ وہ اس دھمکی میں آگئی اور اپنے بالوں میں سے وہ خط نکال کر آپؑ کو دے دیا۔ حضرت علیؑ وہ خط لے کر واپس ہوئے۔ جب حضرتؐ نے وہ خط پڑھا تو مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں سے کہا، تم میں سے ایک شخص نے مکہ والوں کو خط لکھا ہے اگر وہ اقرار کر لے تو خیر ورنہ وہ رسوا ہوگا اور سزا پائے گا۔ یہ سُن کر حاطب اُٹھا اور کہنے لگا، میں نے لکھا ہے مگر خدا گواہ ہے میں نے اسلام کے بعد نفاق اختیار نہیں کیا بلکہ اپنے رشتہ داروں کے خیال سے ایسا کیا۔ کیونکہ جو لوگ رہ گئے ہیں ان میں میری ماں بھی شامل ہے۔ اس خیال سے کہ اس خط سے قریش پر میرا احسان ظاہر ہوگا اور وہ میرے رشتہ داروں کو ستانے سے باز رہیں گے۔ حضرتؐ نے حکم دیا، اسے مسجد سے نکال دو۔ غرض لوگ مارتے ہوئے اسے باہر لے گئے۔ چونکہ بدر کی جنگ میں یہ شریک تھا لہٰذا اسے واپس بُلایا اور توبہ کرائی۔

چونکہ کفار، خدا و رسولؐ اور مسلمانوں کے دشمن تھے اور اسلام کی تباہی کے درپے ہو رہے تھے لہٰذا مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے ملنا جلنا ترک کر دیں اور کوئی کارروائی ایسی نہ کریں جس سے خفیہ طور پر ان کا ملنا ثابت ہو۔ کیونکہ اس سے اسلام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ منافق درپردہ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے رہتے تھے۔ بلکہ جنگ کے موقعوں پر بھی ایسی تدابیر کرتے تھے جس سے کفار کو غلبہ حاصل ہو اور مسلمان دل شکستہ ہو کر پوری طرح جنگ میں حصہ نہ لیں۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝۲ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳

اگر یہ تم پر قابو پا جائیں گے تو تمہارے دشمن نظر آئیں گے اور تمہاری ایذا کے لیے اپنے ہاتھ بھی بڑھائیں گے اور زبانیں بھی۔ اور یہ چاہیں گے کاش تم بھی کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کام آئیں گی نہ تمہاری اولاد۔ اُس روز خدا تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس کا دیکھنے والا ہے۔

مسلمان اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ ان کے کفار رشتہ دار ان سے محبت و شفقت کا سلوک کریں گے۔ وہ موقع کے متلاشی ہیں جب موقع پائیں گے تو ہاتھوں سے بھی تمہاری خبر لیں گے اور زبان سے بھی۔ یعنی لوگوں سے تمہاری بُرائیاں بیان کریں گے۔ اگر تم بالفرض ان سے دوستی بھی کرو گے تو یہ چند روزہ ہوگی۔ قیامت کے دن یہ سب رشتے منقطع ہو جائیں گے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵

تمہارے واسطے تو ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے قول و فعل کا اچھا خاصہ نمونہ موجود ہے کہ جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا ہم تم سے اور ان بتوں سے جنھیں تم خدا کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں ہم تمہارے دین کے منکر ہیں اور جب تک تم یکتا خدا پر ایمان نہ لاؤ گے ہمارے تمہارے درمیان کھلم کھلا عداوت و دشمنی قائم ہو گئی مگر ہاں ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ سے یہ البتہ کہا تھا

کہ میں آپ کے لیے مغفرت کی دُعا ضرور کروں گا اور خدا کے سامنے تو میں آپ کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اے ہمارے پالنے والے ہم نے تجھی پر بھروسہ کر لیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور تیری ہی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں کافروں کی آزمائش (کا ذریعہ) نہ قرار دے۔ اے ہمارے پروردگار تو ہمیں بخش دے۔ بیشک تُو غالب اور حکمت والا ہے۔

جن مسلمانوں سے یہ کہا گیا ہے کہ تم اپنے کافر رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لو تو انہی سے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اس معاملہ میں ابراہیم علیہ السّلام کی پیروی کرو جنہوں نے اپنی قوم اور اپنے منہ بولے باپ سے ترکِ تعلق کر لیا تھا کیونکہ ان کے معبود بُت تھے اور حضرت ابراہیمؑ کا معبود خالقِ یکتا۔ اس صورت میں باہمی محبت کیسے قائم رہ سکتی تھی۔ ہاں اس بات میں ابراہیمؑ کی تقلید نہ کرو کہ انہوں نے اپنے منہ بولے باپ سے استغفار کا وعدہ کیا۔ چنانچہ جب آذر نے ان سے کہا کہ اگر تم ہمارے بتوں کی مذمت کرو گے اور ان کو اپنا معبود نہ مانو گے تو میں سنگسار کر دوں گا۔ اس پر انہوں نے کہا لو میں چل دیا۔ میں تمہارے لیے استغفار کروں گا۔ یہ اس بنا پر تھا کہ آذر نے ان سے ایمان لانے کا وعدہ کر لیا تھا لیکن جب انہیں پتہ چل گیا کہ یہ ایمان لانے والا نہیں تو اس سے برائت ظاہر کی اور اپنا مشروط وعدہ توڑ دیا چونکہ اس پر وہ خود قائم نہیں رہے لہٰذا اس استغفار میں ان کی تاسی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور کوئی مسلمان یہ سمجھ کر کہ چونکہ ابراہیمؑ نے اپنے کافر باپ کے لیے استغفار کیا تھا لہٰذا ہم بھی اپنے کافر ماں باپ کے لیے استغفار کر سکتے ہیں۔

سورۂ شعراء آیت ۸۶ اور سورۂ ابراہیم میں دو بار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کا ذکر ہے۔

حضرت ابراہیم کا وعدۂ استغفار صرف اس وقت تھا جبکہ آپؑ کو اس کی امید تھی کہ آذر ایمان لے آئے گا۔ لیکن جب یہ محقق ہوگیا کہ وہ دشمنِ ایمان ہے تو انہوں نے فوراً اس سے قطع تعلق کر لیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا کہ ابتدائی حالات میں ابراہیمؑ کے سمجھانے سے آذر نے وعدہ کیا ہوگا اس لیے آپؑ نے استغفار کا وعدہ کیا ہوگا۔ لیکن جب اس کی طرف سے مایوس ہوگئے تو پھر اس سے ترکِ تعلق کر لیا۔ اور استغفار کا قصہ ختم ہوا۔

حضرت ابراہیم کی یہ دعا سورۂ ابراہیم میں رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۱۴/۴۱ تو یہ دُعا حقیقی والدین کے لیے تھی یعنی جناب تارخ اور اپنی والدہ کے لیے جو مومن تھے نہ کہ آذر کے لیے۔ سورۂ شعراء جو دعا ہے وہ آذر سے متعلق ہے وَاغْفِرْ لِاَبِیْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۲۶/۸۶ الشعراء یہ ہے اس وعدہ کا ایفا جو آذر سے استغفار کے متعلق کیا تھا۔

بہرحال اگر استغفار کا سلسلہ جاری رہتا تب تو حضرت ابراہیمؑ پر الزام تھا لیکن جب انہوں نے ترکِ تعلق کر لیا تو پھر استغفار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ آذر چچا تھا مگر ایمان کے مقابلہ میں آپؑ نے اس کے رشتہ کا خیال نہ کیا اور اظہارِ برائت کر کے اس سے الگ ہو گئے۔

پس کیسے ممکن تھا کہ حضرت رسولِ خدا حضرت ابوطالب کے ساتھ رہتے، اگر وہ مومن نہ ہوتے تو ان کے ساتھ رہنا اور اظہارِ محبت کرنا اس کی دلیل ہے کہ ابوطالب کافر نہ تھے اور مرتے دم تک مومن رہے۔

آیت نمبر ۹ میں جس آزمائش کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کافر ہم پر اتنے ظلم و ستم نہ کریں کہ ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہو جائیں اور ہم صبر کے امتحان میں ناکام رہ جائیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ ۶ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۷ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ۸ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ۹

ان لوگوں کے افعال کا جو خدا اور روزِ آخرت کے امیدوار ہوں تمہارے لیے اچھا نمونہ ہے اور جو منہ موڑے تو اللہ اس سے بے پروا اور سزاوارِ حمد ہے۔ قریب ہے کہ خدا تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی پیدا کر دے۔ خدا قادر ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ جو لوگ تم سے تمہارے دین کے بارہ میں نہیں لڑتے بھڑتے اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور ان کے ساتھ انصاف سے پیش آنے سے خدا تمہیں منع نہیں کرتا۔

بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ خدا تو ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارہ میں لڑائی کی اور تم کو گھروں سے نکال باہر کیا۔ اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی اور جو ان سے دوستی کریں گے وہ لوگ ظالم ہیں۔

جو مسلمان اپنے کافر عزیزوں سے بچھڑ گئے تھے ان کی جدائی دلوں پر شاق تھی۔ زبان سے کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے مگر دل میں تڑپ ضرور تھی۔ ان کی تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ عنقریب تمہارے اور ان کے درمیان دوستی کے تعلقات قائم ہو جائیں گے چنانچہ فتح مکہ کے بعد برسوں کے بچھڑے مل گئے اور مشرک مسلمان ہو گئے۔ ان کے درمیان رشتہ داری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیسے ابوسفیان اگرچہ اوپری دل سے مسلمان ہوا مگر اس کی بی بی ام حبیبہؓ سے حضرت رسول خداؐ نے عقد کر لیا۔ اگرچہ بظاہر برسوں کے ٹوٹے ہوئے تعلقات کا جڑنا بہت مشکل نظر آتا تھا مگر اللہ کی قدرت کے سامنے کیا مشکل تھا۔ چند ہی سال میں وہ وقت بھی آ گیا کہ جو خون کے پیاسے تھے وہ پکے دوست بن گئے۔

خدا نے ایسے دشمنوں کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم دیا ہے جو مسلمانوں سے نہ تو برسر پیکار ہوئے اور نہ ان کو گھروں سے نکالا جبکہ وہ اسلام نہیں لائے تھے۔ البتہ جن لوگوں نے مسلمانوں پر ظلم کیے، ان کو گھروں سے نکالا ان کے ساتھ کسی رعایت کو ملحوظ رکھنے کی اجازت نہیں۔

جب تک کافر مسلمان نہ ہو جاتے دونوں کے درمیان رشتۂ اخوت استوار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مذہب کے اختلاف کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اب تو دنیا کا رنگ ہی بدلا ہوا ہے۔ مسلمان کافروں سے زیادہ مسلمانوں کے گلے کاٹ رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں جس بری طرح مسلمانوں نے مسلمانوں کو کاٹا اس کے تصور سے کلیجہ لرزتا ہے۔ مغربی پاکستان میں کیا نہیں ہو رہا۔ رات دن چاقو زنی اور رائفلوں اور پستولوں سے قتل کرنے کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ کیا یہ اسلامی زندگی ہے۔ کیا اس طرزِ عمل سے اسلام برباد نہیں ہوتا۔ محبت، اخوت اور ہمدردی کا جذبہ ایک بڑی حد تک مسلمانوں کے دل سے نکل گیا۔ مسلمان کا مسلمان کو قتل کر دینا ایک چوہے کے مارنے سے بھی کم سمجھا جاتا ہے۔ کون سا عیب ہے جو ہم میں نہیں پایا جاتا۔ مسلمان آج سود خوار ہے رشوت خور ہے زناکار ہے اغوا کرنے والا ہے چور ہے ڈاکو ہے قاتل ہے۔ حد درجہ کا بے ایمان ہے دھوکہ باز ہے جھوٹا ہے فریب کار ہے۔ غرض کونسا گناہ ہے جو آج مسلمان سے سرزد نہیں ہو رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا خوف ان کے دل سے بالکل نکل گیا ہے۔ بازپرسِ قیامت پر اس کا ایمان ہی نہیں۔ اللہ ہمارے حال پر رحم کرے۔ آمین!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان کے ایمان کی آزمائش کر لو۔ اور خدا تو ان کے ایمان کو جانتا ہی ہے۔ اگر ان کا مومنہ ہونا ثابت ہو جائے تو ان کو کفار کے پاس لوٹ کر نہ جانے دو کیونکہ وہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال ہیں اور جو کچھ کفار نے ان پر (مہر میں) خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو۔ اور جب تم نے ان کا مہر انہیں دے دیا تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو اور تم خود بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رہو۔ جو مہر تم نے اپنی کافر بی بیوں کو دیئے تھے وہ تم واپس مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا ہو وہ بھی تم سے مانگ لیں۔ یہی خدا کا حکم ہے جو تمہارے درمیان صادر کرتا ہے اور اللہ واقف کار اور حکیم ہے اگر تمہاری بی بیوں میں کوئی عورت تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے پاس چلی جائے (اور خرچ نہ ملے) اور تم ان (کافروں) سے لڑو اور لوٹو تو (مالِ غنیمت سے) جن کی عورتیں چلی گئی ہیں ان کو اتنا دے دو جتنا ان کافروں کا ہوا ہے۔ اور جس خدا پر تم ایمان لائے ہو اس سے ڈرتے رہو۔

مومن و کافر عورتوں سے سلوک

آغازِ اسلام میں یہ صورت تھی کہ شوہر مسلمان بی بی کافرہ۔ یا بی بی مسلمان اور شوہر کافر۔ مذہبی اختلاف دونوں

کے لیے تکلیف دہ تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد یہ قاعدہ جاری ہوا کہ جو مومن عورتیں مکہ سے ہجرت کرکے آئیں ان کی اچھی طرح سے جانچ پڑتال کرلو کہ آیا وہ جذبۂ ایمانی کے تحت مدینہ آئی ہیں یا کسی اور وجہ سے۔ مثلاً اپنے شوہر سے لڑکر یا کسی دنیوی فائدہ کی غرض سے۔ ایسی عورتوں کو واپس بھیج دینا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ صادق الایمان ہیں اور اپنے دین کے تحفظ کے لیے یہاں آئی ہیں تو ان کو واپس نہیں بھیجنا چاہیئے کیونکہ اب وہ کفار کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال ہے۔ ایسی عورتوں سے مہر دے کر نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر کافر عورت مسلمان ہو جائے اور اپنے شوہر کو چھوڑ کر چلی آئے تو مسلمان اس کے پہلے شوہر کا مہر ادا کردیں۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کی کافرہ بی بی کفار سے جا ملے تو کفار اس کا مہر ادا کردیں اور اگر کفار ایسا نہ کریں تو آئندہ اگر کسی دوسرے کافر کو اس کی بی بی کا مہر دینے کی نوبت مسلمان کو آئے تو اس کے بدلے اس مسلمان کو دے دے جس کا مہر نہ ملا ہو اور اگر اس کا موقع بھی نہ ملے اور جہاد کی نوبت آجائے تو مال غنیمت سے اس کا مہر دے دیا جائے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

اے نبی جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کے لیے آئیں تو اس اقرار کے ساتھ کہ وہ شرک باللہ نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے کوئی بہتان (لڑکے کا شوہر پر) گڑھ کر نہ لائیں گی اور نہ کسی کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی۔ تم ان سے بیعت لے لو اور خدا سے ان کی مغفرت کی دعا مانگو۔ بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ اے ایمان والو، جن لوگوں پر خدا نے اپنا غضب ڈھایا ہے ان سے دوستی نہ کرو یہ آخرت سے اس طرح

مایوس ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کافر مایوس ہیں۔

آیت نمبر ۱۲ میں ہاتھ پاؤں کے سامنے بہتان گڑھ کر نہ لائیں گی، عرب کے ایک محاورہ کی بنا پر ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں۔ کہ جان بوجھ کر بہتان نہ باندھیں گی۔

عورتوں سے بیعت لینے کے چند طریقے تھے۔ کبھی حضرتؐ اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لیتے تھے تاکہ اُس کے ہاتھ سے آپؐ کا ہاتھ مس نہ ہو۔ کبھی پیالہ میں پانی بھروا کر اپنا ہاتھ رکھتے پھر اس کا ہاتھ رکھواتے۔ کبھی کپڑے کے ایک سرے کو خود تھامتے اور دوسرا سرا اس کے ہاتھ دیتے۔ کبھی امیمہؓ خواہر خدیجہؓ کو حکم دیتے کہ وہ آپؐ کی طرف سے بیعت لیں۔ یہ سب اس لیے ہوتا کہ نامحرم کے ہاتھ سے آپؐ کا ہاتھ مس نہ ہو۔

عرب کی عورتوں میں چند غلط کاریاں عام تھیں۔ بُت پرستی ان کو زیادہ مرغوب تھی۔ وہ مردوں سے زیادہ بتوں کی پوجا پاٹ کرتی تھیں۔ دوسرے چوری کرنے کی عادی تھیں تیسرے زنا کرانے میں ان کو شرم نہ آتی تھی۔ چوتھے اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اُسے قتل کرنے میں کوئی باک نہ ہوتا۔ غور کیجئے ان باتوں سے معاشرہ میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اسلام ان غلاظتوں سے اپنے دامن کو بچائے ہوئے ہے۔ لہٰذا بیعت سے پہلے حضورؐ بیعت کرنے والیوں سے یہ اقرار لینا ضروری سمجھتے تھے۔

---

(۶۱) سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾

جتنی مخلوق زمین و آسمان میں ہے وہ سب خدا کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب اور حکیم ہے۔ اے ایمان والو، ایسی بات کیوں کہتے ہو جسے تم کرتے نہیں۔ خدا کے نزدیک یہ بڑے غضب کی بات ہے کہ

تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں۔ خدا تو ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح پرا باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں۔

لشکرِ اسلام میں کچھ ایسے شیخی خورے مسلمان بھی تھے جو آپس میں بیٹھ کر بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ فلاں بات خدا کو پسند ہے تو ہم اس کے لیے اپنے جان و مال کو نثار کرنے میں ذرا دریغ نہ کریں۔ لیکن جب میدانِ جنگ میں زناٹے کے رَن پڑتے تو وہ شیخی سب کرکری ہو جاتی اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلتے۔ میدانِ احد میں اکثر افراد تھے جو رسولؐ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور ایسے اونچے گئے کہ رسولؐ پکارتے رہ گئے کسی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

اگر صاحب ذوالفقار حیدرِ کرّارؑ جان نثارِ رسولؐ مختار اس موقع پر نہ ہوتے تو دشمن شمع رسالتؐ کو گُل کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ یہ حضرت علیؑ ہی تھے جو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح دشمنوں کا صفایا کر رہے تھے۔ کبھی حضورؐ کے زخم دھلانے کے لیے ڈھال میں پانی بھر بھر لاتے تھے کبھی حملہ آور دشمنوں کو حضورؐ کے قریب آنے سے روکتے تھے۔ مؤرخ واقعات طبری میں ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت علیؑ کی اس شجاعت کی تعریف میں اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔ نازل ہوئی ہے۔ ایک اُحد ہی کیا ہر جنگ میں حضرت علی علیہ السلام اس جوانمردی سے لڑے کہ کسی جنگ میں فرار کیا ہی نہیں۔ جہاں لڑے قدم جما کر لڑے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

(اے رسولؐ وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا بھائیو تم مجھے کیوں ستاتے ہو،

حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا رسول بن کر آیا ہوں۔ مگر جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو خدا نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا ہی رہنے دیا۔ خدا بدکار لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا اور وہ (وقت بھی یاد کرو) جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں اور جو توریت میرے سامنے موجود ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور خوشخبری سُناتا ہوں اس نبیؐ کی جو میرے بعد آنے والا ہے اور جس کا نام احمدؐ ہو گا۔ لیکن جب وہ پیغمبر اُن کے پاس روشنی اور واضح معجزات لے کر آیا تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس لیے چھیڑا گیا ہے تاکہ اُمتِ رسولؐ کے نافرمانوں کو یہ بتایا جائے کہ تم اُمتِ موسیٰؑ جیسے نہ بنو۔ جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کو طرح طرح سے ستایا۔ اور جب وہ عمالقہ سے لڑنے گئے تو بہت سے لوگوں نے یہ کہہ کر اُن کا ساتھ چھوڑ دیا کہ یہ قوم جبّار اور بڑی طاقتور ہے ہم ان سے نہیں لڑ سکتے۔ آپ اور آپ کا رب ان سے جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں کجی آگئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے اسی کجی کی حالت میں ان کو چھوڑ دیا ایک روز اس کجی کا نتیجہ ان کے سامنے آجائے گا۔

دوسری بات یہ بتائی کہ جس رسولؐ کے بارہ میں تمہارے دل میں شبہات ہیں یہ وہ رسولؐ ہیں جن کے آنے کی بشارت عیسیٰؑ بن مریمؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کو دے چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ وہ تمہاری کتاب توریت کے مصدّق ہوں گے اور میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمدؐ ہو گا۔ یعنی سب سے زیادہ حمدِ خدا کرنے والے۔ پس جن کی تصدیق عیسیٰؑ بن مریمؑ کر چکے ہوں جن کے آنے کی دعا ابراہیمؑ کر چکے ہوں اُن کی رسالت میں شک کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے۔

حضور سرکارِ دو عالمؐ اس دنیا میں آنے سے پہلے احمد تھے اور خدا محمود تھا۔ لیکن جب اس دنیا میں آئے تو محمدؐ (تعریف کیے ہوئے) بن کر آئے اور خدا ان کا حامد (تعریف کرنے والا) بنا۔ افسوس ہے کہ یہودی جن کی آمد کے منتظر تھے جب وہ دُنیا میں تشریف لائے تو یہودیوں نے ان کی تصدیق نہ کی اور الٹی سیدھی ہانکنے لگے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرتؐ سے پہلے کسی کا نام احمدؐ نہیں ہوا۔ جب انجیل میں احمدؐ نام بتایا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ نام خدا کا رکھا ہوا ہے۔ یہ خصوصیت اہلبیتِ رسولؐ کو حاصل ہے کہ ان کے تمام نام اللہ کے رکھے ہوئے ہیں۔ علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ اور حسینؑ۔ یہی وجہ ہے کہ بارہ اماموں کے نام ان پانچ ناموں سے باہر نہیں گئے۔ کیونکہ یہ خدا کے رکھے ہوئے نام ہیں۔

عیسائیوں نے انجیل میں اس قدر ترمیم و تنسیخ کی گویا انجیل ہی باقی نہ رہی۔ چنانچہ یہ پیش گوئی ان الفاظ کے ساتھ اب انجیل میں نہیں ہے۔ لیکن اصل انجیل جو عبرانی میں ہے یہ پیش گوئی پائی جاتی ہے۔ باوجود اس تحریف کے اب بھی بہت سی عبارتوں سے اس پیش گوئی کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً انجیل یوحنا باب ۱۴ میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول ہے اگر تم مجھے عزیز جانتے ہو تو میرے حکموں کو یاد رکھو میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا وہ تم کو دوسرا وکیل دے گا جو

ابدتک تمہارے ساتھ رہے گا یعنی فارقلیط روح صدق جسے دنیا قبول نہیں کرتی۔ چونکہ اسے دیکھتے نہیں جانتے نہیں۔ باب ۱۵ میں ہے جب وہ وکیل شافع جسے میں باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح صدق کہ باپ سے نکلتا ہے آوے تو وہ میرے لیے گواہی بھی دے گا۔ باب ۱۶ میں ہے تمہارے لیے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اُس کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔ جب وہ آئے گا تو جہان کو توبیخ کرے گا اور گناہوں کا الزام دے گا۔ ایسی بہت سی باتیں ہیں کہ اگر میں تم سے کہوں تو تم برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ روح صدق آئے گا تو تم کو بہت سی راستی کی چیزیں دے گا اور وہ میری ستائش کرے گا اس لیے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گا اور تم کو دکھلائے گا۔ سب چیزیں جو باپ کی ہیں مجھ میں۔ اسی لیے میں نے کہا کہ وہ میری چیزیں لے لے گا اور تم کو دکھلائے گا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی پیش گوئیاں ہیں۔ (منقول از حاشیہ قرآن مترجم مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓی اِلَی الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑦ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑧ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨ ع

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ افترا کرے حالانکہ اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ یہ لوگ اپنے منہ سے (پھونک مار کر) خدا کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں حالانکہ خدا اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا اگرچہ کفار بُرا ہی کیوں نہ مانیں۔ وہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے اور تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین بُرا ہی کیوں نہ مانیں۔

اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا کے ایک بھیجے ہوئے رسولؐ کو جھٹلا رہا ہے اس کو ستا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی خدا پر جھوٹے الزام لگا رہا ہے کہ اُس نے ایسے آدمی کو کیوں بھیجا جو ہماری قوم کا نہ تو کوئی رئیس و سردار ہے نہ مالدار۔ چونکہ کفارِ مکہ زیادہ قوت والے تھے اور مسلمانوں کی تعداد کم تھی لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ دین اسلام کا خاتمہ کر دیں۔

اور حضرتؐ کو قتل کر ڈالیں۔ خدا فرماتا ہے یہ وہ چراغ نہیں جو پھونکوں سے بجھایا جا سکے۔ اللہ اس کے نور کو کمال کی حد تک پہنچانے والا ہے۔ خدا نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ تمام ادیان پر اُسے غالب کر دے۔ یہ پیش گوئی اس معنی میں تو پوری ہو گئی کہ ملک عرب میں جتنے ادیان پائے جاتے تھے چند سالوں کے اندر وہ سب دین اسلام کے تحت آ کر رہے۔ ہر خطۂ زمین پر اسلامی پرچم لہراتا ہوا نظر آنے لگا۔ لیکن اس معنی میں اس پیشگوئی کا پورا ہونا باقی ہے کہ دنیا کے تمام ادیان مٹ کر صرف ایک دین اسلام باقی رہ جائے گا۔ یہ صورت ظہور میں آئے گی قائم آل محمدؐ کے ظہور کے وقت انشاء اللہ۔ اس وقت تمام زمین عدل و داد سے اس طرح پُر ہو جائے گی جیسی کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬

اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے دے (وہ یہ ہے) خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مال اور جان سے خدا کی راہ میں جہاد کرو اگر تم سمجھو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے (ایسا کرو گے تو) وہ بھی اس کے عوض تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور پاکیزہ مکانات میں جگہ دے گا جو جاودانی بہشت میں ہیں۔ یہ تو بڑی کامیابی ہے اور دوسری چیز جس کے تم دلدادہ ہو وہ یہ کہ خدا کی طرف سے تم کو مدد ملے گی اور عنقریب فتح ہوگی اور مومنوں کو بشارت دے دو۔

عذاب سے بچانے والی تجارت

تجارت میں کچھ دیا جاتا ہے کچھ لیا جاتا ہے خدا اور بندوں کے درمیان تجارت کی صورت یہ ہے کہ اللہ و رسولؐ پر

ایمان لاؤ اور اپنی جان و مال سے راہِ خدا میں جہاد کرو اس کے بدلہ میں جو کچھ تمہیں خدا کی طرف سے ملے گا وہ ایسے باغات ہوں گے جن کے تلے نہری بہتی ہوں گی اور پھر ان میں تمہارے لیے نہایت شاندار سجے سجائے مکانات ہوں گے۔ اس کے علاوہ دوسری چیز جو تم کو ملے گی وہ اللہ کی نصرت ہوگی اور عنقریب فتح مکّہ تمہیں حاصل ہوگی۔ اس کے بعد تمہیں چین ہی چین ہوگا۔ دُنیا و آخرت دونوں جگہ یہ سودا تمہارے لیے مفید ہوگا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللّٰهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ ۖ فَآمَنَتْ طَائِفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ ۖ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿۱۴﴾ ع ۱۰

اے ایمان والو اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ جس طرح عیسٰی بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا، خدا کی طرف بُلانے میں میرے مددگار کون کون لوگ ہیں۔ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ پس بنی اسرائیل کا ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور دوسرا گروہ منکر ہوگیا۔ پس جو لوگ ایمان لائے تھے کافروں کے مقابلہ میں ہم نے اُن کی مدد کی آخر وہی غالب رہے۔

حضرت عیسٰیؑ باوجود پیغمبر اولوالعزم ہونے کے حواریوں سے مدد مانگ رہے ہیں براہِ راست اللہ سے کیوں نہیں کہتے۔ معلوم ہُوا غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔ پس اگر ہم اپنے ائمہ سے مدد مانگتے ہیں تو اس کو لوگ شرک باللہ کیوں قرار دیتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ مُردوں سے مدد مانگنا جائز نہیں تو جب خدا انہیں مردہ نہیں کہتا تو ہم مردہ مان کر خدا کی نافرمانی کیوں کریں۔ خدا فرماتا ہے وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ "۵/۳۵ سورہ المآئدہ" (اس کی طرف جانے کے لیے وسیلہ تلاش کرو)۔ بس جب حضرت عیسٰیؑ اہلِ حق کی مدد کے لیے وسیلہ تلاش کر رہے ہیں تو ہم پر کیوں الزام ہے۔

اگر خدا کو چھوڑ کر صرف وسیلہ پر ہی اکتفا کر لیا جائے تو بے شک شرک ہے لیکن جب ایسا نہیں تو کفر کیوں لازم آئے اصل مرکزِ توجہ تو صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے وسیلہ اس تک پہنچنے کا ایک قریبی ذریعہ ہے۔ ہم ائمہ طاہرینؑ سے جب مدد مانگتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا سے سفارش کر کے ہماری حاجت پُوری کرا دیں یا خدا کے اذن سے اُس کے

نمائندے ہو کر خود ہمیں دے دیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص وزیرِ مملکت سے کوئی شے طلب کرے۔ پس وزیر جو کچھ دیتا ہے وہ بادشاہ کا ہی دیا ہُوا دیتا ہے کیونکہ بادشاہ ہی نے اس کو صاحبِ اختیار بنایا ہے۔

---

۶۲ سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۲﴾ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳﴾ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۴﴾

آسمان و زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہیں حقیقی بادشاہ وہی ہے پاک و پاکیزہ ہے غالب ہے حکمت والا ہے۔ وہ وہ ہے جس نے مکّہ والوں میں ایک رسول کو انہی میں سے بھیجا تاکہ ان پر آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرے اور ان کا تزکیۂ نفس کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اگرچہ وہ پہلے سے کھُلی گمراہی میں ہوں اور اُن لوگوں کی طرف بھی بھیجا جو ابھی تک اُن سے ملحق نہیں ہوئے اور وہ تو غالب و حکیم ہے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ فضل و کرم کا مالک ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام جب خانہ کعبہ کی بنیادیں ڈال رہے تھے تو انہوں نے خدا سے دُعا کی تھی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ

اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔" البقرۃ آیت ۱۲۹ؔ"۔ (اے ہمارے رب اس امّتِ مسلمہ میں ایک رسول کو بھیج جو انہی میں سے ہو تاکہ تیری آیات ان پر پڑھے اور کتاب و حکمت کی انہیں تعلیم دے اور ان کا تزکیۂ نفس کرے بے شک تو عزیز و حکیم ہے۔) خدا نے جناب ابراہیم علیہ السّلام کی اس دعا کو قبول فرمایا۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیات میں اس دُعا کے مطابق اللہ نے ایک رسولؐ کو بھیجا ؎

ہوئی لبطنِ آمنہؓ سے ہویدا دُعائے خلیلؑ اور نویدِ عیسیٰؑ

اکثر مفسرین نے فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ کا ترجمہ کیا ہے جاہلوں میں سے ایک رسول کو بھیج جو انہی میں سے ہو۔ یعنی اُمّیّن کے معنی جاہل کے لیے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ امّی کے معنی یہاں جاہل کے نہیں بلکہ مکّہ والوں کے ہیں۔ اُم کے معنی اصل اور جڑ کے بھی ہیں جیسے زکام کو امّ الامراض اور شراب کو امّ الخبائث کہتے ہیں یعنی تمام برائیوں کی جڑ۔ سورۂ قصصؔ میں ہے وَمَا کَانَ رَبُّکَ مُہۡلِکَ الۡقُرٰی حَتّٰی یَبۡعَثَ فِیۡۤ اُمِّہَا رَسُوۡلًا یَّتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا کُنَّا مُہۡلِکِی الۡقُرٰۤی اِلَّا وَاَہۡلُہَا ظٰلِمُوۡنَ ۝ "آیت ۵۹/۲۸" (اور تمہارا پروردگار جب تک ان باتوں کے صدر مقام میں اپنا پیغمبر نہ بھیج لے اور وہ ان کے سامنے ہماری آیتیں نہ پڑھ دے اس وقت تک بستیوں کو برباد نہیں کر دیا جاتا اور ہم بستیوں کو برباد کرتے ہی نہیں جب تک وہاں کے لوگ ظالم نہ ہوں)۔ یہاں اُمّ کے معنی صدر مقام کے ہیں مکّہ چونکہ ارد گرد کی بستیوں کا صدر مقام تھا اس لیے اس کو امّ القریٰ کہتے تھے اور اس کے رہنے والوں کو امّی۔ پس معنی یہ ہوئے ہم نے مکہ والوں میں ایک رسول کو بھیجا جو انہی میں سے تھا۔ یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ ہم نے جاہلوں میں سے ایک جاہل کو بھیجا۔ یہ اس رسول کی فوقیت نہیں بلکہ منقصت قرار پاتی ہے۔ کیا خدا کو عالموں میں سے کوئی رسول نہ ملتا تھا جو اس نے جاہلوں میں سے ایک جاہل کو منتخب کیا۔ رسول تو کسی حالت میں بھی جاہل ہو ہی نہیں سکتا۔ النّبیُّ نبیٌّ ولو کانَ صبیًّا (نبی تو نبی ہی ہوتا ہے اگرچہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔) جناب ابراہیمؑ نے تعمیرِ کعبہ کے وقت جو دُعا کی تھی اس کے پہلے حصہ پر بھی غور کیجئے۔ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ (۲/۱۲۸ سورہ البقر) "اے ہمارے رب ہم دونوں باپ بیٹوں کو اپنا مسلمان بندہ بنائے رکھنا اور ہماری اولاد کو بھی امّتِ مسلمہ بنائے رکھنا"۔ چند الفاظ کے بعد یہ دُعا وَابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ۔"البقر ۲/۱۲۹" (اور اس امّتِ مسلمہ میں سے ایک رسول کو بھیج۔) یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا اسلام تو بلا واسطہ تھا۔ اِذۡ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ ۱۳۱/۲ سورہ البقر" (جب ان کے رب نے کہا اسلام لاؤ تو انہوں نے کہا میں رب العالمین پر اسلام لایا۔) اس طرح کا اسلام یعنی بلا واسطہ وہ اپنی اولادِ خاص کے لیے مانگ رہے ہیں کہ میری طرح وہ بھی مسلمان پیدا ہوئے ہوں کسی نے ان کو کافر سے مسلمان نہ بنایا ہو۔ اور اسی امّتِ مسلمہ میں سے وہ ایک رسول کی بعثت کے لیے دُعا مانگ رہے ہیں پس کیسے ممکن ہے کہ جو رسول امّتِ مسلمہ میں سے مبعوث ہو وہ جاہل ہو۔ پس معلوم ہوا کہ رسول جس امّتِ مسلمہ میں سے مبعوث ہوا وہ مکہ والوں میں سے تھی اور انہی کے ایک فرد رسولؐ تھے۔ جب تک اس امّتِ مسلمہ کا ایک شخص پیدا نہ ہوا رسولؐ نے اعلانِ رسالت نہ کیا۔ یہ ایک شخص حضرت امیر المومنین علیہ السلام تھے۔ امّت کا لفظ فردِ واحد پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے سورہ نحل میں ہے۔ اِنَّ اِبۡرٰہِیۡمَ کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِّلّٰہِ حَنِیۡفًا (ابراہیم خدا کے فرمانبردار بندے تھے)۔ ۱۶/۱۲۰

حضرتؐ مکّہ کے جاہلوں کی تعلیم کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اگر وہ خود جاہل ہوتے تو ان کو کیا تعلیم دیتے۔ رہا بعد بعثت عالم ہونا تو یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک شخص چالیس سال تک جاہل محض رہے اور یکایک وہ تعلیم یافتہ ہو جائے اور چالیس سال پہلے اس کا کوئی عمل جاہلوں کا سا نہ ہو۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىۃَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡہَا کَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۝۵ قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ ہَادُوۡۤا اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّکُمۡ اَوۡلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ۝۶ وَلَا یَتَمَنَّوۡنَہٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ۝۷ قُلۡ اِنَّ الۡمَوۡتَ الَّذِیۡ تَفِرُّوۡنَ مِنۡہُ فَاِنَّہٗ مُلٰقِیۡکُمۡ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۸ ع

جن لوگوں کے سروں پر توریت لادی گئی پھر انہوں نے اس کے بار کو نہ اُٹھایا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔ جن لوگوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا ان کی کیا بُری مثال ہے اور خدا ظالم لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا۔ اے رسول تم کہہ دو کہ اے یہودیو، اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم ہی خدا کے دوست ہو اور لوگ نہیں تو اگر تم اپنے دعوٰی میں سچے ہو تو موت کی تمنّا تو کرو۔ یہ لوگ ان اعمال کے سبب جو پہلے کر چکے ہیں ہرگز اس کی آرزو نہ کریں گے، اللہ ظالموں کا حال خوب جانتا ہے۔ اے رسول ان سے کہہ دو کہ جس موت سے تم

بھاگتے ہو وُہ ضرور تمہارے سامنے آئے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے ہو وہ تمہیں بتایا جائے گا۔

یہودیوں کا یہ حال تھا کہ وہ توریت کی کتابیں تو لائے پھرتے تھے مگر انہیں پڑھتے پڑھاتے نہ تھے ؎

نہ محقق بود نہ دانشمند
چار پائے برو کتابے چند

شیخی یہ تھی کہ ہم توریت کے عالم ہیں حالانکہ اس کے علوم سے قطعاً بے بہرہ تھے۔ دوسرے یہ خبط ان پر سوار تھا کہ بس وہی خدا کے نرالے دوست ہیں۔ کہا کرتے تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ ۵/۱۸ المائدۃ۔ ہمیں اللہ کے دوست ہیں ہم ہی اللہ کی اولاد ہیں۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ وہ ہمیں جہنم میں جلائے۔ لہٰذا ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو ذرا تمنائے موت تو کرو۔ جب قیامت میں تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا تو مرنے سے ڈرتے کیوں ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمنائے موت کرنا اولیائے خدا کا کام ہے۔ دُنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ اوّل وہ جو موت کے نام سے کانپنے لگتے ہیں۔ دوسرے وہ جو سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ٹلنے والی نہیں بغیر کسی اضطراب کے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ تیسرے وہ ہیں جو بقائے الٰہی کے شوق میں موت کی تمنا کرتے ہیں۔ یہ خصوصیت اہلبیتِ رسولؐ کے سوا دوسروں میں نہیں پائی جاتی۔ جب موت کا پسینہ آتا ہے تو بڑے بڑے قوی دل کانپنے لگتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ جیسا نبی موت کی صورت دیکھ کر پریشان ہو کر کہنے لگتے ہیں کہ اے میرے معبُود اس تلخی کے لیے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اگر اہلبیتِ رسولؐ نہ ہوتے تو ان کا یہ بیان بے معنی ہو کر رہ جاتا دیکھو حضرت امیرالمومنینؑ ابن ملجم کی تلوار کا زخم کھا کر اور خون میں نہا کر کیا فرماتے ہیں، فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ (ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔) ہے کوئی موت کو کامیابی کہنے والا۔ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں تو امام حسنؑ سے یہ فرماتے ہوئے جاتے ہیں، "بیٹا تیرا باپ موت کا اتنا ہی مشتاق ہے جتنا ایک بچہ اپنی ماں کی پستان کا ہوتا ہے۔ واللہ ابوطالب کے بیٹے کو قطعاً اس کی پرواہ نہیں کہ وہ موت پر جا پڑے یا موت اس پر آ پڑے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً

اَوْ لَهْوَا ِۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱ ع

ع ۲ / ۱۲

اے ایماندارو، جب نمازِ جمعہ کے لیے اذان دی جائے تو ذکرِ خدا کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔ اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ جب نماز پڑھ لی جائے تو روئے زمین پر جہاں چاہو جاؤ اور اپنی روزی تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو اور ان لوگوں کی حالت تو یہ ہے کہ جب سودا بکتا یا تماشہ ہوتا دیکھتے ہیں تو تمہیں کھڑا چھوڑ کر جھٹ چلے جاتے ہیں ان سے کہہ دو کہ اللہ کے نزدیک اس تماش بین اور تجارت میں کوئی بہتری نہیں۔ اللہ بہتر رزق دینے والا ہے۔

ایک بار ہوا یہ کہ حضورؐ مسجد میں نمازِ ظہر پڑھا رہے تھے کہ شام کا ایک تجارتی قافلہ ڈھول بجاتا آ پہنچا۔ بس پھر کیا تھا نماز توڑ توڑ کر تُو چل میں چل ساری مسجد خالی ہو گئی صرف بارہ آدمی حضرتؐ کے پیچھے رہ گئے۔ کوئی خریداری کے شوق میں بھاگا اور کوئی ڈھول کی آواز سُن کر دوڑا کہ دیکھیں کیا تماشہ ہے۔ ختم نماز کے بعد حضرتؐ نے مڑ کر دیکھا تو صحابۂ کرامؓ کی یہ شان نظر آئی۔ غضبناک لہجہ میں بقیہ لوگوں سے فرمایا اگر تم بھی چلے جاتے تو خدا ایک ایسی آگ بھیجتا کہ تم سب جل کر خاک ہو جاتے۔

یہ روح پرور مناظر ایک بار نہیں کئی بار پیش آئے اور ایسا تو اکثر ہوا ہی کرتا تھا کہ لوگ حضرتؐ سے پہلے ہی رکوع میں چلے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضورؐ نے فرمایا، لَا تَسْبِقُوْنِيْ فِي الرُّكُوْعِ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِيْ كَمَا اَرَاكُمْ مِنْ قُدَّامِيْ۔ (تم مجھ سے پہلے رکوع میں نہ جایا کرو میں پیچھے سے بھی تم کو اسی طرح دیکھتا ہوں جیسے آگے سے دیکھتا ہوں۔) اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں حضورؐ کا اتباع کوئی ضروری امر نہ سمجھا جاتا تھا۔

---

(۶۳) سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾

جب یہ منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم اس کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا لیا ہے۔ بس راہِ خدا سے لوگوں کو روکتے ہیں یہ لوگ بے شک بُرا کام کرتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پس ان کے قلوب پر مُہر لگا دی گئی اس لیے یہ سمجھتے نہیں۔

اس سورہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضورؐ مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے ایک شخص عبداللہ بن ابی انصار کے دونوں قبیلوں اوس و خزرج کا سردار تھا۔ بڑا صاحبِ اثر تھا۔ یہ قبیلہ خزرج ہی سے تھا لیکن ان کے مخالف قبیلہ اوس پر بھی اس کے خاصے اثرات تھے۔ گویا یہ دونوں قبیلوں کا بادشاہ تھا۔ جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے اور انصار نے آپؐ سے بیعت کرنی شروع کی تو عبداللہ کو اپنی سرداری خطرہ میں نظر آئی۔ لوگوں کو حضرتؐ کی بیعت سے روکنا چاہا مگر حق پرستی کا جذبہ اس حد تک ان پر غالب ہوا کہ اس کو اپنی کوشش میں کامیابی نہ ہوئی۔ مجبور ہو کر اس نے بیعت تو کر لی مگر اس کے دل میں حضورؐ کی مخالفت کی آگ بھڑکتی رہی اور در پردہ یہودیوں اور مشرکوں کو حضرتؐ کے خلاف بھڑکاتا رہا اور

مسلمانوں میں جو لوگ اس کے زیرِ اثر تھے ان کو بھی حضرتؐ کے خلاف بھڑکاتا رہا اور اسلام کے احکام کو ان کی نظر میں بے وقعت کرنا چاہتا تھا۔ مختصر یہ کہ منافقوں کی کئی سو کی جماعت بن گئی۔

غزوات کے موقع پر جب لشکرِ اسلام کسی مہم پر روانہ ہوتا تو یہ اپنی جماعت کو روکنے کی کوشش کرتا۔ وہ لوگ کبھی تو یہ غور کرتے کہ ہمارے گھر مردوں سے خالی ہو جائیں گے اگر ہمارے پیچھے دشمن حملہ آور ہوا تو ہمارے گھروں کو لُوٹ کر عورتوں اور بچوں کو قید کر کے لے جائے گا۔ کبھی کہتے گرمی بہت زیادہ ہے ہم اتنا لمبا سفر نہیں کر سکتے۔ کبھی کہتے کہ ہمارے باغوں میں کھجوریں پکی ہوئی ہیں اگر بروقت ان کو نہ توڑیں گے تو خراب ہو جائیں گی۔ کبھی لدھڑ بن کر زمین گیر ہوتے کہ ہم میں چلنے کی طاقت نہیں۔ غرض اس طرح کے عذرِ لنگ کر کے یا تو جانے سے رُک جاتے اور اگر جاتے تو موقع پاتے ہی میدانِ جنگ سے فرار کر جاتے۔ یہی شخص تھا جو جنگِ احد میں اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مدینہ واپس آگیا تھا۔ حضورؐ اس موقع پر کفار کی تین ہزار فوج کے مقابلہ میں جو ایک ہزار فوج لے کر نکلے تھے ان میں سے بھی تین سو الگ ہو گئے اور اب سات سو کو تین ہزار کا مقابلہ کرنا پڑا۔

اگرچہ اس کی سازشوں کا پتہ چل گیا تھا اور اس سے صاحبانِ ایمان متنفر ہوتے جاتے تھے لیکن جب حضورؐ یا اصحابِ خاص ان کے نفاق کی قلعی کھولتے تو ہزاروں جھوٹی قسمیں کھا کر کہنے لگتے کہ یہ سب افترا پردازی ہے۔ جب مجمع میں حضرتؐ کوئی تقریر فرماتے تو کھڑے ہو کر حضرتؐ کی تعریفیں کرنے لگتا اور اپنے آپ کو حضرتؐ کا سچا فرمانبردار ہونا ظاہر کرتا لوگوں نے اس کے قتل کی حضرتؐ سے اجازت بھی چاہی مگر آپؐ نے انکار کیا اور فرمایا، میں لوگوں سے یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ محمدؐ پہلے تو لوگوں کو اپنے دین میں داخل کرتے ہیں پھر خود ہی انہیں قتل کرا دیتے ہیں۔

وہ انصار کے گھر جا جا کر انہیں سمجھاتا تھا کہ ان مہاجروں کو پناہ دے کر تم نے ایک آفت مول لے لی۔ تم نے ان کو گھر دیئے دولت دی مگر اس پر بھی یہ تمہارے نہ ہوئے۔ پھر یہی لوگ تمہاری اتنی بڑی جماعت پر غالب آگئے ہیں۔ یہ لڑائیوں میں تمہیں کٹوا کر خود تم پر حکومت کرنی چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے بچے ان کے دروازوں پر بھیک مانگتے نظر آئیں گے۔ اس کی اس زہریلی تقریر کا منافقوں پر بڑا اثر ہوتا۔

غزوہ بنی مصطلق سے جب حضورؐ واپس تشریف لا رہے تھے تو اس عبداللہ نے کہا کہ جب ہم مدینہ میں داخل ہوں گے تو ان کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔ یہ خبر حضرتؐ تک پہنچ چکی تھی۔ اور مسلمانوں میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو اسی عبداللہ بن ابی سلول کا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ تھا تلوار سونت کر باپ کے سامنے آکھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اگر بغیر حضورؐ کی اجازت کے ایک قدم آگے بڑھایا تو اس تلوار سے تیرا سر اُڑا دوں گا۔ اس وقت تجھے پتہ چلے گا کہ کون عزیز ہے اور کون ذلیل۔ عبداللہ چیخ چیخ کر کہنے لگا، لوگو! ذرا یہ تماشا دیکھو کہ میرا بیٹا میرے قتل پر آمادہ ہے یہ ہے اسلام کی تعلیم کا اثر۔ جب حضرتؐ کے پاس یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے اس کے بیٹے کے پاس حکم بھیجا کہ ایسا نہ کرے۔

اس واقعہ سے یہ تو سمجھ میں آگیا کہ حضرتؐ کی حیات میں کم سے کم تین سو منافق مدینہ میں موجود تھا۔ بعض کی منافقت کا پردہ چاک ہو گیا تھا اور بعض ٹٹی کی آڑ میں تھے۔ لیکن اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہوگی کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یہ سب یکایک

غائب ہو گئے۔ خدا جانے آسمان نے کھینچ لیا یا زمین نگل گئی۔ تاریخوں میں پھر ان کا ذکر نہیں آتا۔ یہ سب مِل جُل گئے کہ اُن کے درمیان تمیز ہی اُٹھ گئی۔ سوال یہ ہے کہ جب یہ منافق در پردہ اسلام کی بیخ کنی کر رہے تھے تو پھر حضورؐ نے ان کو اپنے ساتھ کیوں رکھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کو جماعت سے خارج کر دیا جاتا تو یہ کُھلم کُھلا آمادۂ فساد ہو جاتے اور مدینہ میں خونریزی شروع ہو جاتی۔ اور اس طرح شیرازہ بکھر جانے سے مفادِ اسلامی کو سخت نقصان پہنچ جاتا۔ انصار کی اکثریت مہاجرین سے جُدا ہو جاتی۔ دوسرے چاہے کیسے ہی تھے مگر ان سے لشکر کی تعداد تو بڑھ جاتی، جس سے دشمن پر اثر پڑتا تھا۔ تیسرے جب زبان سے لا الٰہ الاّ اللہ محمّد رسول اللہ کہتے تھے تو اس اقرار کے بعد ان کو مسلمانوں کی صف سے خارج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ورنہ یہ الزام آتا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد بھی یہ لوگ چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ چوتھے ان کو خارج کرنے کے بعد جو ان کے رشتہ دار ہوتے وہ بگڑ جاتے اور رفتہ رفتہ وہ بھی علیحدہ ہونے شروع ہو جاتے۔ نفاق دل کی بیماری ہے وہ کسی کے چہرے سے تو ظاہر نہیں ہوتی لہٰذا ظاہر پر عمل کرنا ضروری تھا۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ④ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ⑤

جب تم ان کا ڈیل ڈول دیکھو گے تو تعجب کرو گے (موٹے تازے) اور جب وہ بولیں گے تو اس طرح کہ تم توجّہ سے سنو گے۔ (مگر عقل سے خالی) گویا بیکار لکڑی کے کندے دیوار سے لگے ہوئے ہیں جو ہر چیخ کی آواز کو یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر آ پڑی۔ وہ دشمن ہیں پس ان سے بچے رہو۔ اللہ انہیں مار ڈالے یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ کہ رسولؐ اللہ تمہارے لیے مغفرت کی دُعا کریں تو وُہ لوگ اپنے سر پھیر لیتے ہیں اور تم انہیں دیکھو گے کہ از راہِ تکبّر منہ موڑے ہوئے ہیں۔

یعنی یہ منافق جسمانی لحاظ سے اچھے خاصے ہیں لیکن جب رسولِ خدا کی خدمت میں آتے تو دیواروں کی طرح اس طرح تکیئے لگا کر بیٹھتے ہیں جیسے لکڑی کے کُندے دیوار سے لگے ہوں اور باتیں بڑی لچھے دار کرتے۔ جن سے معلوم ہوتا کہ رسولؐ کے بڑے خیر خواہ اور اسلام کے بڑے سچے جاں نثار ہیں۔ ہر آواز کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے خلاف اُٹھ رہی ہے۔ یعنی چونکہ ان کے دل میں چور ہے اور اپنے نفاق کے کُھل جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے لہٰذا جب کوئی بولتا ہے تو اس پریشانی میں رہتے ہیں کہ یہ کہیں ہمارے خلاف تو نہیں بول رہا۔
جب کسی کا راز فاش ہونے پر اہلِ ایمان اس سے کہتے ہیں آؤ رسولؐ اللہ کے پاس چلیں تاکہ وہ تمہارے لیے دعائے مغفرت کریں تو اس بات کو توجہ سے نہیں سنتے اور اپنا سر پھیر لیتے ہیں یعنی یہ سننا بھی نہیں چاہتے کہ حضورؐ ان کے لیے استغفار کریں۔ یہ ہے ان کے غرور و تکبّر کا معاملہ۔ گویا خدا سے مغفرت طلب کرنا اپنے لیے توہین سمجھتے ہیں۔

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ⑥ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا ۗ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ⑦

اے رسول ان کے لیے تمہارا استغفار کرنا اور نہ کرنا برابر ہے اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ خدا بدکار لوگوں کو منزلِ مقصود تک کبھی نہیں پہنچاتا۔ یہ وہی لوگ ہیں (جو اپنے ساتھیوں سے کہتے ہیں) جو لوگ (مہاجرین) رسول کے پاس رہتے ہیں ان پر (ایک پائی) خرچ نہ کرو تاکہ یہ تتر بتر ہو جائیں (ان کو معلوم نہیں) آسمان و زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہے لیکن یہ منافق سمجھتے نہیں۔

منافق کے لیے اگر رسولؐ بھی استغفار کریں تو قبول نہ ہوگا۔ یہ منافق وہی لوگ ہیں جو ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ان مہاجروں کی مدد کرنا چھوڑ دو۔ پریشان ہو کر یہ خود بھاگ کھڑے ہوں گے۔ ان بدبختوں کو یہ پتہ نہیں کہ آسمان اور زمین کے خزانوں کا مالک تو خدا ہے ان کے پاس ہے ہی کیا۔ اگر یہ ان کی مدد کرنا روک دیں گے تو خدا تو ان کی مدد کرنے والا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات آتی ہی نہیں۔

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩﴾ وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠﴾ وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١١﴾

یہ منافق یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو جو عزیز (عزت والے) ہیں یعنی منافق وہ ذلیل ترین (مہاجرین) کو (مدینہ سے) نکال دیں گے۔ (ان احمقوں کو) یہ خبر ہی نہیں کہ خالص عزت تو اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے۔

اے ایمان والو، تمہارے اموال اور اولاد تمہیں ذکرِ خدا سے غافل نہ کر دیں۔ جو لوگ ایسا کریں گے وہ خسارہ میں رہیں گے۔ جو ہم نے رزق دیا ہے اس سے پہلے کہ تمہیں موت آئے اس میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ورنہ یہ کہو گے، اے پروردگار تو اگر تھوڑی سی مہلت دے دے تو میں خیرات کروں اور نیک بندوں میں سے ہو جاؤں۔ جب کسی شخص کی موت آجائے گی تو خدا ہرگز تاخیر روا نہ رکھے گا اور اللہ تو اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

جیسا کہ ہم تم سے بیان کر چکے ہیں منافق یہ بھی کہتے تھے کہ اصلی عزت دار تو ہم ہیں۔ یہ رسولؐ اور ان کے ساتھی سب ذلیل ہیں۔ مدینہ پہنچتے ہی ہم ان کو نکال باہر کریں گے۔ جو کچھ عزت انہیں ملی ہے وہ ہم ہی سے تو ملی ہے ان کمبختوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اصلی عزت کے مالک تو خدا و رسولؐ اور مومنین ہیں۔ تم کیا اور تمہاری عزت کیا۔ تم تو اوّل درجے کے ذلیل ہو۔

اس کے بعد اہلِ ایمان سے فرمایا جو رزق ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے کچھ مرنے سے پہلے راہِ خدا میں دو ورنہ جب موت کا وقت آجائے گا تو پھر ہٹے گا نہیں اور حسرت بھرے لہجے میں یہی کہتے رہ جاؤ گے کاش تھوڑی سی مہلت اور مِل جاتی تو ہم خیرات کر کے نیک بندوں میں ہو جاتے۔ اب ایسا کہنے سے کیا ہوتا ہے۔

ع اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت

---

(۶۴) سُورَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۸)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢﴾ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿٣﴾ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤﴾

جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اسی کے لیے حکومت ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پس بعض تم میں سے کافر ہیں اور بعض مومن اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کا دیکھنے والا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے اور اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور کیسی اچھی صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو

یا ظاہر کرتے ہو اس سے بھی واقف ہے اور اللہ تعالیٰ دل کے بھیدوں تک سے آگاہ ہے۔

خداوند عالم نے ان آیات میں چند باتوں کو بیان فرمایا ہے پہلے یہ کہ ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہماری طرح کرتی ہیں۔ ہر مخلوق کی تسبیح جداگانہ ہے۔ دوسرے یہ بھی مراد لے سکتے ہیں کہ ہر شے کا وجود ایسا کامل اور پُراز حکمت ہے کہ اس کا خالق حمد کیے جانے کا سزاوار ہے اور اس تمام کائنات پر اس کی حکومت ہے اور حمد کا حقیقی مستحق وہی ہے کیونکہ کوئی اس سے بالاو برتر نہیں۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ نے سب لوگوں کو پیدا کیا ہے مگر جبر کسی پر نہیں کیا بلکہ صاحبِ اختیار بنایا ہے۔ اسی وجہ سے تم میں بعض مومن بنے اور بعض کافر ہو کر رہ گئے لیکن اس کے ساتھ وہ ہر شے کو دیکھ بھی رہا ہے۔

اُس نے آسمانوں کو حق پر پیدا کیا ہے یعنی ان کی ساخت پُراز حکمت ہے، لونڈوں کا کھیل نہیں۔ ایک ایک ڈالی اور ایک ایک پتہ بے شمار حکمتوں سے پُر ہے۔ پھر فرماتا ہے تمہاری صورتیں کیسی بنائی ہیں اور کیسی اچھی بنائی ہیں۔ صورت سے مراد چہرہ نہیں بلکہ سارا بدن ہے۔ تناسبِ اعضا کا نام حسن ہے۔ بس اس کارساز نے انسان کو ایسے مناسب اعضا دیئے ہیں اور اس کے اندر ایسے ایسے راز ودیعت فرمائے ہیں کہ آدمؑ سے لے کر اب تک کسی کی سمجھ میں نہیں آئے۔ بدن کا ایک ایک خلیہ ایک ایک ریشہ خون کا ایک ایک قطرہ اسرارِ الٰہیہ کا خزانہ ہے۔ پھر اُس نے جو چیزیں بنائی ہیں ان کی ہر بات کو جانتا ہے۔ عمل کرنے والا کوئی کام چھُپ کر کرے یا ظاہر میں، ہر بات اس کے علم میں آجاتی ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ز فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ز فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ط قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷﴾

کیا تم لوگوں کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا تھا اور انہوں نے اپنے کام کی

سزا کا (دُنیا میں) مزہ چکھا اور آخرت میں تو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے پاس رسول معجزات لے کر آئے تو انہوں نے کہا کیا آپ آدمی ہو کر بھی ہدایت کریں گے اس بنا پر انکار کر دیا، منہ پھیر لیا تو اللہ بھی ان سے بے پرواہ ہو گیا اور اللہ بے پرواہ قابلِ حمد ہے کافروں نے یہ خیال باندھ رکھا ہے کہ قیامت میں وہ اُٹھائے نہیں جائیں گے۔ اے رسول کہہ دو کہ ہاں قسم ہے میرے رب کی تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے اور جو کچھ تم کر چکے ہو اس سے تمہیں ضرور آگاہ کیا جائے گا اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔

جو لوگ رسولؐ پر ایمان نہیں لاتے تھے ان سے کہا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں ان قوموں کا حال معلوم نہیں کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی بداعمالی کا کیسا بار ان کے سر آ پڑا تھا۔ ان قوموں کے پاس برابر رسول آتے رہے سمجھاتے رہے عذابِ آخرت سے ڈراتے رہے مگر ان کو یہ یقین ہی نہ آیا کہ یہ خدا کے رسول ہیں۔ یہی کہتے رہے کہ اب کیا آدمیوں کے ذریعہ سے ہدایت آنے لگی۔ وہ اس خبط میں مبتلا تھے کہ آدمی کی ہدایت آدمی کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب وہ ہم جیسے ہی ہوئے ہماری طرح چلنا پھرنا کھانا پینا، گھر گرہستی والا ہوتا ہے تو بھلا وہ ہم کو کیا ہدایت کریں گے۔ خصوصیاتِ انبیاء سے وہ بالکل بے خبر تھے۔ ان کے نزدیک ہدایت کے لیے کوئی فرشتہ آنا چاہئے تھا۔ اس بددماغی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر عذاب پر عذاب آتے رہے۔

دوسرے رسولوں کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ رسولوں کی اس تعلیم کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ مرنے کے بعد قبروں سے پھر اُٹھائے جائیں گے۔ وہ کہتے کہ یہ لوگ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو کسی کی عقل میں نہیں آسکتیں۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ ایک آدمی جب گل سڑ کر خاک ہو جائے پھر وہ ایک دن ایسا آئے کہ زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے۔ چونکہ یہ رسالت کے دعویدار ایسی بے سروپا باتیں کرتے ہیں لہٰذا ہم اس کو رسول نہیں مان سکتے۔
خدا ان کو آگاہ کرتا ہے کہ یہ امر ہوگا اور ضرور ہوگا۔ تب تمہارے اعمال کی قلعی کھولی جائے گی۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰

ع ۱۵

پس اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس نور پر جس کو ہم نے نازل کیا اور خدا تو جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے۔ جب قیامت کے روز وہ تم سب کو جمع کرے گا تو یہی دن ہار جیت کا دن ہوگا۔ پس جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے تو خدا اس کی برائیاں دُور کر دے گا اور اُسے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے (برخلاف اس کے) جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور ہماری آیات کو جھٹلایا ہے وہ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

جس نُور کو نازل کیا ہے اس سے مراد قرآن ہے۔

قیامت کے دن سب کو آدمؑ سے لے کر قیامت تک جتنے لوگ پیدا ہوں گے ان سب کو ایک میدان میں جمع کر لیا جائے گا۔ مرد ہوں یا عورت، بچے ہوں یا جوان، بوڑھے ہوں یا کھوسٹ سب موجود ہوں گے کیسی ہل چل کا وقت ہوگا۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا۔ وہاں جانچ پڑتال ہوگی۔ کون مومن ہے کون کافر۔ جو مومن ثابت ہوں گے ان کے لیے تو جنت ہے اور جو کافر ہیں ان کے لیے جہنم ہوگا۔ اور دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی اپنی جگہ پر رہیں گے۔ یہ وہ مدت ہوگی جس کا علم کسی کو نہیں۔ کہ کب تک وہاں رہنا ہوگا۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنی جگہ یہیں دنیا میں بنانی ہے۔ اس زندگی کے بعد پھر کوئی دوسری زندگی ملنے والی نہیں کہ پھر دوبارہ اعمالِ صالحہ کرنے کا موقع مل سکے۔ یہی دنیا مزرعہ آخرت ہے۔ یہاں جیسا بوؤ گے آخرت میں ویسا ہی کاٹو گے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۲ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۱۵

اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو خدا کے اِذن سے آئی جو شخص ایمان لاتا ہے تو خدا اس کے قلب کو ہدایت کرتا ہے اور خدا ہر شے کا جاننے والا ہے اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی پھر اگر تم نے منہ پھیر لیا تو ہمارے رسول پر صرف پیغام کا واضح طریق پر پہنچا دینا فرض ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ایمان والے اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔ اے ایمان والو، تمہاری بی بیوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دُشمن ہیں تم ان سے بچے رہو، (اگر وہ غلطی کریں تو) تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے اور خدا کے یہاں تو بڑا اجر موجود ہے۔

ازواج و اولاد دشمن ہیں

جو مصیبت انسان پر نازل ہوتی ہے اگر خدا چاہے تو اُسے روک دے۔ وہ اپنی مصلحت کی وجہ سے کبھی روکتا ہے کبھی نہیں روکتا۔ جو لوگ صاحبِ ایمان ہیں خدا ان کے دل میں صبر کرنے کی قوت عطا کرتا ہے اور جو منہ پھیرے رہتے ہیں اور حق بات کو نہیں سنتے تو رسولؐ کا فرض تو بس اتنا ہے کہ واضح طریق سے خدا کا پیغام ان تک پہنچا دے۔

اولاد اور ازواج کو جو فتنہ بیان فرمایا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ حضرتؐ کے مدینہ آنے کے بعد کچھ لوگ جب ہجرت کرنا چاہتے تھے تو ان کے بی بی بچے ان کو روکتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کے جانے کے بعد ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے اس پر وہ لوگ رُک جاتے تھے۔ خدا نے ان کے آگاہ کرنے کو یہ آیت نازل کی اور بتایا کہ یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں جو ہجرت کی مخالفت کر کے تمہیں دشمنوں میں رکھنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا تم ان سے بچے رہو

اور ہجرت اختیار کرو۔ اور جو لوگ آجاتے تھے اور اپنے بی بی بچوں پر عتاب کرنا چاہا تو خدا نے اُن کو اس سے روکا ہے۔ اور ان کو ہدایت کی ہے کہ انہیں معاف کردو۔ ان سے درگزر کرو، ان کی غلطی کو بخش دو تاکہ تمہارے اور ان کے درمیان تعلقات باقی رہیں۔ مال اور اولاد تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ کبھی تو مال کی محبت تم کو امرِ نیک سے روکتی ہے اور کبھی اولاد کی محبت۔

بات یہ ہے کہ خدا نہیں چاہتا تھا کہ کوئی مومن مشرکوں میں گھرا رہے کیونکہ اس صورت میں ان کے لیے بہت سے خطرات تھے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کافروں کے خوف سے یا ان کے طمع دلانے کی وجہ سے پھر کفر اختیار کرلیں۔ ہجرت کی صورت میں جن تکالیف کا ان کو سامنا ہو انہیں خوشی سے برداشت کرلیں تاکہ آئندہ ان کے لیے بہتری کا باعث ہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

بس جہاں تک تم سے ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے احکام سُنو اور ان کو مانو اور اپنی بہتری کے لیے (اس کی راہ میں) خرچ کرو اور جو شخص اپنے نفس کو حرص سے بچالے گیا تو ایسے ہی لوگ اپنی مرادیں پانے والے ہیں۔ اگر تم خدا کو قرض جس قدر دوگے تو وہ تمہارے لیے دونا کردے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تو بڑا قدردان و بردبار ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر سب جاننے والا ہے، غالب اور حکمت والا ہے۔

اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ جتنی جتنی کسی میں طاقت ہو اللہ سے ڈرے اور اپنے نفس کو حرص سے بچائے رکھے کہ اس میں اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

﴿۶۵﴾ سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ﴿۹۹﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴿۱﴾

عدہ طلاق

اے نبی (مسلمانوں سے کہہ دو) کہ جب تم اپنی بی بیوں کو طلاق دو تو ان کی عدّت (پاکی) کے وقت طلاق دو اور عدہ کا شمار رکھو اور اپنے پروردگار خدا سے ڈرو اور عدہ کے اندر انہیں گھر سے نکالو اور وہ خود بھی گھر سے نہ نکلیں مگر جب وہ صریحی بے حیائی کا کام کریں (تو نکال دینے میں مضائقہ نہیں) اور یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جو خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ تو نہیں جانتا کہ شاید خدا اس کے بعد کوئی بات پیدا کرے۔

طلاق بدرجہ مجبوری ہے جب کسی صورت زن و مرد کے درمیان اتفاق کی پیدا نہ ہو تو پھر آخری درجہ طلاق ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا، اَبْغَضُ الْاَشْيَآءِ عِنْدِي الطَّلَاقُ (سب سے بُری چیز میرے نزدیک طلاق ہے)۔ عورت کو طلاق ایامِ حیض میں نہ دی جائے۔ اس کی مفسرین نے دو وجہیں لکھی ہیں پہلی یہ کہ طلاق کے بعد عدت تین بار حیض سے پاک ہونا ہے۔ اگر حالتِ حیض میں طلاق دی جائے گی تو حکم خدا کے

خلاف چار حیض ہو جائیں گے ۔ دوسرے اس میں ایک طبّی راز ہے ۔ وہ یہ کہ حالتِ حیض میں عورت کے مزاج میں ناہمواری پیدا ہو جاتی ہے اور وہ باہمی جھگڑے کو رفع دفع کرنے میں اکثر اوقات مانع ہو جاتی ہے ۔ اگر بحالتِ مرد مباشرت کر چکا ہو تب بھی اس وقت تک طلاق نہ دے جب تک حمل کے نہ ہونے کا یقین نہ ہو جائے مصلحت یہ ہے کہ شاید بچّہ کے خیال سے عورت و مرد کے خیالات میں کچھ تبدیلی ہو جائے اور مرد طلاق سے رُک جائے ۔

دو بار طلاق کے بعد عدہ کے اندر بغیر نکاح مرد عورت کی طرف رجوع کر سکتا ہے لیکن اگر دوسری بار رجوع کرنے کے بعد پھر تیسری بار طلاق دے گا تو اب عورت کی طرف رجوع نہیں کر سکتا، تاوقتیکہ وہ عورت ایک دوسرے مرد سے عقد کرے اور وہ مرد بخوشی خاطر اُسے طلاق دے ایسے مرد کو محلل کہتے ہیں ۔ اس کی طلاق کے بعد پہلا شوہر نکاح کر سکتا ہے ۔ تیسری بار طلاق، طلاقِ بائن کہلاتی ہے اور دو بار کی طلاقِ رجعی ہوتی ہے ۔

طلاق کے بعد ختمِ عدّہ تک مرد مطلقہ عورت کو گھر سے نہیں نکال سکتا اور نہ عورت کو چاہیئے کہ وہ گھر سے باہر قدم رکھے ۔ ہاں اگر عورت بدکاری اختیار کرے تو نکال سکتا ہے ۔ عدّہ تک روکنا اسی مصلحت سے ہے کہ شاید اس مدّت میں مرد اور عورت کے درمیان موافقت ہو جائے اور مرد رجوع کر لے ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غصّہ کی حالت میں مرد بے سوچے سمجھے طلاق دے دیتا ہے لیکن جب غصّہ فرو ہو جاتا ہے تو پچھتاتا ہے ۔ لہٰذا قدرت نے زن و مرد دونوں کو سوچنے کا یہ موقع دیا ہے ۔ مطلقہ عورت کو خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن، شوہر کو عدہ تک اس کے تمام اخراجات برداشت کرنا ہوں گے ۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ۬ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾

جب یہ اپنا عدہ پُورا کرنے کے قریب پہنچیں تو یا تو انہیں بعنوان شائستہ روک لو یا اچھی طرح رخصت ہی کر دو اور (طلاق کے وقت) اپنے لوگوں میں سے دو عادل لوگوں کو گواہ قرار دے لو ۔ اور گواہو تم خدا کے واسطے ٹھیک ٹھیک گواہی دینا ۔ ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو خُدا اور

روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جو خُدا سے ڈرے گا تو وُہ اس کے لیے نجات کی صورت نکال دے گا ۔

طلاق کے بعد جب عدّہ ختم ہونے کے قریب آئے گا تو یا تو بعنوان شائستہ اُسے روک لو، نکاح کی ضرورت نہیں ۔ اور اگر علیحدگی ہی کی ٹھان لی ہے تو شریفانہ طریقہ سے رخصت کر دو ۔ ہاں یہ یاد رکھو کہ صرف زبان سے یہ کہہ دینا یا کاغذ پر لکھ کر بھیج دینا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی کافی نہیں جب تک باقاعدہ صیغۂ طلاق جاری نہ کیا جائے ۔ ایک عالم صیغۂ طلاق پڑھے اور دو عادل گواہ اس کے سننے والے ہوں ۔ ان گواہوں کو چاہیئے کہ صحیح صحیح گواہی دیں یعنی لوگوں سے یا اس عورت کے متعلق جس کو طلاق دی گئی ہے بیان کریں کہ ہمارے سامنے شرعی طلاق دی گئی ہے ۔ جو احکامِ الٰہی کی پابندی کرے گا تو خدا اس کے لیے نجات کی صورت پیدا کر دے گا ۔

وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ وَالّٰٓـِٔیْ یَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ﴿۴﴾ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴿۵﴾

اور ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے تو خدا اس کے لیے کافی ہے ۔ بے شک خدا اپنے کام کو پورا کر کے رہتا ہے ۔ خدا نے ہر چیز کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے ۔

اور جو تمہاری عورتیں حیض سے مایوس ہو جائیں اگر تم کو ان کے عدّہ میں شک ہو تو ان کا عدہ تین مہینے ہے اور وہ (اس طرح) جن کو ابھی حیض ہُوا ہی نہیں ان کا عدّہ تین ماہ ہے اور حاملہ عورتوں کا

عدّہ تا وضع حمل ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اُس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔ یہ خدا کا حکم ہے جو خدا نے تم پر نازل کیا ہے۔ اور جو خدا سے ڈرتا رہے گا وہ اُس کے گناہ اس سے دُور کر دے گا اور اُسے بڑا اجر دے گا۔

عدّہ طلاق کی حسبِ ذیل صورتیں ہیں :

۱۔ جب اس میں شک ہو کہ اُس کا خون زیادہ سن ہونے کی وجہ سے بند ہوا ہے یا بیماری کی وجہ سے تو اس کا عدّہ تین ماہ ہے۔

۲۔ جس عورت کا سن اتنا زیادہ ہو گیا ہو جس میں حیض نہیں آتا تو اُس پر عدّہ نہیں۔

۳۔ نابالغ لڑکیوں کے لیے بھی عدّہ نہیں۔ عدّہ صرف اُن عورتوں سے متعلق ہو گا جن کا سن حیض آنے کا ہو مگر کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے نہ آتا ہو۔

۴۔ حاملہ عورت کا عدّہ اس بچّہ کے پیدا ہونے تک ہے جو اُس کے بطن میں ہے۔ یہ خدا کا حکم ہے اس کو ماننا چاہیئے۔ تاکہ خدا گناہ معاف کر کے اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولٰتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝٦ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝٧

مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق عدّہ تک وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو اور انہیں تنگ

کرنے کے لیے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو بچّہ جَننے تک ان کا خرچ دیتے رہو پس تمہاری خاطر سے دُودھ پلائیں تو انہیں اس کی مناسب اُجرت دے دو اور باہم صلاحیت سے دستور کے مطابق بات چیت کرو۔ اگر تم باہم کشمکش کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی گنجائش والے کو اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے اور جس کی روزی تنگ ہو تو جتنا خدا نے اُسے دیا ہے اُس کے مطابق خرچ کرے گا۔ خدا نے جتنا دیا ہے اُس کے لحاظ سے تکلیف دیتا ہے عنقریب ہی تنگی کے بعد فراخی عطا کرے گا۔

ہم لوگوں میں کیا بُرا دستور ہے کہ حکمِ خدا کے خلاف طلاق دے کر ہی عورت کو اپنے سے جُدا کر دیتے ہیں اور پھر اُس سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ حالانکہ ختمِ عدّہ تک یعنی تین ماہ اُسے اپنی حیثیت کے مطابق کھانا کپڑا دینا چاہیئے۔ اگر وُہ حاملہ ہو تو بچّہ جلنے تک اُسے الگ نہیں کرنا چاہیئے۔ جب بچّہ پیدا ہو تو اگر ماں کا دودھ پلوانا ہے تو اُس کی اُجرت طے کر لینی چاہیئے۔ یہ اُجرت امیر و غریب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق طے کریں۔ اور اس صورت پر اگر اتفاق نہ ہو تو کسی اور عورت سے پلوائیں اور اُس سے معاملہ طے کریں۔ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اجرت طے کرے۔ خدا کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اگر احکامِ خداوندی کا پاس و لحاظ رکھا جائے تو اللہ بہت جلد تنگدستی کو فراخی سے بدل دے گا۔

غور کرو اسلام نے عورت کے حقوق کا کتنا لحاظ رکھا ہے۔ مگر بہت سے شوہر ایسے ظالم ہوتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک حکم کا لحاظ نہیں رکھتے اور طلاق دیتے ہی گھر سے نکال دیتے ہیں۔ اور اگر اختلاف کی صورت میں عورت اپنے میکہ میں یا کسی عزیز کے یہاں چلی جائے تو اس کا نان و نفقہ روک لیتے ہیں اور صرف طلاق کی اطلاع دینا ضروری سمجھتے ہیں باقی قصہ کوتاہ۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝٨ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝٩ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ ۛۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝١٠

رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ

بہت سی بستیوں والے ایسے تھے کہ انہوں نے خدا کا حکم نہ مانا اور حکم رسول سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا بڑی سختی سے حساب لیا اور انہیں بڑے عذاب کی سزا دی۔ پس انہوں نے اپنے کام کی سزا کا مزا چکھ لیا اور ان کے کام کا انجام گھاٹا ہی تھا اور خدا نے ان کے لیے سخت عذاب مہیّا کر رکھا ہے۔ پس اے عقلمندو جو ایمان لا چکے ہو خدا سے ڈرتے رہو۔ تمہارے پاس ذکر اپنا رسول بھیج دیا ہے جو اللہ کی واضح آیتیں پڑھتا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عملِ صالح کرتے ہیں ان کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے جائے۔

یہاں مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے واقعات سے سبق حاصل کرو جنہوں نے خدا کی نافرمانی کر کے اپنی تباہی مول لی تھی اور خدا نے ان پر سخت عذاب نازل کیا تھا۔ ان کی اس سرکشی کا نتیجہ کیسا تباہ کن ہوا وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ گھاٹے میں رہے۔ اے عقلمندو! پچھلی قوموں کے واقعات سے سبق حاصل کرو۔ اور بھولے سے بھی بدکاریوں اور خدا کی نافرمانیوں کی طرف نہ جاؤ۔ خدا نے تمہاری طرف ایک ذکر کو بھیجا جو خود رسولؐ ہیں۔ معلوم ہوا رسول کا ایک نام ذکر بھی ہے۔ اسی بنا پر آیہ فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ ۴۳/۱۶ النحل " (اگر تم نہیں جانتے تو ذکر والوں سے پوچھ لیا کرو) یعنی اہلبیتؑ رسولؐ سے۔ بعض لوگوں نے ذکر سے مراد قرآن کو لیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے تمہارے پاس قرآن کو بھیجا ہے اور اپنا رسول بھیجا ہے۔ پھر دونوں کے درمیان حرفِ عطف نہیں اور آیت پر لا ہے تو یہ معنی صحیح نہ ہوں گے اس سے مراد یہ ہے کہ ذکر اور رسول ایک ہی ذات ہے۔

تاریکیوں سے نور کی طرف نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو کفر و شرک سے نکال کر ایمان کی طرف لے آئے ذکر اور رسول جب ایک ہی ذات ہے تو یہ مطلب ہو گا کہ وہ اپنے قول و فعل دونوں سے لوگوں کو ہدایت کرے جیسا کہ آیت کے آخری حصّہ میں ہے کہ ایمان اور عملِ صالح والوں کو کفر سے ایمان کی طرف لائے۔ لہٰذا اس نکالنے میں رسول کے عملِ صالح کو بھی دخل ہے یعنی ایک رسول کی ذات سے ہی دونوں باتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ خود بھی نصیحت اور عمل بھی نصیحت۔

وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَہُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَہُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

ع ۵/۱۸

اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کرے اللہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے ان کو اچھی سے اچھی روزی دی ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور اتنی ہی زمینیں پیدا کیں اور ان میں خدا کا حکم نازل ہوتا رہتا ہے تاکہ تم لوگ جان لو کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے اور بے شک خدا اپنے علم سے ہر شے پر قادر ہے۔

وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَہُنَّ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی ایک زمین نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی زمینیں ہیں۔ خدا نے ان سبع سیاروں کو یوں ویران اور بنجر بنا کر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہماری زمین کی طرح وہاں بھی آبادی ہے۔ وہاں کی مخلوق کیسی ہے، اس کا حال خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اب انسان سیاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے ممکن ہے کچھ دنوں بعد یہ پتہ چلا کر آئے کہ وہاں آبادی ہے یا نہیں۔ چاند پر جا کر ابھی تو چند قدم ڈرتا ڈرتا ٹہل کر واپس آ گیا ہے۔ جب پورے کرے کی سیر کرے گا تب پتہ چلے گا کہ وہاں کیا کچھ ہے۔ تفسیرِ صافی میں ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے بھی سات زمینوں کی تصدیق کی ہے اور جس طرح اس زمین کے متعلق نظامِ شمسی ہے اسی طرح اور زمینوں کے متعلق بھی جداگانہ نظام ہے جیسا کہ علمِ ہیئت والوں نے رصد گاہوں میں بیٹھ کر دور بینوں کے ذریعہ سے پتہ چلایا ہے۔

۶۶ سُورَةُ التَّحْرِيمِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۲ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۗ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۳

اے نبی جو چیز خدا نے تم پر حلال کی ہے تم اس سے اپنی بی بیوں کی خوشنودی کے لیے کیوں کنارہ کشی کرو اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ خدا نے تم لوگوں کے لیے قسموں کو توڑ ڈالنے کا کفّارہ مقرر کر دیا ہے اور خدا ہی تمہارا کارساز ہے اور وہی واقف کار حکمت والا ہے اور جب نبی نے اپنی بعض بی بی (حفصہؓ) سے چپکے سے کوئی بات کہی تو اس نے (باوجود ممانعت) اس بات کی (عائشہ کو) خبر دے دی خدا نے اس بات کو رسول پر ظاہر کر دیا تو رسول نے (عائشہ کو) بعض بات (قصہ ماریہ) بتا دی اور بعض بات (قصہ شہد) ٹال دی۔ جب رسول نے اس واقعہ (افشائے راز کی) اس (عائشہؓ) کو خبر دی تو انہوں نے کہا آپ کو اس بات کی کس نے خبر دی۔ فرمایا مجھے بڑے واقف کار خبر دینے والے (خدا) نے بتایا ہے۔

اس سورہ کا پس منظر ہم مولانا فرمان علی صاحب قبلہ مرحوم کے مترجم قرآن کے حاشیہ سے نقل کرتے ہیں:
آنحضرتؐ کی ازواج میں ماریہ قبطیہ اور ریحانہ تو آپؐ کی کنیزیں تھیں اور ام شریک وام سبیل نے اپنا اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ حضورؐ نے پندرہ نکاح کیے تھے۔ خدیجہ۔ ام سلمہ۔ میمونہ۔ سودہ۔ زینب بنت جحش۔ جویریہ۔ ام حبیبہ۔ صفیہ۔ عائشہ۔ حفصہ۔ زینب بنت خزیمہ۔ زینت بنت خمیس۔ خولہ۔ عمرہ۔ ان میں سے آخر الذکر دو عورتیں آپ کی نصیحت سے سرفراز نہ ہو سکی تھیں۔ تین بی بیاں بالترتیب سب سے افضل تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے علاوہ اول الذکر نو بی بیاں آپؐ کی وفات کے وقت موجود تھیں۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں تو کسی دوسری عورت سے تعلق نہیں کیا۔ البتہ ان کی وفات کے بعد جب تعداد بڑھی تو آپؐ نے اپنی بی بیوں کے الگ الگ کمرے بنوا دیئے اور سب کی باری کے وقت مقرر کر دیئے تھے۔ ہر ایک کے پاس ایک ایک رات بسر فرماتے۔ صبح کو روزانہ ہر ایک کے پاس تھوڑی دیر کے لیے ہو آتے۔ اس زمانہ میں (سنہ۶ھ) میں مقوقس سلطان روم نے ماریہ قبطیہ کنیز کو تحفتہً آپؐ کی خدمت میں بھیجا تو آپؐ نے بی بیوں کے کمروں سے الگ ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں جہاں آپؐ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے قیام فرمایا تھا ماریہ کو اُتارا اور رفتہ رفتہ آپؐ ان پر بھروسہ کرنے لگے کہ اپنے پینے کے پانی کا انتظام بھی انہی کے یہاں رکھا اور جس قدر آپؐ کی ذاتی چیزیں تھیں وہ بھی ان ہی کے پاس رہتی تھیں۔ اس وجہ سے اس گھر کو مشربہ ام ابراہیم کہتے تھے۔ خدا کی مہربانی کہ تھوڑے دن بعد ان کو حمل رہا تو ان کو حضرت حفصہ کے رشک و حسد کی وجہ سے طرح طرح کا خوف پیدا ہوا۔ اس وجہ سے حضورؐ ان کے یہاں قیام فرمانے لگے۔ غرض جب ابراہیم پیدا ہوئے تو ماریہ کو دودھ نہ اُترا۔ آپؐ نے ایک بکری خرید دی جس کے دودھ سے ان کی پرورش ہونے لگی اور تھوڑے ہی دنوں میں ہاتھ پاؤں نکل آئے اور پھول سا چہرہ دمکنے لگا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ میں بڑا میل جول تھا سوتاپا نہ تھا بلکہ بہناپا تھا اور ایک دوسرے کی ہمراز تھیں اور حضرتؐ کا دوسری بی بیوں کی طرف توجہ کرنا یا کسی کے پاس زیادہ دیر بیٹھ جانا بھی گوارا نہ تھا۔ فقط ان موجودہ بی بیوں سے ہی رشک نہ تھا بلکہ حضرت خدیجہؓ پر بھی فوقیت کا حوصلہ تھا۔ حضرت رسولؐ چونکہ حضرت خدیجہؓ کے عالی درجات ان کی سچی محبت اور ان کے خالص الایمان ہونے کی وجہ سے اکثر ان کا ذکر خیر کیا کرتے تھے تو جب آپؐ ان کا ذکر فرماتے تو حضرت عائشہؓ کو بہت ناگوار ہوتا۔ بعض اوقات جل کر کہتیں کہ آپ بار بار ایک بوڑھی عورت کو کیوں یاد کرتے ہیں۔ کبھی اس سے بھی زیادہ کلمات سخت کہہ بیٹھتیں جنہیں سُن کر حضرت فاطمہؓ رونے لگتیں۔ حضرت کا یہ ظرف تھا کہ بہت سے مصالح پر نظر کر کے خاموش ہو جاتے۔ ایک بار کسی نے آپ کے پاس عمدہ شہد بھیجا۔ آپ نے ام سلمہ یا زینب یا سودہ کے پاس بحفاظت رکھوا دیا۔ جب وہاں جاتے تو کچھ دیر بیٹھ کر وہ شہد نوش فرماتے۔ اتنا بیٹھنا بھی ان دونوں بی بیوں کو ناگوار گزرا۔ آپس میں مشورہ ہوا۔ حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ کو اس بات پر تیار کیا کہ آج حضرت سے کسی تدبیر سے شہد چھوڑانا چاہیئے تاکہ دہاں کا بیٹھنا چھوٹے۔ غرض وہاں سے جب حضرت آپ کے پاس آئے تو انہوں نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ سبب پوچھا تو کہنے لگیں آپ کے منہ سے تو مغافیر کی بُو آتی ہے۔ اس کے بعد حضور حضرت حفصہ کے پاس آئے تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ آپ نے فرمایا، میں نے تو صرف شہد کھایا ہے۔ حضرت عائشہ نے

کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے شہد کی مکھیوں نے فس فیر کے پھول چوسے ہوں گے۔ غرض آپ نے ان سے راز کے طور پر فرمایا، کہ اب یہ شہد نہ کھاؤں گا اور غالباً اس خیال سے کہ جس بی بی کے پاس شہد رکھا تھا ان کی خاطر شکنی نہ ہو یہ بھی فرما دیا کہ اس کو نہ بتانا۔ مگر وہ اپنی ہمراز سے کیوں چھپاتیں فوراً جاکر حفصہ سے کہہ دیا کہ لو آج سے وہاں کا بیٹھنا چھوٹا۔

دوسرا قصہ اس زمانے میں یہ ہوا کہ اتفاقاً حفصہ ایک روز اجازت لے کر اپنے میکے گئیں وہ رات انہی کی باری کی تھی۔ جب حضرت اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر اندر آئے تو گھر خالی پایا۔ آپ نے ماریہ قبطیہ کو بلا لیا۔ آپؐ ابراہیم کو اپنے شانوں پر بٹھائے ہوئے تھے کہ حضرت عائشہ آگئیں۔ آپ نے فرمایا دیکھو یہ مجھ سے کس قدر مشابہ ہیں۔ انہوں نے کہا، مجھے تو کوئی مشابہت نہیں معلوم ہوتی۔ آپ نے فرمایا کیا جسم میں بھی مناسبت نہیں۔ انہوں نے طنزاً کہا جو بچہ بکری کا دودھ پیئے گا اس کا بدن تو ضرور خوبصورت ہوگا۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت حفصہ ہانپتی کانپتی غصہ میں بھری وہاں آ گئیں۔ ایک تو دونوں کو حضرت کی توجہ ماریہ قبطیہ کی طرف یوں ہی ناگوار تھی اس پر اس شب کے واقعہ نے آگ پر اور تیل چھڑک دیا اور پھر ابراہیم کو حضرت کے کاندھوں پر دیکھا۔ کہنے لگیں (نعوذ باللہ) آپ نے میری عزت و حرمت کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ اور ایک لونڈی کو میرے برابر کر دیا، یہ کیا اندھیر ہے کہ میرا ہی مکان پھر میرا ہی بستر۔ اس لونڈی کو آپ نے سر چڑھا لیا ہے۔ اگرچہ آپ نے فرمایا بھی کہ کیا تمہارے خیال میں یہ میرے لیے حلال نہیں۔ مگر وہ خواہ مخواہ غل مچانے لگیں۔ آپ نے انہیں سمجھایا اور الگ لے جاکر فرمایا، میں تمہاری خاطر سے قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ ماریہ سے صحبت نہ کروں گا۔ مگر دیکھو خبردار یہ ایک راز ہے اس کی بو نہ پھوٹے۔ اور کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ یہ کہہ کر آپ باہر چلے گئے۔ مگر ان کے پیٹ میں بات نہ تھی اور فوراً حضرت عائشہ کو سارا قصہ جا سنایا کہ میں نے آج یہ کارِ نمایاں کیا ہے کہ ماریہ کو حضرت سے چھڑا دیا۔

جب یہ دونوں واقعے گذر گئے تو خدا نے وحی کے ذریعہ سے قلعی کھول دی اور سارے راز حضرت کو معلوم ہوگئے۔ آپ نے ماریہ کا قصہ اور بی بی حفصہ کی شرارت کا حال حضرت عائشہ سے بیان کر دیا اور شہد کا واقعہ چونکہ ان ہی کا تھا اس لیے آپ نے شدتِ حیا سے قصداً ذکر نہ کیا۔ اس پر عائشہ کو تعجب ہوا۔ اور پوچھنے لگیں بھلا ہم سے حفصہ کے بیان کا حال آپ کو کس نے بتایا۔ فرمایا، خدا نے۔ اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں جنہیں ان دونوں کو سخت عتاب کے ساتھ سرزنش کی گئی ہے اور حضرت کو حکم ہوا کہ آپ قسم کا کفارہ دے کر ماریہ کا تعلق باقی رکھو اور شہد بھی کھاؤ۔

اس واقعہ سے چونکہ حضرت کو سخت صدمہ پہنچا تھا لہٰذا آپؐ نے حفصہ کو طلاق دے دی اور ہمیشہ کے لیے اپنے میکے کو رخصت کی گئیں۔ اس پر حضرت عمرؓ کو رنج ہوا اور غصہ کے لہجہ میں فرمایا، اگر خطاب کی اولاد میں کچھ نیکی ہوتی تو رسول اللہ تجھے ہرگز طلاق نہ دیتے۔

اس کے بعد حضرتؐ تمام ازواج سے الگ ہو کر ماریہ قبطیہ کے گھر میں ۲۹ روز تک برابر رہے اور کسی کے پاس نہ گئے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو شبہ ہوا کہ آپؐ نے کل بی بیوں کو طلاق دے دی ہے۔

کتب تفاسیر میں یہ واقعات مختلف الفاظ میں نقل کیے گئے ہیں۔ (دیکھو تفسیر درمنثور سیوطی۔ تفسیر کشاف جلد ۳، بخاری و مسلم و سنن ابوداؤد وغیرہ (واللہ اعلم)

اِن واقعات کو پیشِ نظر رکھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مقدس خواتین سے جو امہات المومنین کہلاتی تھیں۔ جو دوسروں کو اخلاقی تعلیم دینے کی ذمہ دار تھیں، احادیثِ رسولؐ کی راوی تھیں۔ رسولؐ کی صحبت میں رہنے والی تھیں، ایسے احوال کا جو ان کی شان کے خلاف تھا صدور کیوں کر ہوا۔ اس کا جواب خدا اور رسولؐ ہی دے سکتے ہیں ہمارے دائرۂ عقل و فہم سے باہر ہے۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ رسولؐ کو جب معصوم مانا جا چکا ہے تو ان سے ایسا عمل (ماریہ قبطیہ کو اپنے اُوپر حرام کر لینا) کیوں سرزد ہوا، جو خدا کو ناپسند آیا۔ جواب یہ ہے کہ عصمت کے خلاف وہ امر ہوتا ہے جس پر گناہ کا اطلاق ہو سکے۔ جو عمل حضورؐ نے کیا وہ گناہ نہ تھا۔ آپؐ کو شریعت کی رُو سے ایسا کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ آپ اپنے نجی معاملات میں مختار تھے اگر مجبور ہوتے تو پھر آپؐ کا کوئی فعل قابلِ ستائش نہ ہوتا۔ نجی معاملات اگر رسولؐ کوئی ایسی بات کریں جو داخلِ گناہ نہ ہو تو اس کا اختیار آپؐ کو حاصل تھا۔ لِمَ تُحَرِّمُ سے رسول کو کوئی سرزنش نہیں کی گئی ہے بلکہ سمجھایا جا رہا ہے کہ تم نے اس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کر لیا جسے خدا نے حلال کیا ہے۔ اے رسول ایسا نہ کرو، کفارہ دے کر بات کو ختم کر دو۔ اگر گناہ سرزد ہوتا تو اس کے لیے الفاظ کی صورت ہی دوسری ہوتی۔ اس کو یوں سمجھیئے کہ ایک شخص اپنی بی بی کی نافرمانی پر قسم کھالے کہ اب میں گھر میں کھانا نہ کھاؤں گا۔ اور اس کا دوست سمجھا کر کہے کہ یہ کھانا تم پر حرام تو نہیں ہے کیوں نہ کھائیں۔ قسم کھالی ہے تو کفارہ دے کر قصہ ختم کرو۔

رسولؐ کی عصمت پر ایسی حالت میں حرف آسکتا ہے جب کسی حلال کو شرعی حکم کے خلاف حرام کیا ہو۔ وہ تو ایک وقتی ضرورت کو پورا کیا گیا تھا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے حضرت یعقوبؑ نے کسی مرض کی وجہ سے اونٹ کا گوشت اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا۔ اونٹ کا گوشت بجائے خود حرام نہیں تھا بلکہ ایک خاص صورت میں انہوں نے اپنی ذات پر حرام کیا تھا پس ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے شریعتِ الٰہیہ میں تصرف کیا اور حلال چیز کو حرام بنا دیا۔ جب تک گناہ ثابت نہ ہو دامنِ عصمت پر دھبہ نہیں آتا۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰىہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ ④ عَسٰی رَبُّہٗٓ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗٓ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ

ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ﴿۵﴾

(اے دونوں بی بیو (عائشہ اور حفصہ) اگر تم دونوں (اس حرکت سے) توبہ کر لو (تو خیر) ورنہ تم دونوں کے دل تو ٹیڑھے ہو چکے ہیں اور اگر تم دونوں رسول کی مخالفت میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی رہو گی تو (کچھ پرواہ نہیں کیونکہ) خدا اور جبریل اور تمام ایمانداروں میں نیک شخص ان کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ کل فرشتے مددگار ہیں۔ اگر رسول تم لوگوں کو طلاق دے دیں تو عنقریب ہی ان کا پروردگار تم سے اچھی بی بیاں عطا کرے گا جو فرماں بردار، ایماندار، خدا و رسول کی مطیع گناہوں سے توبہ کرنے والیاں عبادت گزار روزہ رکھنے والیاں بیاہی اور بن بیاہیاں کنواریاں ہوں گی۔

یہ لکھتے ہوئے قلم کانپتا اور دل لرزتا ہے کہ رسولؐ کی بی بیاں مومنین کی مائیں اور ان کے دل ٹیڑھے مگر کیا کیجئے آیت صاف لفظوں میں بتا رہی ہے کہ ایسا ہی تھا۔ تمام مفسرین نے یہی ترجمہ کیا ہے اور جو خطائیں سرزد ہوئیں انہیں تسلیم کیا ہے اور آیت کا مصداق انہی دو بی بیوں (حضرت عائشہ۔ حفصہ) کو بتایا ہے۔ معمولی شوہر کے ساتھ سرکشی ہوتی تو بات رہ جاتی لیکن ہوئی ہے اس ذات کے ساتھ جو سیدالمرسلین اور خاتم النبیینؐ ہے۔ جس کی آواز سے اونچی آواز کرنے میں سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ سازشیں ہوئیں اور رسولؐ کے گھر میں۔ اس تصور سے کلیجہ کانپتا ہے۔ دل ٹیڑھے ہوئے تو گویا ہدایت کا دروازہ ہی بند ہوا۔ توبہ کرنے کا حکم ہے لیکن آگے چل کر کہیں یہ ذکر نہیں کہ توبہ کر لی گئی۔ لوگ کہتے ہیں کر لی تھی لیکن یہ تو روایت ہوئی اور آیت درایت ہے۔ درایت کے مقابل روایت کی کیا قدر۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ رسولؐ کے خلاف یہ شورہ پشتی کس قدر زوردار تھی کہ اس کے دفعیہ اور اپنے رسولؐ کی مدد کے لیے خدا نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی تمام فوج مقابلہ پر لانے کا اعلان کیا ہے۔ جبریلؑ جیسا فرشتہ جس نے پر مار کر بستیوں کی بستیاں اُلٹ دی تھیں۔ پھر صالح المومنین فاتح خندق و خیبر جس کی تلوار کی دھاک نے تمام عرب میں ہلچل ڈال دی تھی، اس کے سارے ملائکہ جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے اس سے زیادہ دھمکی کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا کچھ ہوا اور کیا کچھ ہونے والا تھا جس کی روک تھام کے لیے یہ فوج بُلائی جانے والی تھی۔ العلم عنداللہ۔ ہم تو اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ امہات المومنین ہیں اور ہمیں کوئی حق بھی کہنے کا نہیں۔ رسولؐ کے گھر کی بات ہے۔ خدا جانے اور اس کا رسولؐ۔

یہ بھی کچھ کم تعجب خیز بات نہیں کہ درصورت طلاق جن عورتوں کو لانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے ان کی جو صفات بیان کی گئی ہیں کیا وہ ان دونوں بی بیوں میں نہ تھیں۔ اس کا کوئی جواب دے سکتا ہے۔ خدا ہی بہتر جاننے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾

ع ۱ ۱۹

اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے بال بچوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور جس پر تند خو سخت مزاج فرشتے متعین ہوں گے جو اللہ کے حکم کے کبھی خلاف نہیں کرتے، جو حکم دیا جاتا ہے اُسے بجا لاتے ہیں۔ اے کافرو آج (قیامت) کے دن کوئی عذر پیش کرو جو کچھ تم کرتے تھے اس کا بدلہ تمہیں دیا جائے گا (تمہارا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۸﴾

اے ایمان والو خالص دل سے اللہ سے توبہ کرو، امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم سے تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ایسا دن ہو گا کہ اللہ اپنے نبی اور اُن لوگوں کو

جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں ذلیل نہیں کرے گا بلکہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا اور اُن کی داہنی طرف روشن کرتا چل رہا ہوگا اور وہ کہتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش دے بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

توبۃ النصوح سے مراد وہ خالص دل سے توبہ کرنا ہے جو خوشنودی خدا کے لیے ہو اور پھر اس کو نہ توڑے اس بنا پر جناب امیرؑ نے ایک اعرابی کو جو بہت توبہ توبہ کرتا تھا فرمایا کہ فقط زبان سے توبہ کرنا جھوٹوں کی توبہ ہے۔ توبہ یہ ہے کہ اس میں چند باتیں پائی جائیں۔

۱۔ اپنے گذشتہ افعال پر پشیمانی و ندامت۔
۲۔ جو فرائض ترک کیے ہیں ان کو بجا لانا۔
۳۔ لوگوں کے جو حقوق ذمّہ ہیں ان کو ادا کرنا۔
۴۔ جو تیرے حقوق دوسروں پر ہیں ان کو بحل کر دینا۔
۵۔ آئندہ گناہ نہ کرنے کا مصمّم ارادہ کرنا۔
۶۔ خدا کی خوشنودی اور اطاعت میں اپنے کو فنا کر دینا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت میں جن کے نور کا ذکر ہے وہ علیؑ اور ان کے اصحاب ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۹﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

اے نبی، کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کی جگہ جہنّم ہے اور وُہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ خدا نے کافروں کی عبرت کے لیے نوح کی بی بی (واعلہ) اور لُوط کی بی بی (واہلہ) کی مثال بیان کی ہے کہ یہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے تصرّف میں تھیں۔ دونوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی تو ان کے شوہر خدا کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہ آئے۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی جہنّم میں داخل ہو جاؤ۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے کفّار سے جہاد بالسّیف کیا۔ منافقوں سے جہاد بالسّیف نہیں کیا۔ یہ کام حضرت علی علیہ السّلام کے سُپرد ہوا، جس کو آپؑ نے بعد وفاتِ رسولؐ انجام دیا۔
جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے منافقوں سے جہاد بالنفس کیا۔ ان کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ آیت میں جہاد بالکفار والمنافقین کی ایک ہی صورت بیان کی گئی ہے۔ جیسا جہاد کفّار کے ساتھ ہوگا ویسا ہی منافقوں کے ساتھ ہونا چاہیئے۔
جہاد کا لفظ جہاں کہیں آیا ہے جہاد بالسّیف ہی کے لیے آیا ہے۔
ان آیات میں دو بی بیوں کا ذکر خاص طور سے کیا گیا ہے۔ ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بی بی، دوسرے حضرت لوط علیہ السّلام کی بی بی۔ یہ دونوں انتہا درجہ کی نافرمان تھیں۔ یہ دونوں کافروں سے ملی ہوئی تھیں اور ان کو اپنے شوہروں کے خلاف اُبھارتی تھیں۔ حضرت نوح علیہ السّلام کی بی بی کشتی میں سوار نہ ہوئی۔ اس نے کافروں کے ساتھ غرق ہونا گوارا کیا لیکن کشتی میں نہ بیٹھی۔ حضرت لوط علیہ السّلام کی بی بی نے ان فرشتوں کے آنے کی خبر قوم کے بدکار نوجوانوں کو جا کر سُنائی جو حضرت لوط علیہ السّلام کے پاس آئے تھے۔ جب عذاب آیا تو یہ بھی پوری قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی۔

یہ سچ ہے کہ،

صحبت اثر می دارد لیکن تا بکس به تربیت نشود اے حکیم کس۔

جس میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو وہ اپنی حالت کبھی نہیں بدل سکتا۔ اوروں کا کیا ذکر، نبی کی بی بی اور نبی کا بیٹا بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

دُوسری مثال ایمانداروں کے لیے فرعون کی زوجہ کی ہے۔ جب اُس نے کہا، اے میرے رب، میرے لیے اپنے ہاں ایک گھر جنّت میں بنا دے اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے اور (دوسری بی بی) مریم بنت عمران تھی جنہوں نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی۔ پس ہم نے اپنی روح اُس میں پھُونکی۔ اور اُس نے اپنے رب کے کلمات اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔

اب دو نیک بی بیوں کا ذکر فرماتا ہے۔ ایک ان میں جناب آسیہؑ زنِ فرعون تھیں۔ یہ بھی بڑی نیک بی بی تھیں اور نہایت حسین تھیں۔ فرعون نے ان کو اپنی بی بی بنا لیا تھا۔ مگر وہ فرعون کی خدائی پر ایمان نہیں رکھتی تھیں۔ دل ہی دل میں یادِ خدا کیا کرتی تھیں۔ جب فرعون کو یہ پتا چلا کہ وہ اُس کی خدائی پر ایمان نہیں

رکھتیں تو پہلے تو اُس نے جبراً اپنے کو خدا منوانا چاہا لیکن جب انہوں نے اقرار نہ کیا تو انہیں زمین پر لٹا کر ان کے سینہ پر بھاری پتھر کی سِل رکھ دی۔ جس کے وزن سے تڑپ تڑپ کر مر گئیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ان کو لٹا کر ہاتھ پاؤں میں کیلیں ٹھونک دیں۔

حضرت رسولِ خداؐ نے چار نیک بی بیوں کا خاص طور سے ذکر فرمایا ہے: آسیہؑ زنِ فرعون، مریمؑ بنت عمران خدیجہؓ بنت خویلد اور فاطمہؑ بنت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

دوسری نیک بی بی جناب مریمؑ تھیں۔ جو پاک و پاکیزہ تھیں اور حضرت عیسیٰؑ جیسے فرزند کی والدہ محترمہ تھیں۔

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (۶۷) (۷۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرُ ۨ ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ﴿۲﴾ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۵﴾

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ میں سارے جہان کی بادشاہت ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کام میں سب سے اچھا کون ہے وہ غالب اور بڑا بخشنے والا ہے۔ اس نے سات آسمان تلے اُوپر بنا ڈالے بھلا تجھے خدا کی آفرینش میں کوئی کسر نظر آتی ہے تو پھر آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھلا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ پھر دوبارہ نظر اُٹھا کر دیکھ، ہر بار

تیری نظر ناکام اور تھک کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ اور ہم نے آسمان کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا آلہ بنایا ہے اور ہم نے ان کے لیے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب بنا کر رکھا ہے۔

اللہ نے موت و حیات کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ اپنے بندوں کی آزمائش کرے کہ کون کون اچھا کام کرتا ہے۔ اگر موت کا دھڑکا نہ لگا ہوتا تو نیک کام کرنے میں آدمی ٹال مٹول کرتا ہی چلا جاتا۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا

انسان اپنے کاموں میں اس لیے جلدی کر رہا ہے کہ اُسے مرنے کا خوف ہے۔ چاہتا ہے مرنے سے پہلے جو کچھ کرنا ہے وہ سب کر لوں۔ موت کو اس لیے مقرّر کیا کہ آدمی اسے بھولے نہیں۔ بعض نے یہ وجہ لکھی ہے کہ وجود سے پہلے عدم تھا۔ لہٰذا موت کو مقدم کیا۔ خدا عالم الغیب ہے اُسے آزمائش کی ضرورت نہیں۔ آزمائش ہے صرف انسان پر حجّت قائم کرنے کے لیے، تاکہ جو کچھ اس نے کیا ہے اس کی اچھائی بُرائی کو سمجھ لے۔ وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کے قابو سے باہر ہو جائے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ خطاؤں کا بخشنے والا بھی ہے تاکہ گنہگاروں کے دل کو ڈھارس رہے۔

اُس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے اور ان کے اندر چاند۔ سورج۔ ستارے۔ سیّارے اور اجرام سماوی سے متعلق نمعلوم کتنی چیزیں بنا ڈالیں۔ ذرا غور سے دیکھو کہیں کوئی کمی کوئی قابلِ اصلاح چیز تم کو نظر آتی ہے؟ پھر دیکھو پھر دیکھو، نگاہ تھک کر واپس آجائے گی لیکن بال برابر کہیں کوئی چیز اصلاح کے قابل نظر نہ آئے گی۔ لاکھوں کروڑوں برس سے اس کا یہ کارخانہ یوں ہی بنا چلا آرہا ہے۔ آج تک تو کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ ملے تو جب کہ کوئی کوتاہی کوئی کمی ہو۔ رات کو دیکھو، یہ ستارے جو دن میں بُجھے ہوئے چراغ بنے رہتے ہیں رات آتے ہی کیسی چمک دکھانے لگتے ہیں۔ ایسے روشن چراغ کہ دُنیا کی کوئی طاقت انھیں بجھا نہیں سکتی۔ ان کی جگہ سے ہٹا نہیں سکتی۔ شیطانوں کی مجال نہیں کہ آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی کوئی بات لے اُڑیں اور نجومیوں کو جا بتائیں۔ اگر جاتے ہیں تو شہابِ ثاقب کا کوڑا اگر کر ایسا پڑتا ہے کہ فوراً بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

شہابِ ثاقب کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے ستاروں سے کچھ اجزا چھوٹتے ہیں اور زمین پر گرتے ہیں لیکن یہ تحقیق صحیح نہیں بلکہ اس سے مراد وہ میٹیور ہیں جو مابین آسمان و زمین گردش کرتے رہتے ہیں۔ یہ مواد ارض سے بنے ہوئے چھوٹے بڑے گولے ہیں جو شب و روز فضا میں چکر لگاتے رہتے ہیں جب یہ ٹکراتے ہیں تو ان سے شعلہ نکلتا ہے جو ہمیں اکثر راتوں کو نظر آتا ہے اسے شیطان کی ٹپکی کہتے ہیں یعنی وہ روشنی جو شیطان کو بھگانے والی ہوتی ہے اس کے گرم ٹکڑے جب زمین پر گرتے ہیں تو بعض ٹکڑے کئی کئی من وزنی ہوتے ہیں۔ یہ عجائب خانوں میں رکھے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا ٹکڑا لندن کے میوزیم میں ہے جو چھ سات من وزنی ہے۔ چھوٹے ٹکڑے کلکتہ میوزیم میں بھی ہیں۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِىَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِىَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا نَذِيْرٌ ڏ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ښ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

اور ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ جب وہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس سے بڑی چیخ پکار سُنیں گے اور جہنّم جوش مار رہا ہوگا گویا غیظ میں پھٹ پڑے گا۔ جب کوئی انبوہ اس میں ڈالا جائے گا تو دوزخ کا پہرے دار ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (رسول) نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس ڈرانے والا تو آیا تھا لیکن ہم نے اُسے جھٹلایا اور کہا تھا کہ خدا نے کوئی شے نازل نہیں کی تم تو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور یہ بھی کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو اس بھڑکتے جہنّم والوں میں نہ ہوتے۔ غرض وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے لعنت ہو جہنّم والوں پر۔

داروغہ جہنم کا یہ سوال محض اس لیے ہوگا تاکہ اُن جہنمیوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جا رہا بلکہ ان کے ہی کرتوتوں کی سزا ہے۔ خدا نے تو ان کی ہدایت کا پورا بندوبست اپنا رسول بھیج کر اپنی کتاب نازل فرما کے کر دیا تھا لیکن نہ انہوں نے رسول کی بات کان لگا کر سنی اور نہ کتاب خدا کو پڑھ کر سمجھا۔ جو بداعمالیاں وہ کرتے تھے کرتے رہے۔ جب خدا نے اپنی حجت ان پر تمام کر دی تو اب یہ کہنے کا کوئی حق نہیں رہا کہ ہمیں کیوں جہنم میں ڈالا جا رہا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫
وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬
اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ⑭ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ
لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ
النُّشُوْرُ ⑮ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ
فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ⑯ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ
حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ⑰

جو لوگ خدا سے بے اس کے دیکھے بھالے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔ تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو خدا تو دلوں کی بات کا بھی جاننے والا ہے۔ کیا جس کو اُس نے پیدا کیا ہے اس کو نہیں جانتا۔ وہ تو بڑا باریک بین واقف کار ہے۔ وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم (ہموار) کر دیا تاکہ اس کے اطراف وجوانب میں چلو پھرو اور جو رزق دیا ہے اُسے کھاؤ اور اسی کی طرف سے قبر سے اُٹھ کر جانا ہے۔ کیا تم اس ذات کی طرف سے جو آسمان پر حکومت کرتا ہے اس بات سے بے خوف ہو کہ تم کو زمین میں دھانس دے اور پھر وہ یکبارگی اُلٹ پُلٹ کرنے لگے۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ جو آسمان میں سلطنت کرتا ہے تم پر پتّھر بھری آندھی چلائے، تمہیں عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے۔

کفّار ومشرکین پہلے کھلّم کھُلّا اسلام کے خلاف بات چیت کرتے تھے۔ جب معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ہماری باتیں حضرتؐ سے بیان کر دیتے ہیں تو پھر خلوت میں چپکے چپکے باتیں کرنے لگے تاکہ محمدؐ کے خدا کو خبر نہ ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو دلوں کے راز جانتا ہے اُس سے تم کسی بات کو کیسے چھُپا سکتے ہو۔ خدا نے زمین کو کچھ ایسا

بنا دیا ہے کہ نہ تو زیادہ نرم ہی ہے نہ زیادہ سخت نہ زیادہ گرم ہے نہ زیادہ سرد۔ آرام کے ساتھ لوگ اس پر چلتے پھرتے ہیں۔ لیکن کافروں کو اس کے عذاب سے بے خوف نہ رہنا چاہیئے وہ اس زمین میں لوگوں کو دھانس بھی سکتا ہے اور پتھروں بھری ہوائیں چلا کر لوگوں کو ہلاک بھی کر سکتا ہے لہٰذا اس کی نافرمانی سے بچنا چاہیئے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ⑱ اَوَلَمْ
يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؔۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ
اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ⑲ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ
جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا
فِيْ غُرُوْرٍ ⑳ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ
بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ㉑ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ
اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ㉒ قُلْ هُوَ
الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ
قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ㉓ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ
وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ㉔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ㉕

ان سے پہلے جو لوگ تھے اُنہوں نے جھٹلایا اور دیکھو میری گرفت کیسی سخت تھی کیا انہوں نے

اپنے سروں پر چڑیوں کو اُڑتے نہیں دیکھا جو پَروں کو پھیلائے رہتی ہیں اور سمیٹ لیتی ہیں، خدا کے سوا انہیں کوئی روکنے والا نہیں۔ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ بھلا خدا کے سوا ایسا کون ہے جو تمہاری فوج بن کر تمہاری مدد کرے۔ کافر لوگ تو دھوکے میں ہیں۔ بھلا اگر خدا انہیں دی ہوئی روزی روک لے تو کون ایسا ہے جو انہیں رزق دے۔ مگر یہ کفّار تو سرکشی اور نفرت (کے بھنور) میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بھلا جو شخص اوندھا منہ کے بل چلے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہوگا یا وہ شخص جو سیدھا برابر راہِ راست پر چل رہا ہے۔ اے رسول، تم کہہ دو، خدا وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دِل بنائے مگر تم تو بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ کہدو خدا وہی تو ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلا دیا اور اس کے سامنے جمع کیے جاؤ گے۔ کفّار کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پُورا ہوگا۔

جو قومیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں تم نے ان کا حال سُنا ہوگا کہ ہماری پکڑ کیسی سخت تھی۔ ایسے سخت عذاب اُن پر آئے کہ وہ اس سے بچ کر جا نہ سکے۔ ہر وقت تم ہماری قدرت کے تماشے دیکھتے رہتے ہو پھر بھی ہم پر ایمان نہیں لاتے۔ کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ فضا میں کس طرح پَر پھیلائے اُڑ رہے ہیں۔ پھیلاتے بھی ہیں اور سمیٹتے بھی ہیں کیا خُدا کے سوا یہ قدرت ان کو کوئی اور بھی دے سکتا ہے۔ کفّار اپنے منہ کے بل چل رہے ہیں یعنی اپنی نافرمانی اور سرکشی کی بدولت جو صحیح راستہ ہے اسے چھوڑے ہوئے ہیں۔ بھلا یہ ان ایمان والوں کے برابر ہوسکتے ہیں جو اپنے پیروں سے صحیح راستہ پر چل رہے ہیں۔ بہت فرق ہے ایمان و کفر میں۔ آخر یہ کفّار و مشرکین غلط راستہ پر چل کیوں رہے ہیں۔ کیا ہم نے انہیں کان نہیں دیئے کہ ہمارے رسولؐ کی بات سُنیں۔ کیا ان کے منہ پر آنکھیں نہیں کہ مشرکوں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ کیا ان کے سینہ میں دل نہیں کہ اپنی بھلائی بُرائی کو سوچیں۔ یہ سب کچھ ہے مگر یہ جہالت کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں۔ خدا کا شکر ادا کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ خدا ہی نے تو ان کو ہر جگہ زمین پر بسایا ہے اگر وہ زندگی بسر کرنے کے سامان مہیا نہ کرتا تو کس کی مجال تھی کہ کسی خطۂ زمین پر آباد ہوسکتا۔ ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایک دن وہ سب خدا کے سامنے جمع ہوں گے اور ان کو کفر و شرک کی سزائیں بھگتنی ہوں گی۔ کفّار کا یہ کہنا کہ قیامت کا وعدہ کب پُورا ہوگا، ان کے جواب میں اے رسول کہو،

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ

كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے میں کُھلّم کُھلّا (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں جب یہ کافر اسے قریب سے دیکھ لیں گے تو ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا یہ وہی ہے جس کے تم خواستگار تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع

تم ان سے کہو اگر خدا مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا۔ ان سے کہہ دو وہی خدا بڑا رحم کرنے والا ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اور ہم نے تو اُسی پر بھروسہ کر لیا ہے تو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ صریحی گمراہی میں کون ہے۔ اے رسول کہدو اگر تمہارا پانی زمین کے اندر چلا جائے تو کون ایسا ہے جو تمہارے لیے پانی کا چشمہ بہا لائے۔

اے کافرو تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ یہ پانی جس پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے اگر خدا کے حکم سے زمین اس کو سُوکھ لے تو بتاؤ کون ہے جو تمہارے لیے پانی کا چشمہ زمین سے نکال دے گا۔ درصورت پانی نہ ملنے کے کیا تم زندہ رہ سکتے ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تم اس خدا پر ایمان کیوں نہیں لاتے جو کارسازِ عالم ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری زندگی کا ایک ایک سامان ہے۔

(۶۸) سورۃ القلم مکیۃ (۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ② وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ③ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ ④ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ⑤ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ ⑥ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ⑦ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ⑧ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ⑨ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ⑩ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ⑪ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ ⑫ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ⑬ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِينَ ⑭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ ⑮ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُومِ ⑯

نون۔ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ اس سے لکھتے ہیں اس کی۔ کہ تم اے رسول اپنے رب کے فضل و کرم سے دیوانے نہیں ہو بے شک تمہارے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ بے شک تم خُلقِ عظیم پر فائز ہو۔ تم بھی دیکھ لوگے اور کفّار بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔ تمہارا رب اچھی طرح جانتا

ہے کہ اس کے راستہ سے کون بھٹک گیا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے تم جھٹلانے والوں کا کہنا نہ مانو۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اگر تم نرم ہو جاؤ تو وہ بھی نرم ہو جائیں اور تم کہیں ایسے کے کہنے میں نہ آنا جو بہت قسمیں کھاتا ہے ذلیل اوقات ہے عیب جُو اعلیٰ درجہ کا چغلخور، مال کا بہت بخیل حد سے بڑھنے والا گنہ گار تُند مزاج اس کے بعد بدذات (حرام زادہ) بھی ہے۔ چونکہ مال اور بہت سے بیٹے رکھتا ہے جب اس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو پُرانے قصے ہیں۔ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔

خدا نے اس قلم کی قسم کھائی جس سے قرآن لکھا جاتا ہے اور جو کچھ لکھا گیا یعنی قرآن، اس کی۔ اس کے بعد فرماتا ہے "اے رسولؐ، تم مجنون نہیں ہو۔ نزولِ قرآن سے پہلے تک مکّہ والے حضورؐ کو بڑا عقلمند انسان سمجھتے تھے اور اکثر اہم معاملات میں حضورؐ سے مشورہ لیتے تھے۔ آپؐ کو صادق و امین کہتے تھے۔ لیکن جب قرآن نازل ہوا اور آپؐ نے تبلیغ شروع کی تو دیوانہ کہنے لگے لیکن کسی کو یہ نہ بتا سکے کہ دیوانگی کی کیا بات پائی جاتی ہے۔ صرف اس بنا پر کہ حضورؐ بُت پرستی سے منع فرماتے تھے اور ان کے ناکارہ بتوں کو ناکارہ ظاہر فرماتے تھے۔ عداوۃً ایسے ناسزا الفاظ حضورؐ کی شان میں کہتے تھے۔

اے رسولؐ، تم نے ہمارے دین کی تبلیغ میں سعیٔ بلیغ فرمائی ہے۔ ہم اس کے بدلہ میں تم کو وہ اجر دیں گے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ دُنیا میں تو وہ اجر یہ ہوگا کہ قیامت تک تمہارے اہلبیتؑ میں ہدایت کا سلسلہ جاری رہے گا اور آخرت میں تو روزِ محشر کے تم مالک و مہتمم ہوگے۔ جسے چاہوگے جنت میں بھیجوگے جسے چاہوگے جہنم میں دھکیلوگے۔

بے شک اے رسولؐ تم خُلقِ عظیم پر فائز ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی ترقی کا باعث سب سے زیادہ حضورؐ کا وہ خلق تھا جس کی نظیر دُنیا کے کسی ہادی۔ ریفارمر اور مصلح قوم میں ڈھونڈے نہیں ملتی۔ یعنی اخلاقی کمالات میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو حضورؐ کی ذاتِ اقدس میں نہ پائی جاتی ہو۔ اور حضورؐ نے عملاً اس کو کرکے نہ دکھایا ہو۔ یہی لوگ جو کسی وقت میں آپؐ سے برگشتہ تھے اور آپؐ کو مجنون کہتے تھے اور آپؐ کے جانی دشمن تھے، ایک وقت آیا کہ انہی کے سر آپؐ کے قدموں پر تھے۔ اس کی مثال دُنیا کی تاریخ میں کہاں ملتی ہے کہ بادشاہ اور اس کی تمام رعایا برابر خاک نشین ہو، پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھیں۔ لوگوں نے بہت جلد دیکھ لیا کہ جو لوگ حضورؐ کو مجنون کہتے تھے وُہ خود دیوانے تھے۔ جھٹلانے والے کتنا ہی جھٹلاتے رہے آپؐ نے ان کی باتوں پر توجہ ہی نہ فرمائی۔

کفّار نے کونسی تدبیر تھی جو حضورؐ کو اپنی طرف مائل کرنے میں اٹھا نہ رکھی۔ ہر قسم کے لالچ بھی دیئے ہر طرح کی دھمکی بھی دی۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح حضورؐ میں ذرا سی لچک پیدا ہو جائے۔ ان کے بتوں اور بُت پرستوں

کو بُرا کہنا چھوڑ دیں مگر ان کی یہ خواہش پُوری ہی نہ ہوئی۔ بجائے اس کے کہ حضورؐ ان کی طرف جھکتے ان کو ہی آخر کار حضرتؐ کی طرف جھکنا پڑا۔

آیت نمبر ۱۰ سے ۱۶ تک جس ملعون انسان کا ذکر ہے وہ ولید بن مغیرہ تھا جس کے باپ کا پتہ نہ تھا۔ ۱۸ برس کی عمر تک آوارہ پھرتا رہا۔ ایسا ذلیل کہ کوئی اس سے منہ بھر کے بات نہ کرتا تھا۔ چونکہ شریر طبیعت تھا لہٰذا حضورؐ کو مختلف طریقہ سے ستاتا تھا۔ لہٰذا مغیرہ نے اس کو اپنے کام کا آدمی پاکر اپنا بیٹا بنا لیا۔ تاکہ حضورؐ کی دشمنی میں اس کی بدنفسی اور شرارت پسندی سے فائدہ اٹھائے۔ بیٹا بننے کے بعد مغیرہ کی دولت کا مالک بن گیا اور شادی کے بعد بہت سے بال بچے ہوگئے لہٰذا اور زیادہ تکبّر کی شان پیدا ہوگئی۔ اس کی عادت تھی جہاں حضرتؐ کو لوگوں کے مجمع میں آیات کی تلاوت کرتے دیکھتا تو چلّا کر کہتا، کیا بیٹھے سُن رہے ہو یہ تو سب پُرانے زمانے کے قصّے ہیں۔ ان میں کیا کوئی نئی بات ہے جس کو تم کان دو گے۔

چونکہ اپنے کو بڑی ناک والا سمجھتا تھا لہٰذا خدا نے اس کی ناک کو خرطوم یعنی داغدار فرمایا ہے اور اس پر نشان لگانے کا یہ مطلب ہے کہ ہم اسے دُنیا و آخرت میں ایسا ذلیل کریں گے کہ یاد ہی کرے گا۔

إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿۱۹﴾ فَأَصْبَحَتْ كَٱلصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا۟ مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنِ ٱغْدُوا۟ عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰرِمِينَ ﴿۲۲﴾ فَٱنطَلَقُوا۟ وَهُمْ يَتَخَٰفَتُونَ ﴿۲۳﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا ٱلْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿۲۴﴾ وَغَدَوْا۟ عَلَىٰ حَرْدٍ قَٰدِرِينَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا۟ إِنَّا لَضَآلُّونَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲۷﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿۲۸﴾ قَالُوا۟ سُبْحَٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا

ظَٰلِمِينَ ﴿۲۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَٰوَمُونَ ﴿۳۰﴾ قَالُوا۟ يَٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا طَٰغِينَ ﴿۳۱﴾ عَسَىٰ رَبُّنَآ أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ إِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا رَٰغِبُونَ ﴿۳۲﴾

جس طرح ہم نے ایک باغ والوں کا امتحان لیا تھا اسی طرح ان کا امتحان لیا۔ جب انھوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہم اس کا میوہ ضرور توڑ لیں گے اور انشاء اللہ نہ کہا۔ یہ لوگ صبح سویرے پڑے سو ہی رہے تھے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) ایک بلا چکّر لگا گئی تو وہ سارا باغ جل کر (ایسا) ہو گیا جیسے بہت کالی رات۔ پھر یہ لوگ تڑکے تڑکے لگے غل مچانے کہ اگر تم کو پھل توڑنا ہے تو اپنے باغ میں سویرے سے چلے چلو۔ غرض وہ لوگ چلے اور آپس میں چُپکے چُپکے کہتے جاتے تھے کہ آج مبادہ تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے تو یہ لوگ روک تھام کے اہتمام کے ساتھ پھل توڑنے کی ٹھانے ہوئے سویرے ہی جا پہنچے۔ جب اسے (جلا ہُوا) سیاہ دیکھا تو کہنے لگے ہم لوگ بھٹک گئے ہیں (یہ ہمارا باغ نہیں پھر سوچ کر بولے) بات یہ ہے کہ ہم لوگ بڑے بدنصیب ہیں۔ جو ان میں منصف مزاج تھا کہنے لگا، میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ہم لوگ خدا کی تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ وہ بولے ہمارا پروردگار پاک ہے ہم ہی قصور وار ہیں۔ پھر لگے ایک دوسرے کے منہ از منہ ملامت کرنے۔ آخر سب نے اقرار کیا کہ ہائے افسوس ہم ہی خود سرکش تھے۔ امّید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمیں اس سے بہتر باغ عنایت فرمائے گا، ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اس سے پہلے سورۂ کہف میں بھی ایک قصّہ اسی طرح باغ والوں کا بیان کیا گیا ہے۔ اب لوگوں کی تنبیہہ کے لیے دوسرے لوگوں کا قصّہ بیان کیا جاتا ہے۔
مضافاتِ یمن میں ایک شہر صنعا ہے وہاں ایک نیک دل آدمی کا باغ تھا۔ اس کا مالک پھل پکنے پر زکوٰۃ بھی دیتا تھا۔ محتاجوں کو بھی کھلاتا۔ مسافروں کی بھی جو اس راہ سے گزرتے خاطر تواضع کرتا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے تین بیٹے اس باغ کے مالک ہوئے۔ اس سال باغ خوب پھلا۔ دو بیٹوں نے یہ صلاح کی کہ اس سال ہم ان پھلوں میں سے

کچھ بھی کسی کو نہ دیں گے نہ محتاجوں کو نہ مسافروں کو نہ رشتہ داروں کو، سب اپنے ہی پاس رکھیں گے۔ اپنی چیز دو
کو کیوں دیں۔ تیسرے بیٹے نے جو چھوٹا تھا باپ کے رویے کے خلاف عمل کرنے سے روکنا چاہا مگر وہ اپنے ارادہ سے
نہ ہٹے، مجبوراً ان کا ساتھی بن گیا۔ الغرض جب باغ تیار ہوگیا تو ایک دن قریب شام لوگ آئے اور ارادہ کرکے
آئے تھے کہ کل صبح اس کے پھل ضرور توڑیں گے مگر حق اللہ اور حقِ عباد بند کر دینے کی وجہ سے رات ہی کو ایسی آفت
آئی کہ سارا باغ تباہ ہوگیا اور صبح جا کر دیکھا تو وہاں جلے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس واقعہ سے یہ آگاہی ہوئی کہ خدا پر بھروسہ رکھ کر انسان کو اپنا ہر کام کرنا چاہیئے اور اس کے آغاز
سے پہلے انشاء اللہ ضرور کہنا چاہیے۔ دوسرے خدا سے رشتہ توڑ کر اپنی قوت پر ہی بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ تیسرے
جو رزق اللہ نے دیا ہے اس میں سے کچھ راہِ خدا میں بھی دینا چاہیے۔ اور فقیروں اور محتاجوں کے دینے سے گریز نہیں
کرنی چاہیے۔ چوتھے وقتِ مصیبت خدا سے لَو لگانی چاہیے اور اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ وہ
اس پر قدرت رکھتا ہے کہ بگڑے کام بنا دے۔ غرض ہر کام کے آغاز میں اس کی کامیابی کے لیے خدا سے مدد کی
درخواست کرنی چاہیئے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾

ایسے ہی عذاب آتا ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ متقی لوگوں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمت سے بھری ہوئی جنتیں ہیں تو کیا ہم فرماں بردار بندوں کو نافرمانوں کے برابر بنا دیں گے (ہرگز نہیں) تمہیں کیا ہوگیا ہے تم کیسے (غلط) حکم لگایا کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب آئی ہے جس میں تم نے یہ پڑھا ہے کہ آخرت میں تمہیں وہی ملے گا جو تم پسند کرتے ہو یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو روزِ قیامت تک چلی جائیں گی کہ جو کچھ تم حکم دوگے وہی تمہارے لیے حاضر ہوگا۔ ان سے پوچھو کہ ان میں سے اس میں کون ذمّہ دار ہے (اس باب میں) ان کے اور لوگ بھی شریک ہیں تو اگر یہ لوگ سچے ہیں تو اپنے شریکوں کو سامنے لائیں۔

کافر لوگ کہا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ خدا فرماتا ہے کیا تمہارے پاس کوئی ایسی نازل شدہ اللہ کی کتاب ہے جس میں خدا نے تم سے یہ وعدہ کر لیا ہو کہ آخرت میں جو چیز تم پسند کروگے وہی تم کو مل جائے گی۔ یا پھر ہم نے قیامت تک کے لیے کوئی عہد و پیمان کر لیا ہے کہ جو تم ہمیں حکم دوگے ہم اُسے پورا کریں گے۔ اے رسولؐ، ان سے پوچھو ان باتوں کا ضامن کون ہے۔ تم یا ہم۔ یا تمہارے بتوں نے جنہیں تم نے ہمارا شریک بنایا ہے ایسا تم سے کہا ہے تو اگر تم سچّے ہو تو ذرا ان کو ہمارے سامنے لاؤ تاکہ ان سے پوچھا جائے۔ غرض یہ ہے کہ یہ سب تمہارے لغو بیان ہیں۔ خدا نے نہ تم سے کوئی وعدہ کیا ہے نہ وہ تمہارا محکوم ہے۔ تم اپنے دل میں جو چاہو فرض کر لو۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰىهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور لوگ سجدہ کے لیے بُلائے جائیں گے تو وہ سجدہ نہ کرسکیں گے ان کی آنکھیں جُھکی ہوئی ہوں گی رُسوائی ان پر چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ لوگ سجدہ کے لیے بُلائے جاتے تھے اور ہٹے کٹے تندرست تھے (مگر سجدہ نہ کرتے تھے) تو مجھے اس کلام کے جھٹلانے والے سے سمجھ لینے دو۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ اس طرح پکڑلیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔ اے رسُول کیا تم ان سے تبلیغ رسالت کا کوئی صلہ مانگتے ہو کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے۔ یا ان کے پاس غیب کی خبر ہے کہ یہ لوگ لکھ لیا کرتے ہیں۔ تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کرو اور مچھلی کا نوالہ بننے والے (یونسؑ) جیسے نہ ہو جاؤ کہ جب وہ غصّہ میں بھرے ہوئے تھے اپنے رب کو پکارا۔ اگر تمہارے رب کی مہربانی ان کی یاوری نہ کرتی تو چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے اور ان کا برا حال ہوتا۔ ان کے پروردگار نے برگزیدہ کرکے نکوکاروں میں سے بنا دیا۔

عرب میں پنڈلی کھولنے کا مطلب کسی سخت مصیبت کا آنا ہے۔ قیامت کے دن سے زیادہ مصیبت اور کس دن ہوگی۔ باوجودیکہ کفّار جسم کے لحاظ سے صحیح سالم ہوں گے لیکن ان کی گردنیں ایسی اکڑی ہوں گی کہ سجدہ کے لیے جُھک نہیں سکیں گے۔ جب دُنیا میں خُدا کو سجدہ نہ کیا تو اب ان کا سجدہ کیوں قبُول کیا جائے۔

صاحب الحوت سے مراد حضرت یونسؑ ہیں۔ جو قوم کی سرکشی سے اور ان پر عذاب ٹل جانے کی وجہ سے غصّہ میں بھرے ہوئے چل دیئے تھے۔ انہوں نے صبر سے کام نہ لیا۔ لہٰذا اے رسولؐ، تم ان جیسے نہ بنو۔ تمہاری قوم جو ظلم تم پر کر رہی ہے اُسے صبر و استقلال کے ساتھ جھیلو۔ اگر حضرت یونسؑ بطنِ ماہی میں یادِ خدا نہ کرتے تو وہ زندہ

رہ نہیں سکتے تھے۔ تسبیح خدا کی برکت سے جب زندہ و سلامت مچھلی نے انہیں اُگلا تو وہ ایک چٹیل میدان کے کنارہ پر پڑے۔ بدن میں اتنی سکت کہاں تھی۔ جلدِ بدن نہایت نرم و نازک ہوگئی تھی۔ خدا نے اپنی رحمت سے ایک کدو کی بیل وہاں اُگا دی جس کے چوڑے چوڑے پتوں نے ان کو ڈھانپ لیا۔ جس سے نہ تو سُورج کی کرنوں سے انہیں تکلیف پہنچی اور نہ مکھی وغیرہ کے بیٹھنے سے تکلیف ہوئی۔

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ع

یہ کافر لوگ تمہیں ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں گویا تمہارے قدم اُکھاڑ دیں گے اور جب قرآن کو سُنتے ہیں تو کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے حالانکہ یہ قرآن تمام عالموں کے لیے نصیحت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ سے یہ مراد ہے کہ وہ غیظ بھری نگاہوں سے ایسا گھور کر دیکھتے ہیں گویا کھا جائیں گے۔ جب حضورؐ قرآن پڑھ کر سُناتے تھے تو کفّار و مشرکین بڑی غیظ آلود نگاہوں سے حضرتؐ کو دیکھتے تھے اور کہتے تھے، سُننے والو! اس کی باتیں کیا سُن رہے ہو۔ یہ شخص تو دیوانہ ہے۔ حالانکہ جو چیز اُن کو سُنائی جا رہی تھی وہ تمام عالموں کے واسطے نصیحت تھی۔ جو کلام تمام عالموں کے لیے باعثِ ہدایت ہو بھلا اس کا بیان کرنے والا دیوانہ کیسے ہوسکتا ہے۔

نظرِ بد کا اثر اگر کسی پر ہوگیا ہو تو سات مرتبہ یہ آیت اس پر دم کردے یقیناً اُسے صحت حاصل ہوگی۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا ہے اگر قبروں کو کھود کر دیکھا جائے تو ان میں سے اکثر اموات نگاہِ بد کے اثر سے ہوئی ہوں گی۔

---

(۶۹) سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ (۷۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَاۗقَّةُ ۝۱ مَا الْحَاۗقَّةُ ۝۲ وَمَاۗ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۗقَّةُ ۝۳ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸ وَجَاۗءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰

سچ مچ ہونے والی قیامت۔ وہ سچ مچ ہونے والی کیا چیز ہے، وہی کھڑکھڑانے والی جس کو عاد و ثمود نے جھٹلایا۔ غرض ثمود تو چنگھاڑ سے ہلاک کر دئیے۔ رہے عاد تو وہ بہت شدید تیز آندھی سے ہلاک کیے گئے۔ خدا نے اسے سات رات اور آٹھ دن لگاتار ان پر چلایا تو لوگ اس طرح ڈھے (مرے) پڑے تھے گویا وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے تھے۔ تو کیا ان میں سے کسی کو بچا کھچا دیکھتا

قوم عاد و ثمود پر عذاب

ہے اور فرعون اور جو لوگ اس سے پہلے تھے اور وہ (قوم لوط) جو اُلٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے تھے سب گناہ کے کام کرتے تھے انہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی تو خدا نے بھی ان کو بڑی سختی سے دھر پکڑا۔

آنحضرتؐ کے زمانہ میں لوگ قیامت کے منکر تھے اور کہتے تھے یہ بات تو عقل میں آنی والی ہی نہیں، ہم اسے کیسے مان لیں۔ ان سے کہا جا رہا ہے وہ تو آکر رہے گی۔ تمہارے انکار سے اس کا آنا رُک نہیں سکتا۔ جو لوگ تم سے پہلے انکار کرتے تھے۔ ان کا جو حشر ہوا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قوم عاد و ثمود اور قوم لوط و فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت جس طرح ہوئی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ زمین پر اب تک ان کے نشانات موجود ہیں۔ پس جب ہمارے عذاب سے وہ نہ بچے تو تم کیا بچو گے۔

انبیا سابقین کی امتوں پر جو عذاب آئے ان سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ آخرت میں وہ معتوب نہ ہوں گے یہاں کی سزا ان کو وہاں کی سزا سے بری نہ کرے گی۔ یہاں تو جو سزا ان کو دی گئی تھی وہ محض رسول کی نافرمانی کی سزا تھی۔ جیسا کہ فرماتا ہے فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا "۱۶/۷۳ المزمل" (فرعون نے رسول کی نافرمانی کی پس ہم نے اُسے سختی کے ساتھ دھر پکڑا)۔ پس رہا احکام الٰہی کو نہ ماننا اور حقوق العباد کا ضائع کرنا۔ بے گناہوں پر ظلم کرنا۔ معاشرہ میں فساد پھیلانا تو اس کی سزا تو ظالم و مظلوم دونوں کی موجودگی میں حساب کتاب کے بعد ہوگی۔

ہمارے رسولؐ چونکہ رحمۃ للعالمینؐ ہیں لہٰذا اُن کی امت میں من حیث المجموع کسی قوم پر عذاب نہیں آیا اور نہ قیامت تک آئے گا بلکہ آخرت میں ان پر دُہرا عذاب ہوگا۔ رسولؐ کی نافرمانی بے حرمتی اور ایذا رسائی کا بھی اور حقوق الناس کی ضبطی۔ ستم پروری اور فتنہ پروری کا بھی۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاۗءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَاۗ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝۱۳ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝۱۴ فَيَوْمَىِٕذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱۵

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

جب پانی چڑھنے لگا تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار کیا تاکہ ہم اسے تمہاری یادگار بنائیں اور (سننے والے) سُن کر یاد رکھیں پھر جب صور میں ایک بار پھونک ماردی جائے گی اور زمین اور پہاڑ اکبارگی (ٹکرا کر) ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے تو اس روز قیامت آہی جائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ پھُس پھُسا ہوگا اور فرشتے اس کے کنارہ پر ہوں گے اور تمہارے پروردگار کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے سروں پر اٹھائے ہوں گے۔ اس دن تم سب (خدا کے سامنے) پیش کیے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات چھپی نہ رہے گی۔

پہلی آیت میں نوحؑ کے طوفان کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب طوفانِ نوحؑ میں پانی چڑھنے لگا تو ہم نے تم کو سوار کیا۔ یہاں 'تم کو' سے مراد وہی لوگ ہیں جو کشتیٔ نوحؑ میں سوار تھے۔ لیکن عہدِ رسالت والے لوگوں سے خطاب اس بنا پر ہے کہ تم انہیں کی اولاد ہو۔ اگر وہ نہ بچالیے جاتے تو تم کہاں سے ہوتے۔ پس ان کا کشتی میں سوار کرنا گویا تمہارا سوار کرنا تھا۔

اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ سے مراد ایسے کان ہیں جو بات کو سُن کر یاد رکھتے ہیں بھُول نہیں جاتے۔ ایسے کان والے سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ تفسیر دُرِّ منشور جلد ۶ میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسولؐ نے فرمایا، میں نے خدا سے عرض کی تھی کہ ایسے کان علیؑ کے بنادے جو کبھی کسی بات کو سُن کر نہ بھُولیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے جو بات میں نے رسولؐ سے سُنی وُہ کبھی نہ بھُولا اور بریدہ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا، مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنے سے قریب کروں اور دُور نہ ہونے دوں۔ اور تم کو تعلیم دوں اور تم یاد رکھو تم کو حق کی قسم یاد رکھنا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا، اے علی! تُو میرے علم کی یاد رکھنے والا کافی ہے۔

غور کیا جائے تو امیر المومنین کی یہ ایک بہت بڑی صفت ہے جس میں دوسرے شریک نہیں۔ اصحاب رسولؐ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں پایا جاتا تھا جس نے آنحضرتؐ کی تعلیم کو اس طرح یاد رکھا ہو کہ کوئی جُز اس کا بھُولا ہی نہ

ہو۔ قرآن بتارہا ہے کہ ایسے لوگ بھی تھے جو حضورؐ کے مواعظ کے سننے کے بعد جب باہر نکلتے تھے تو اہلِ علم سے پوچھتے تھے مَاذَا قَالَ اٰنِفًا (حضورؐ نے ابھی کیا فرمایا تھا) حضرت علیؑ فرماتے تھے میں نے رسولؐ سے تعلیم اس طرح حاصل کی کہ جب میں نے جو کوئی بات پوچھی تو حضرتؐ نے اس کا جواب دیا۔ اور جب میں خاموش رہا تو اپنی طرف سے خود حضرتؐ نے تعلیم دی۔ اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرماتے تھے۔ هٰذَا سَفَطُ الْعِلْمِ هٰذَا لُعَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ هٰذَا مَا زَقَّنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ زَقًّا۔ (میرا یہ سینہ علم کی گٹھڑی ہے یہ لعابِ رسولؐ کا اثر ہے یہ وہ علم ہے جس کو رسولؐ نے اس طرح تعلیم دیا ہے جیسے طائر اپنے بچّہ کو بھراتا ہے)۔ پس تعلیم رسولؐ کو محفوظ رکھنے والا حضرت علیؑ سے زیادہ کون ہوسکتا ہے۔

آیت نمبر ۱۷ میں ہے کہ آٹھ فرشتے عرشِ الٰہی کو اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ یہ آیت آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔ اس کی تاویل راسخون فی العلم کے سوا کوئی نہیں بتاسکتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خدا نہ صاحبِ جسم ہے نہ صاحبِ جہت و مکاں، نہ وہ ہماری طرح بیٹھا ہُوا ہے جسے آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں۔ بظاہر یہی کہا جاسکتا ہے کہ جب آسمان پھٹیں گے تو آٹھ فرشتے عرشِ الٰہی کی حفاظت پر مامور ہوں گے اور اُسے پھٹنے سے بچائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مجسّمہ فرقہ کا یہ خیال کفرِ محض ہے کہ قیامت کے دن تمام کارِ صنایہ درہم برہم ہوجائے گا۔ سوائے خدا کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ خدا عرش پر بیٹھ کر تمام مخلوق کو اپنا جلوہ دکھائے گا اور لوگوں سے خود سوال و جواب کرے گا۔ ورنہ محاسبہ کیسے ہوگا۔ اس صورت میں تو خدا صاحبِ جسم قرار پاتا ہے اور جو صاحبِ جسم ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ جلوہ آرائی تو صاحبِ جسم ہی کرسکتا ہے نہ کہ وہ ذاتِ پاک جو جسم و جسمانیات سب سے مبرّا ہے۔ اب رہا سوال و جواب کرنا تو جس طرح آج اس دُنیا میں وہ اپنے احکام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے پہنچا رہا ہے اور دُنیا والوں کی باتوں کا جواب دے رہا ہے اسی طرح قیامت میں ہوگا۔ حضرت رسُولِ خدا اہلِ محشر سے بات چیت کریں گے۔ بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ میدانِ حشر میں ایک آواز پیدا ہوگی جو اہلِ محشر سے بات چیت کرے گی۔ یہ آواز خدا کسی چیز میں پیدا کرے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ ایسا نازک مسئلہ ہے کہ اس میں زیادہ غور و فکر کرنے سے انسان حدودِ ایمان سے باہر ہوکر گمراہی میں جاسکتا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا

بِمَآ اَسۡلَفۡتُمۡ فِى الۡاَيَّامِ الۡخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُوۡتَ كِتٰبِيَهۡ ﴿۲۵﴾ وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِيَهۡ ﴿۲۶﴾

جس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (لوگوں سے) کہے گا (لیجئے) میرا اعمال نامہ پڑھیئے میں تو جانتا تھا کہ میرا حساب کتاب ضرور ہوگا۔ پھر وہ دل پسند عیش میں ہوگا بڑے عالیشان باغ میں جس کے پھل بہت جھکے ہوئے قریب ہوں گے مزہ سے کھاؤ پیئو ان کارروائیوں کے صلہ میں جو تم گزشتہ زمانہ میں کر آئے ہو اور جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور نہ مجھے معلوم ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔

يٰلَيۡتَهَا كَانَتِ الۡقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَاۤ اَغۡنٰى عَنِّىۡ مَالِيَهۡ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّىۡ سُلۡطٰنِيَهۡ ﴿۲۹﴾ خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الۡجَحِيۡمَ صَلُّوۡهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِىۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيۡسَ لَهُ الۡيَوۡمَ هٰهُنَا حَمِيۡمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخَاطِئُوۡنَ ﴿۳۷﴾ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوۡلِ

شَاعِرٍ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۳﴾

کاش موت نے میرا کام تمام کر دیا ہوتا۔ افسوس میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میری سلطنت خاک میں مل گئی (حکم ہوگا) اسے گرفتار کر کے طوق پہنا دو پھر اسے جہنّم میں جھونک دو پھر ایک زنجیر میں جس کی ناپ ستّر گز کی ہے اسے خوب جکڑ دو کیونکہ نہ تو یہ صاحبِ عظمت خدا ہی پر ایمان لایا تھا نہ محتاج کے کھلانے پر (لوگوں کو) آمادہ کرتا تھا تو آج یہاں نہ کوئی اس کا غمخوار ہے اور نہ پیپ کے سوا اس کا کچھ کھانا ہے جس کو گنہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔ مجھے ان چیزوں کی قسم جو تم کو دکھائی دیتی ہیں اور جو دکھائی نہیں دیتیں بے شک یہ قرآن ایک معزّز فرشتہ کا لایا ہوا پیغام ہے اور یہ کسی شاعر کی تُک بندی نہیں، تم لوگ تو بہت کم ایمان لائے ہو۔ یہ نہ کسی کاہن کی خیالی بات ہے۔ تم لوگ تو بہت کم غور کرتے ہو، یہ تو سارے جہان کے پالنے والے خدا کا نازل کیا ہوا قرآن ہے۔

قرآن مجید کے متعلق کفار مختلف قسم کے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ بعض کہتے تھے یہ رسول نے خود گھڑ لیا ہے۔ ۲۔ اس میں شاعری کے سوا کیا رکھا ہے۔ ۳۔ یہ تو پُرانے زمانے کے قصے ہیں۔ ۴۔ یہ ایک نجومی (کاہن) کا کلام ہے۔ ۵۔ انمل بے جوڑ باتیں ہونے کی وجہ سے ایک دیوانہ کا کلام ہے۔ خدا نے ان سب کی تردید میں فرمایا ہے، نہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے نہ کاہن کا بلکہ رب العالمین خدا کا نازل کیا ہوا کلام ہے جسے ایک بزرگ پیغامبر (فرشتہ) کے ذریعہ سے اپنے رسول (محمد مصطفےٰ) کے پاس بھیجا گیا ہے اور اس کی صداقت کے متعلق جا بجا ثبوت قرآن میں مذکور ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خدا کے سوا دوسرے کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ

حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ
اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾
وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾

اگر رسول ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بنا لاتے تو ہم اُن کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ضرور ان کی گردن اُڑا دیتے تو تم میں سے کوئی مجھے اس سے روک نہ سکتا۔ یہ تو پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ جھٹلانے والے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کافروں کے لیے حسرت کا باعث ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ یقیناً برحق ہے پس تم اپنے بزرگ پروردگار کی تسبیح کرو۔

جو لوگ کہتے تھے کہ یہ قرآن رسولؐ نے گھڑ لیا ہے اُن کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ پوری کتاب کا کیا ذکر اگر نبی ایک بات بھی ہماری طرف سے بنا کر کہہ دے تو ہم اس کی گردن کاٹ کر رکھ دیں۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے پیرو کہتے ہیں اگر ہمارا نبی جھوٹا ہوتا تو خدا اس کو ضرور ہلاک کر ڈالتا۔ لہٰذا اس کو ہلاک نہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ سچا نبی ہے۔

اُن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ خدا جو کچھ فرما رہا ہے وہ اس نبی کے متعلق ہے جس کو اس نے خود بنایا ہے نہ یہ کہ وہ خود نبی بن بیٹھا ہو۔ ایسے شخص کو تو سزا آخرت میں ملے گی۔ یہاں تو اس کی باطل نبوت کا راز خود ہی لوگوں پر کھل جائے گا۔

﴿٧٠﴾ سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ﴿٧٩﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿١﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ
دَافِعٌ ﴿٢﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ﴿٣﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ
وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ
سَنَةٍ ﴿٤﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿٥﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ
بَعِيْدًا ﴿٦﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿٧﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿١٠﴾
يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ
بِبَنِيْهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ
تُـْٔوِيْهِ ﴿١٣﴾ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿١٤﴾
كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿١٦﴾ تَدْعُوْا مَنْ
اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿١٨﴾

ایک مانگنے والے نے وہ عذاب مانگا جو کافروں پر آتا ہے اور جس کا دفع کرنے والا کوئی نہیں

ہوتا جو صاحبِ درجات خدا کی طرف سے (ہونے والا) تھا۔ جس کی طرف رُوح الامین اور فرشتے چڑھتے ہیں اور یہ ایک دن میں اتنی مسافت طے کرتے ہیں جس کا اندازہ پچاس ہزار برس ہے تو تم ان تکلیفوں کو اچھی طرح برداشت کرتے رہو۔ قیامت اُن کی نگاہ میں بہت دُور ہے اور ہماری نظر میں نزدیک ہے۔ اس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کا سا ہو جائے گا اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی جیسا۔ باوجودیکہ ایک دوسرے کو دیکھتا ہو گا لیکن کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ گنہ گار آرزو کرے گا کاش اس دن کے عذاب کے بدلے اس کے بیٹوں اس کی بی بی اس کے بھائی اور اس کے کنبہ میں جس میں وہ رہتا تھا اور جتنے آدمی رُوئے زمین پر ہیں سب کو لے لیں اور اس کو چھٹکارا دے دیں مگر یہ ہرگز نہ ہو گا۔ اس کے لیے وہ جہنّم کی آگ ہے جو کھال کو ادھیڑ کر رکھ دے گی اور ان لوگوں کو بُلاتی ہو گی جنہوں نے دین سے پیٹھ پھیری اور منہ موڑ لیا۔ اور مال جمع کیا اور قید کر رکھا۔

شیعہ مفسرین نے اس سورہ کی شانِ نزول یہ لکھی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ کو غدیر خم میں اپنا خلیفہ نامزد کیا اور یہ خبر اطراف و بلاد میں پھیلی تو حارث بن نعمان فہری مدینہ آیا اور اپنے ناقہ سے اُترا اور ایک جگہ اسے باندھ کر حضرتؐ کی خدمت میں آیا۔ آپؐ اس وقت اصحابؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ یہ آتے ہی بے باکی سے کہنے لگا اے محمدؐ تم نے توحید کو کہا ہم نے مان لیا۔ نماز کو کہا ہم نے نماز پڑھی۔ روزہ کو کہا ہم نے رکھا۔ حج کو کہا ہم نے کیا۔ اس پر بھی تم کو چین نہ آیا اور اپنے چچا زاد بھائی کو ہم پر حاکم بنا دیا۔ یہ تم نے اپنی طرف سے کیا ہے یا خدا کی طرف سے۔ فرمایا، خدا کی قسم خدا کی طرف سے کہا۔ یہ سن کر حارث پچھلے پاؤں پلٹا اور یہ کہتا ہوا چلا کہ خداوندا اگر یہ سچ کہتے ہیں تو مجھ پر آسمان سے کوئی پتھر یا کوئی عذاب نازل کر۔ ابھی وہ اپنی سواری تک نہ پہنچا تھا کہ ایک پتھر اس کے سر پر گرا اور اس کے پاخانہ کے مقام سے نکل گیا۔ (تفسیر ثعلبی)۔

اکثر مفسرین سوادِ اعظم کی یہ عادت ہے کہ جو چیز فضائلِ اہلبیتؑ سے متعلق ہوتی ہے اُسے ہٹانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ شانِ نزول کو بدل دینا تو ان کے لیے معمولی بات ہے چنانچہ ان آیات کا ترجمہ یوں کرتے ہیں، کسی سائل نے پوچھا، کافروں پر ایسا عذاب کب آئے گا جس کا کوئی دفع کرنے والا نہ ہو گا اس بلندی والے خدا سے کہا گیا جس تک پہنچنے کے لیے ملائکہ کو پچاس ہزار برس کی مسافت طے کرنا ہوتی ہے۔ خدا کسی جگہ بیٹھا نہیں جس تک پہنچنے کے لیے اتنی مدّت درکار ہو۔ بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ کائناتی نقطۂ آخر وہاں ہے کہ ملائکہ اس تک پچاس ہزار سال میں پہنچ سکتے ہیں۔ (ہمارے سال کے اعتبار سے)۔

تفسیر صافی اور اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ قیامت میں ٹھہرنے کے

پچاس مواقع ہیں اور ایک ایک موقع پر ہزار برس ٹھہرنا ہو گا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ کسی نے حضرت رسولِ خدا سے پوچھا یہ دن کیسا لمبا معلوم ہو گا۔ فرمایا، خدا کی قسم، مومن کے لیے تو وہ اتنا چھوٹا ہو گا جتنی دیر میں وہ دو رکعت نماز پڑھتا ہے۔

پھر رسولؐ کو حکم ہوتا ہے کہ تم کو کافروں سے جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں ان پر صبر کرو پورا پورا صبر۔ اس کے بعد قیامت کا ذکر آیا ہے۔ فرماتا ہے، لوگ اسے دُور سمجھتے ہیں اور ہم اس کو قریب جانتے ہیں۔

اکثر جگہ قرآن میں اور احادیث میں قربِ قیامت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ لوگ ہمیشہ یہ کہتے رہے ہیں، یہ کیسا قرب ہے کہ آتا ہی نہیں۔ ہزار ہا برس اسی وعدہ میں گزر گئے۔ ان کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں کہ کائنات کی عمر کیا ہے۔ پس جتنا زمانہ گزرتا جاتا ہے قیامت قریب ہی آتی جاتی ہے۔ جیسے انسان کی عمر کا جتنا حصّہ گزرتا جاتا ہے موت اس سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ کائنات کی عمر کتنی ہے خدا اس کو بتانا نہیں چاہتا۔ یہ اس کے مصالح پر موقوف ہے۔ البتہ اس نے اس کی علامتیں بتا دی ہیں۔ آسمان تانبے کی طرح سرخ ہو جائے گا یعنی اس قدر آگ بھڑکے گی کہ تانبے کی طرح سرخ معلوم ہو گا۔ اور یہ اونچے اونچے سربفلک پہاڑ جو روئے زمین کے ایک بڑے حصّہ پر پھیلے ہوئے ہیں دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہر طرف اُڑتے اُڑتے پھرتے ہوں گے اور یہ ایسا سخت وقت ہو گا کہ کوئی کسی کا دوست نہ ہو گا۔ جو مجرم قرار پائیں گے وہ کوئی بدلہ دے کر چھٹکارا چاہیں گے۔ تب بھی ممکن نہ ہو گا چاہے وہ تمام دُنیا کو بدلہ میں دے دیں تو بھی جہنم سے آزادی نہ ملے گی، وہ ضرور جہنم کے شعلوں میں ڈالے جائیں گے جو ان کی کھال کو جھلس کر رکھ دیں گے۔ پھر کھال پیدا ہو گی اور پھر جھلس جائے گی۔ یہی ہوتا رہے گا کب تک ایسا ہو گا اسے کوئی نہیں بتا سکتا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ

عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾

انسان بے شک بڑا لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اُسے تکلیف چھو بھی گئی تو گھبرا گیا اور جب ذرا فراخی حاصل ہوئی تو بخیل بن بیٹھا۔ مگر جو لوگ نمازیں پڑھتے ہیں جو اپنی نماز کا التزام رکھتے ہیں اور جن کے مال میں مانگنے اور نہ مانگنے والے کے لیے مقرر حصّہ ہے اور جو لوگ روزِ جزا کی تصدیق کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں بے شک ان کو رب کے عذاب سے بے خوف رہنا چاہیئے۔

یعنی انسان کو جب مالی تکلیف ہوتی ہے تو بلبلا بلبلا کر خدا سے دُعا مانگتا ہے اور جب اللہ اپنے فضل سے دولت کا مالک بنا دیتا ہے تو پھر بخل سے کام لیتا ہے اور محتاجوں کو کوڑی نہیں دیتا۔ یہ بھلا دیتا ہے کہ میں بھی کبھی محتاج تھا ہاں وہ لوگ ایسے نہیں جو بڑی پابندی سے نمازیں پڑھتے ہیں اور جو روزی خدا نے دی ہے اس میں سے مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کو جنہیں مانگتے شرم آتی ہے کچھ حصّہ دیتے رہتے ہیں۔ یعنی زکوٰۃ واجب مراد نہیں بلکہ ازراہِ ہمدردی اور اخوّتِ اسلامی ان کی مدد کرتے رہتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾

اور وہ اپنی شرمگاہوں کی اپنی بی بیوں اور اپنی کنیزوں کے سوا حفاظت کرتے ہیں ایسے لوگوں

کو ہرگز ملامت نہیں کی جائے گی مگر جو لوگ ان کے سوا اوروں کے خواستگار ہوں تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کا خیال رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنی شہادتوں (گواہیوں) پر قائم رہتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ایسے ہی لوگ بہشت کے باغوں میں عزت سے رہیں گے۔

فروج کی حفاظت سے مراد زنا سے بچنا ہے اور عریانی سے بھی۔ جو لوگ اپنی بی بیوں اور لونڈیوں کے سوا دوسری عورتوں سے زنا کریں گے وہ حدودِ شریعت سے باہر ہو جائیں گے۔
سچی گواہی دینا اور سچی گواہی سے اپنے کو بچانا بھی گناہ ہے۔ اس سے پہلے بھی نماز کی حفاظت کا ذکر تھا۔ اب دوبارہ نمازوں کی حفاظت کے لیے بیان کیا گیا ہے یہ بغرض تاکید ہے۔

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ﴿٣٧﴾ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا ۖ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ ﴿٤٠﴾ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٤١﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٤٢﴾ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٤٤﴾

(اے رسولؐ) ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ تمہارے پاس گروہ کے گروہ داہنے بائیں سے دوڑے ہوئے چلے آرہے ہیں کیا ان میں سے ہر شخص اس کا متمنّی ہے کہ آرام دہ جنّت میں داخل ہوگا۔ ہرگز نہیں، ہم نے جس گندی چیز سے پیدا کیا تو یہ لوگ اسے جانتے ہیں تو میں مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم کھاتا ہوں کہ ہم ضرور اس بات کی قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے ان سے بہتر لوگ لا بسائیں اور ہم عاجز نہیں ہیں تو تم ان کو چھوڑ دو کہ باطل میں پڑے کھیلتے رہیں یہاں تک کہ جس دن کا وعدہ کیا گیا ہے وہ آموجود ہو۔ اس دن یہ لوگ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے گویا وُہ کسی جھنڈے کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں ان کی آنکھیں جُھکی ہوں گی ان پر رُسوائی چھائی ہوئی ہوگی یہ وُہی دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ یہ کافر لوگ تمہارا مذاق اڑانے کے لیے ہر طرف سے دوڑے ہوئے چلے آتے ہیں کیا یہ لوگ جنّت میں داخل ہونے کے قابل ہیں یا وہ لوگ جن کی صفات پہلے بیان کی گئی ہیں۔

چونکہ موسموں کے لحاظ سے چاند سورج مشرق و مغرب بدلتے رہتے ہیں اس لیے ربّ المشارق والمغارب فرمایا ہے۔ رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ ان کافروں کو یوں ہی کھیل کود کر زندگی بسر کرنے دو یہاں تک کہ جس قیامت کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کو آ جائے۔ اس روز یہ نہایت ذلّت سے قبروں سے نکالے جائیں گے۔

---

(۷۱) سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ (۷۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ① قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ② أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ③ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ إِذَا جَاءَ

لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ④ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ⑤ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ⑥

ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور کہا تم اپنی قوم کو ڈراؤ۔ اس سے پہلے کہ دردناک عذاب ان کے پاس آجائے۔ انہوں نے کہا اے قوم میں واضح طریق سے تم کو ڈرانے والا ہوں تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو وُہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں (موت کے) مقررہ وقت تک زندہ رکھے گا۔ اللہ کا معیّن کردہ وقت جب آجائے گا تو ٹلنے کا نہیں کاش تم جانتے ہوتے۔ نوحؑ نے کہا اے میرے ربّ، میں نے دن رات اپنی قوم کو (امرِ حق کی طرف) بُلایا لیکن وہ میرے بُلانے سے اور زیادہ گریز کرتے ہی رہے۔

حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو ہدایت کی مگر چند آدمیوں کے سوا کسی پر اثر نہ ہوا ان کا کہنا یہ تھا کہ بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کے عبادت گزار بنو اور گناہوں سے اپنے کو بچاؤ۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس پر عمل کرو۔ اگر تم نے میرا کہنا مانا تو جو کچھ گناہ تم نے اب تک کیے ہیں خدا ان کو بخش دیگا مگر وہ ایسی نالائق قوم تھی کہ حضرت نوحؑ کی بات کو کان دھر کر سُنتی ہی نہ تھی۔

وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ⑦ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ⑨ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ⑩ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ⑪ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ⑫ مَّا لَكُمْ لَا

تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

میں نے جب کبھی ان کو بُلایا (کہ توبہ کرلیں) تاکہ تُو ان کو بخش دے تو انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں اور (چھُپنے کے لیے) اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور اڑ بیٹھے اور اکڑ مکڑ کرنے لگے۔ پھر میں نے بالاعلان بُلایا پھر ظاہر بظاہر سمجھایا ان کو پوشیدہ طور پر بھی فہمائش کی اور ان سے کہا اپنے پروردگار سے مغفرت کی دُعا مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر موسلا دھار مینہ برسائے گا اور مال اور اولاد میں ترقّی دے گا۔ تمہارے لیے باغ اگائے گا اور نہریں جاری کرے گا تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ خدا کی عظمت کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے حالانکہ اُس نے تم کو طرح طرح کا پیدا کیا ہے۔

حضرت نوحؑ اپنی قوم کو ہدایت کرنے میں ہر طریقہ استعمال کرتے رہے۔ بالاعلان بھی سمجھایا۔ پھر ایک ایک کو علیحدہ علیحدہ بھی خفیہ طریق سے راہِ راست دکھائی۔ یہ بھی کہا کہ خدا تمہارے پچھلے گناہ معاف کردے گا یہ بھی کہا کہ خدا موسلا دھار رَو برسا کر تم کو قحط سے بچالے گا۔ یہ بھی کہا کہ مال اور اولاد میں تمہاری ترقی ہوگی۔ مگر وہ ایسے چکنے گھڑے تھے کہ کسی بات کا ان پر اثر ہی نہ ہُوا۔ جب حضرتؑ کچھ کہنا چاہتے تو کانوں میں انگلیاں دے لیتے۔ ان کے سامنے سے گزرتے تو کپڑوں سے منہ لپیٹ لیتے تاکہ وہ پہچان کر کسی کو بُلائیں نہیں۔ یا اُن کی آواز کانوں میں نہ آئے۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ

مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

(اور حضرت نوحؑ نے یہ بھی کہا) کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ خدا نے سات آسمان تہ بتہ بنائے اور چاند کا ان میں نور دکھا دیا اور سُورج کو روشن چراغ بنایا۔ اس نے زمین میں سے تمہارے لیے نباتات کو اُگایا۔ اس زمین میں پھر تم کو داخل کردے گا اور پھر اسی سے (قیامت کے دن) تمہیں باہر نکالے گا۔ خدا ہی نے تو زمین کا فرش بچھایا تاکہ تم اس کے چوڑے راستوں پر چلو پھرو۔ (جب نہ مانے) تو نوحؑ نے کہا، اے میرے پروردگار انھوں نے میری نافرمانی کی اور ان رئیسوں کے تابعدار بن گئے جنہوں نے مال و اولاد میں نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ انھوں نے بڑی بڑی مکّاریاں کیں۔ انھوں نے (لوگوں سے) کہا تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ وَدّ کو نہ سواع کو نہ یغوث و یعوق و نسر کو چھوڑنا۔ اور انہوں نے بہت سوں کو بہکایا۔ تُو بھی ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں ترقّی نہ دے۔

قوم نوح کے سردار اور رئیس عام لوگوں کو مختلف طریقہ سے بہکاتے تھے۔ کبھی کہتے تھے نوحؑ میں ایسی کیا خصوصیت ہے کہ اللہ نے اسے اپنا رسول بنایا ہے۔ یہ تو بہت معمولی آدمی ہے۔ نہ تو اس کے پاس کوئی خزانہ ہے نہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا ہے جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں وہ ہماری قوم کے رذیل لوگ ہیں جن سے ہم بات کرنا بھی نہیں چاہتے۔

جن بتوں کے نام آیت میں ذکر کیے گئے ہیں یہ مختلف قوموں کے بُت تھے جن کو جسیم آدمیوں کی صورت میں پتّھر کا بنایا گیا تھا۔ جن میں سے بعض کو مرد مانا جاتا تھا اور بعض کو عورتیں۔ طوفانِ نوح کے بعد انہی کی پُوجا ہونے لگی تھی۔ بعض کے نام بدلے گئے بعض لات و عزّیٰ اور منات کے نام کے نئے بُت بنا کھڑے کیے۔ یہی وہ ہیں جو ہندوؤں میں دیوی دیوتا کہلائے۔ آغاز اس کا یوں ہُوا کہ جس قوم میں کوئی بڑا پارسا روحانی عظمت والا انسان ہوتا تھا جس کے تقدّس کی ساری قوم قائل ہوتی تھی مرنے کے بعد اس کا پُتلا بطور

یادگار بنالیا جاتا تھا۔ کچھ دن تو لوگ تعظیماً اس کے سامنے جھکتے تھے پھر رفتہ رفتہ یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کی روح اس پتلے کے اندر حلول کر گئی ہے لہٰذا اس کے آگے سجدہ ریزی ہونے لگی پھر اس کو خدا کا رُوپ سمجھ کر پوجا ہونے لگی۔ ان کے نام وضع کر لیے گئے۔ سب سے پہلے دُنیا میں حضرت شیث بن آدمؑ کا پتلا بنایا گیا۔ حضرت نوحؑ کے زمانہ تک بت پرستی اس درجہ پھیل گئی کہ خدا پر ایمان لانے والے خال خال نظر آنے لگے۔ باوجود ساڑھے نو سو سال کی شب و روز ہدایت کرنے کے چند آدمیوں سے زیادہ مسلمان نہ ہو سکے۔ طوفانِ نوحؑ کے بعد کشتی میں جو لوگ تھے جب ان کی نسل چلی تو کچھ مدت بعد پھر بت پرستی کا عقیدہ زور پکڑ گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ تک یہ وبا اتنی عام ہوئی کہ مسلمان ڈھونڈے نہ ملتا تھا اس منزل پر پہنچ کر منکرینِ خدا تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک بت پرست دوسرے ستارہ پرست تیسرے شخصیت پرست یعنی نمرود کو خدا ماننے والے۔ آخر کار خود حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں مومن و کافر دونوں قسم کے لوگ پائے جاتے تھے۔

مِمَّا خَطِيٓـٰٔتِهِمْ أُغْرِقُوْا فَأُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۖ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾ ع

آخر وہ اپنے گناہوں کی سزا میں پہلے تو ڈبوئے گئے پھر جہنّم میں جھونک دیئے گئے۔ پھر انہوں نے خدا کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا اور نوحؑ نے کہا اے میرے رب، ان کافروں میں سے کسی کو روئے زمین پر بسا ہوا نہ رہنے دے اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی کافر ہی ہوگی۔ اے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ اور جو مومن میرے گھر میں آئے

اور تمام ایماندار مردوں اور عورتوں کو بخش دے اور ظالموں کی تباہی کو اور زیادہ کر۔

زمانہ نوحؑ کے کفار پر دوہرا عذاب نازل ہوا۔ ایک یہ کہ ان کو غرق کر دیا گیا دوسرا یہ کہ ان کی روحوں کو داخلِ جہنم کیا گیا۔ یہی صورت فرعون کے لیے ہوئی۔ جناب نوحؑ اپنی قوم کے مظالم سے اتنا پریشان ہو چکے تھے کہ انہوں نے تمام قوم کی تباہی کے لیے بددعا کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بستیوں میں کفار کی تعداد زیادہ تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ کسی کافر کا گھر آباد ہی نہ رہے ورنہ یہ لوگ یوں ہی بہکاتے رہیں گے اور جو اولاد ان کی ہوگی وہ کافر ہی رہے گی۔

﴿٧٢﴾ سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ﴿٤٠﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿١﴾ يَّهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴿٢﴾ وَّأَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿٣﴾ وَّأَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿٤﴾ وَّأَنَّا ظَنَنَّا أَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿٥﴾ وَّأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿٦﴾

اے رسول لوگوں سے کہو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن کو) جی لگا کر سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی راہ دکھاتا ہے تو ہم اس پر ایمان

لے آئے اور اب ہم کسی کو اپنے ربّ کا شریک نہ بنائیں گے اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بڑی ہے اُس نے نہ کسی کو بیوی بنایا ہے نہ بیٹا بیٹی۔ اور یہ کہ ہم میں سے بعض بے وقوف خدا کے بارہ میں حد سے زیادہ لغو باتیں بکا کرتے ہیں اور یہ کہ آدمی اور جنّ خدا کی نسبت جھوٹی بات نہیں بول سکتے۔ اور یہ کہ آدمیوں میں سے کچھ لوگ جنّات میں سے بعض کی پناہ پکڑا کرتے ہیں اور اس سے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔

ابنِ عبّاسؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت رسولؐ مبعوث برسالت ہوئے اور جنّوں کا آسمان پر جانا بند ہوا۔ تو وہ لوگ سمجھے کہ دُنیا میں کوئی نیا حادثہ ہوا ہے اس بنا پر کچھ جنّات اس کی تحقیق کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ اور وہ اطرافِ عالم میں پھیل گئے۔ چنانچہ جو مکہ آئے تھے انہوں نے بازارِ عکاظ میں حضرتؐ کو دیکھا کہ اپنے اصحابؓ کے ساتھ نمازِ صبح میں مشغول ہیں۔ جب انھوں نے حضرتؐ کو قرآن پڑھتے سُنا تو کہنے لگے یہی وہ واقعہ ہے جس نے ہم لوگوں کو آسمان پر جانے سے روکا ہے آخر یہ لوگ اپنی قوم کی طرف واپس گئے اور حال بیان کیا۔ (بخاری و مسلم)

پہلی آیت بتاتی ہے کہ حضورؐ کو جنّوں کے قرآن سننے کی خبر نہ تھی بعد کو بذریعہ وحی پتہ چلا۔ قُرْاٰنًا عَجَبًا کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ایسا کلام سُنا ہے جو بلحاظ الفاظ و معانی بے مثل و بے نظیر ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جنّوں کا یہ گروہ عربی زبان جانتا تھا۔ نیز یہ کہ ان کی قوم میں کافر و مشرک و موحد ہر قسم کے لوگ تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کچھ لوگ جنّوں کی پناہ میں رہنے والے تھے اور جنّوں کی سرپرستی اور ہمدردی کی وجہ سے ان میں سرکشی پیدا ہو گئی تھی۔

قومِ جنّ کے متعلق لوگوں کے خیالات عجیب و غریب ہیں :

۱ - یہ مخلوق انسان سے علیٰحدہ ہے۔ قرآن میں ان دونوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ سے ذکر کیا گیا ہے جیسے یامعاشر الجنّ والانس۔ (اے گروہ جنّ و انسان) - آدم کو مٹی سے بنایا ہے اور جنّات کو آگ سے۔

۲ - قومِ جنّ کوئی علیٰحدہ سے جنس نہیں بلکہ انسانوں میں شامل ہیں۔ انسانوں میں جو لوگ قوی اور تند مزاج ہوتے ہیں وہ جنّ کہلاتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے ایسے ہی سرکش لوگوں کو اپنے قبضہ میں کیا تھا۔

۳ - جنّ کا علیٰحدہ سے کوئی وجود نہیں اگر ہوتا تو کہیں نظر آتے۔ لیکن یہ بہت کمزور بات ہے۔ کیا کوئی چیز نظر نہ آوے تو اس کے وجود سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو جنّت و نار بلکہ ذاتِ باری تعالیٰ تک سے انکار کرنا ہوگا۔

۴ - قومِ جنّ کی کوئی تاریخ نہیں نہ یہ پتہ کہ یہ قوم کہاں رہتی ہے۔ یہ بھی غلط ہے وجودِ آدم سے پہلے زمین پر یہی قوم بستی تھی جن کا سردار ابلیس تھا۔ ان میں رات دن خونریزی ہوتی رہتی تھی۔ آخر خدا نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ اس قوم کو جو خنّاس کہلاتی تھی تباہ و برباد کیا اور ان کو بجائے زمین کے فضائے آسمان میں جگہ دی۔ بعض کے نزدیک یہ زمین ہی پر ہیں مگر ان کی بستیاں نظر نہیں آتیں۔

الخ تمام اقوال میں صحیح قول یہی ہے کہ قومِ جنّ علیٰحدہ سے ایک قوم ہے یہ اپنا حلیہ بدل کر جس شکل میں چاہیں آسکتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے ان کو مسخر کر لیا تھا اور یہ قوی ہیکل انسانوں کی طرح ان کے لشکر میں شامل تھے جو سرکشی کرتے تھے حسبِ تصریح قرآن ان کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تھا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ ان کے وفد مختلف اوقات میں حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں آتے رہتے تھے اور آپؐ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان میں بھی انسانوں کی طرح مومن و مشرک ہوتے ہیں۔ عقیدۂ توحید و نبوت و قیامت میں یہ لوگ انسانوں کے شریک ہیں اور انہی باتوں میں آنحضرتؐ کی رسالت کا ان سے تعلق ہے۔ ہماری طرح قرآن وہ بھی پڑھتے ہیں عبادات میں بھی وہ ہمارے شریک ہیں۔ جس طرح انسانوں کی غرضِ خلقت عبادات قرار دی گئی ہے اسی طرح جنّوں کی غرضِ خلقت بھی عبادت ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ "۵۶/۵۱ الذاریات" اگر جن انسانوں میں شامل ہوتے تو انسانوں سے الگ کر کے ان کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ اب رہی ان کی تکلیف شرعی۔ تو خدا بہتر جانتا ہے۔ جناب امیر علیہ السلام کا بیر العلم کنویں میں کود کر جنّوں کو قتل کرنا ثابت ہے۔ شیطانی گروہ میں جس طرح انسان شامل ہیں اسی طرح جنّ بھی داخل ہیں۔ اس لیے دونوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم خدا نے دیا ہے جیسا کہ سورۂ النّاس میں ہے مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ - النّاس ۱۱۴/۴-۶

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ⑦ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ⑧ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ⑨ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ⑩ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ⑪

اور جیسا کہ تمہارا گمان تھا ویسا ہی اُن انسانوں کا بھی اعتقاد تھا کہ خدا ہرگز کسی کو نبی بنا کر نہیں بھیجے گا،

اور یہ کہ ہم نے انسانوں کو ٹٹولا تو اسے بہت قوی نگہبانوں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا اور یہ کہ ہم وہاں بہت سے مقامات میں (باتیں) سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے مگر اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لیے شعلہ کو تیار پائے گا۔ اور یہ کہ ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے اہلِ زمین کے حق میں بُرائی مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور یہ کہ ہم میں کچھ لوگ تو نکوکار ہیں اور کچھ لوگ اور طرح کے ہیں۔ ہم لوگوں کے بھی تو کئی طرح کے فرقے ہیں۔

آنحضرتؐ کے مبعوث ہونے سے پہلے شیاطین و جنات آسمان پر جاتے تھے اور فرشتوں کی باتوں پر کان لگا کر جو کچھ ملتا تھا وہ کاہنوں سے بیان کر دیتے تھے۔ ان کو گمان بھی نہ تھا کہ اب دُنیا میں اور کوئی رسول بھی آئے گا۔ لیکن جب ہمارا جانا آسمانوں پر بند ہوا تو ہمیں فکر ہوئی کہ یہ ماجرا کیا ہے، ہر وقت آسمانوں پر چوکی پہرے بیٹھے ہوئے ہیں اور جو اوپر جانا چاہتا ہے تو شہابِ ثاقب کے کوڑے اس پر پڑتے ہیں تو غور کیا یہ معاملہ کیا ہے کوئی نئی چیز دُنیا میں پیدا ہوئی ہے۔ آیا خدا نے اس جدید نظام سے جو آسمانوں میں قائم کیا ہے اہلِ زمین کی کوئی بُرائی مقصود ہے یا بھلائی یا کوئی نبی مبعوث ہوا ہے اور اس کی ہدایات کے لیے خدا کا یہ انتظام ہو کہ جو احکام اس تک بھیجے جائیں ان پر شیاطین کو قطعاً کوئی اطلاع نہ ہو تاکہ وہ غلط بیان کر کے اپنے دوستوں تک نہ پہنچا سکیں۔

اور ان جنوں نے یہ بھی بتایا کہ ہم میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں۔ نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ اور یہ کہ ان میں فرقہ بندی بھی ہے۔

یہ تھے وہ انتظامات جو حضورؐ کی بعثت کے بعد کیے گئے۔ شیاطین کا آسمانوں پر جانا قطعاً بند کر دیا گیا۔ حضورؐ کی بعثت کے متعلق فرشتے آسمانوں میں جو باتیں کرتے تھے اب ان کی سُن گُن لینے کا شیاطین سے کوئی تعلق نہ رہا۔ یہ خصوصیت صرف ختم الانبیاءؐ کے لیے تھی۔

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا

الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہم اللہ کو نہ تو عاجز کر سکتے ہیں اور نہ بھاگ کر ہرا سکتے ہیں۔ جب ہم نے ہدایت (کی کتاب) سُنی تو اس پر ایمان لائے اور جو کوئی خدا پر ایمان لائے گا اس کو نہ نقصان کا خوف ہے نہ ظلم کا۔ ہم میں کچھ لوگ تو (خدا کے) فرمانبردار ہیں اور کچھ لوگ نافرمان اور پس جو فرمانبردار ہیں وہ تو سیدھے راستہ پر چلے اور جو نافرمان ہیں وہ جہنّم کا ایندھن بنے۔

یعنی ہم اس یقین پر تھے کہ ہم کسی حالت میں بھی خدا کو ہرا نہیں سکتے، اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں جا سکتے۔ لہٰذا جب ہم نے قرآن کو سُنا تو ہم ایمان لے آئے۔ اور یہ سمجھتے ہوئے کہ جو خدا پر ایمان رکھتا ہوگا اس کی حق تلفی نہ ہوگی۔ ہم میں فرماں بردار بھی ہیں اور نافرمان بھی۔ جو فرماں بردار ہیں وہ چونکہ صحیح راستہ پر ہیں لہٰذا اچھا بدلہ پائیں گے اور جو نافرمان ہیں وہ جہنّم میں جائیں گے۔ بعض لوگ یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ جب جن آگ سے بنائے گئے ہیں تو جہنّم کی آگ انہیں کیسے جلائے گی۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار بہلول دانا ایک طرف سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے ایک مقام پر بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ایک واعظ کی تقریر سُن رہے ہیں۔ یہ بھی وہاں جا کھڑے ہوئے۔ واعظ کہہ رہا تھا کہ شیعوں کے تین عقیدے سرتاپا باطل ہیں؛ اوّل یہ کہ خدا کا دیدار نہ ہوگا۔ جب ایک چیز موجود ہے تو دکھائی بھی ضرور دے گی۔ دوسرے یہ کہ خدا نے انسان کو فاعل مختار بنایا ہے حالانکہ وہ اپنے افعال میں مجبور ہے۔ تیسرے یہ کہ خدا شیطان کو آگ میں جلائے گا۔ جب شیطان آتشیں مخلوق ہے تو اُسے کیا جلائے گا۔ یہ سُن کر بہلول نے مٹی کا ڈھیلا اس کو کھینچ کر مارا۔ لوگوں نے بہلول کو پکڑ لیا۔ واعظ ان کو ساتھ لیے قاضی کے پاس پہنچا اور بہلول کی شکایت کی۔ بہلول نے کہا، میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ یہ کہہ رہا تھا بندہ اپنے فعل میں مجبور ہے تو جو فعل میں نے خود کیا ہی نہیں اس کا میں مجرم کیسے قرار پایا۔ دوسرے میرے ڈھیلا مارنے سے اسے کیا تکلیف پہنچی۔ اس نے کہا میرے سر میں درد ہو گیا۔ بہلول نے کہا مجھے دکھلا وہ درد کہاں ہے۔ اس نے کہا درد دکھانے کی کوئی چیز ہے کہ تجھے دکھاؤں۔ فرمایا تُو کہتا تھا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز موجود ہو اور دکھائی نہ دے پس دکھا نہیں۔ تیسرے تُو بھی مٹی کا بنا ہوا ہے اور ڈھیلا بھی مٹی کا تھا پھر اس نے تجھے کیسے تکلیف پہنچائی۔ تُو نے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان جہنّم میں کیسے جلے گا جبکہ وہ خود آگ کا بنا ہوا ہے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ
عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾ وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ
أَحَدًا ﴿١٨﴾ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ
عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾

اور یہ کہ اگر یہ لوگ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم ان کو الغاروں پانی سے سیراب کرتے تاکہ اس سے ان کی آزمائش کریں اور جو کوئی اپنے پروردگار کی یاد سے منہ موڑے گا تو وہ اس کو سخت عذاب میں جھونک دے گا۔ مسجدیں خالص خدا کی ہیں تو تم لوگ خدا کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرنا۔ جب اس کا بندہ (محمدؐ) اس کی عبادت کو کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس کے گرد ہجوم کر کے گرے پڑتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کفارِ مکہ صحیح راستہ پر آجاتے تو انہیں قحط کی کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ ہم بکثرت بارش کر کے ان کے کھیت لہلہا دیتے اور یہ دیکھتے کہ یہ ہمارے شکر گزار ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر اس پر بھی یہ ہم سے روگردانی کرتے تو پھر ان کی سزا جہنم کے سخت عذاب کے سوا اور کیا ہے۔

مسجدیں تو اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں تو اے رسولؐ، تم نہ تو یہودیوں کی طرح بنو جنہوں نے عزیرؑ کو ابن اللہ فرض کر کے خدا کی عبادت میں انہیں شریک کر لیا اور نہ عیسائیوں جیسا بنو جنہوں نے عیسیٰؑ بن مریمؑ کو خدا کا بیٹا بنا کر عبادتِ خدا میں شریک بنا لیا۔ تم تو بس خالص ایک ہی خدا کی عبادت کرو کسی اور کا خیال ہی دل میں نہ آنے دو۔

جب آنحضرتؐ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو لوگ ایک نئی عبادت دیکھ کر بھاگے ہوئے آتے اور حضورؐ کے گرد جمع ہو جاتے اور جب آپؐ رکوع و سجود کرتے تو قہقہے مار کر ہنستے اور کہتے یہ کس کی عبادت ہو رہی ہے سامنے تو ان کے کوئی ہے نہیں۔ یہ عجیب قسم کی عبادت ہے۔ جیسے ہمارے سامنے بُت ہوتے ہیں ان کے سامنے بھی ان کے معبود کو ہونا چاہیئے۔

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ إِنِّي لَا

أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ
اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ إِلَّا بَلَاغًا مِنَ
اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ۚ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ
جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ﴿٢٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ
فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ﴿٢٤﴾

(اے رسول تم ان مشرکوں سے) کہدو کہ اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں میں اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا اور یہ بھی کہدو کہ میں تمہارے حق میں نہ برائی ہی کا اختیار رکھتا ہوں، نہ بھلائی کا اور یہ بھی کہہ دو کہ مجھے خدا کے عذاب سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں اس کے سوا کہیں پناہ کی جگہ دیکھتا ہوں۔ میں خدا کی طرف سے (احکام کے) پہنچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا اور جس نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لیے یقیناً جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ابد تک رہے گا یہاں تک کہ جب یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ لیں گے جن سے ان کا وعدہ کیا جاتا ہے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کا شمار

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں میرا فرض یہ ہے کہ میں اس کے پیغامات تم تک پہنچا دوں۔ میں کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا ذمہ دار بن کر نہیں آیا، یہ کام خدا کا ہے۔ میں تو یہ بتانے آیا ہوں کہ جو خدا کی نافرمانی کرے گا اس کی سزا جہنم ہے۔ کفارِ مکہ کو بڑا گھمنڈ تھا کہ ہماری بہت بڑی جماعت ہے ہم ان چند مسلمانوں کو جو رسولؐ پر ایمان لے آئے ہیں پیس کر رکھ دیں گے تو رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ تم ان سے کہہ دو ذرا وہ وقت جس کا وعدہ ہے آنے دو اس وقت پتہ چل جائے گا کہ کون زبردست ہے اور کون کمزور، کس کی طاقت کم ہے اور کس کی زیادہ۔

قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ مَا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي

اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ
ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ
رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا
لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

اے رسول تم کہہ دو میں نہیں جانتا کہ جس دن کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی مدّت دراز کر دی ہے غیب داں تو وہی ہے وہ اپنے غیب کی بات ظاہر نہیں کرتا مگر جس پیغمبر کو پسند فرماتے تو اس کے آگے اور پیچھے نگہبان (فرشتے) مقرّر کر دیتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے وہ ان کی ہر چیز کو اپنے احاطۂ علم میں لیے ہوئے ہے اور اُس نے تو ایک ایک چیز کو گن رکھا ہے۔

رسولؐ کے عالم الغیب ہونے سے متعلق مفسرین کے دو گروہ ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ غیب کا علم رسولؐ کو بالذات حاصل تھا یعنی اُن کی ذات میں داخل تھا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ غیب کا علم بالذات خدا کے لیے ہے یعنی علم عین ذات ہے زائد بر ذات نہیں اور رسولؐ کا علم زائد بر ذات ہے یعنی ذات سے الگ ایک چیز ہے۔ جب خدا نے عطا فرمایا تب رسولؐ کو حاصل ہوا۔ عین ذات اور داخل بالذات میں فرق ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ جب خدا کسی غیب کی بات کو ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہے تو اپنے رسولؐ کو بتا دیتا ہے۔ رسولؐ بطور خود کوئی خبر نہیں دے سکتے۔ جب رسولؐ وحی کے سوا کوئی کلام نہیں کرتے تو کسی غیب کا اظہار لامحالہ بذریعہ وحی کرتے ہیں۔

---

۷۳ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ

انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ
تَرْتِیْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ
الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِی
النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ﴿۷﴾ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ
اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ﴿۹﴾

اے چادر لپیٹنے والے رسول رات کو (نماز کے واسطے) کھڑے ہو (مگر پوری رات نہیں) تھوڑی رات آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر دو یا اس سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو باقاعدہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو ہم عنقریب تم پر ایک بھاری حکم نازل کریں گے۔ بے شک رات کا اُٹھنا پامال کن اور بہت ٹھکانہ سے ذکر کرنے کا وقت ہے دن کو تو تمہارے بہت سے اشغال ہیں پس تم اُن میں اپنے رب کے نام کو یاد کر لیا کرو اور سب سے ٹوٹ کر اس کی طرف ہو رہو وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسی کو کارساز بناؤ۔

نبی آخر الزماںؐ کا یہ خاص اعزاز ہے کہ خدا نے ان کا نام لے کر کہیں نہیں پکارا۔ ہر نبی کا نام لے کر پکارا۔ یا آدمؑ۔ یا نوحؑ۔ یا ابراہیمؑ۔ یا موسیٰؑ، لیکن قرآن میں کہیں یا محمدؐ نہ ملے گا۔ حضورؐ کو جہاں پکارا ہے صفات کے ساتھ پکارا ہے جو ادا جو حالت حضورؐ کی پسند کی اسی سے پکار لیا۔ یا ایّھا المزمّل (کمبل پوش) یا ایّھا المدثر (اے چادر پوش)۔ یٰس، یا ایّھا النبیّ، یا ایّھا الرّسول۔ مسلمان حضورؐ کو کملی والا کہہ زیادہ یاد کرتے ہیں۔ ع میری جان تجھ پہ فدا کملی والے۔ لیکن کوئی ردا یا چادر والا کہہ کر خوش نہیں ہوتا۔ کساوالا کہہ ان کا دل خوش نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ رسولؐ کے ساتھ کسا میں، چادر تطہیر میں کچھ اور لوگؑ بھی شریک تھے جن سے مسلمانوں کو بس اتنی ہی محبت ہے جتنی عام مسلمانوں سے ہوتی ہے۔

یا ایّھا المزمّل سے اس سورہ کا آغاز کیا گیا ہے۔ وحی کے وقت حضرتؐ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی۔

بعض اوقات شدت کے جاڑے میں بھی آپؐ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ حتّٰی کہ ابتدائے نبوت میں جب آپؐ فرشتہ کی آواز سنتے تو بیوی حضرت خدیجہؓ سے فرماتے کہ مجھے کپڑے میں لپیٹ دو۔ چنانچہ آپؐ اس حالت میں ایک بار تھے کہ خدا کو اپنے محبوبؐ کی یہ ادا پسند آئی۔ اس وجہ سے خدا نے آپؐ کو یاایھا المزمّل کہہ کر پکارا ہے۔

حضرتؐ رات رات بھر عبادت کرتے تھے نمازیں پڑھتے پڑھتے آپؐ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا۔ لہٰذا آپؐ سے کہا جا رہا ہے بس آدھی رات یا اس سے کچھ کم و زیادہ کافی ہے۔ سورہ طٰہٰ میں کہا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لیے تم پر نازل نہیں کیا کہ تم اپنے کو مشقت میں ڈالو۔ آدھی رات عبادت میں گزارو اور کچھ دیر سو ؤ۔ قرآن کو جلدی نہ پڑھو بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر بھاری کلام نازل کریں گے۔ بھاری اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا آسان نہیں ہے یا اس اعتبار سے کہ جب وحی نزولِ قرآن ہوتا تھا تو اگر حضرتؐ اونٹ پر ہوتے تھے تو اس کا شکم زمین سے زیادتیِ وزن سے جا لگتا تھا۔ ابنِ عباسؓ کا قول ہے کہ ایک بار نزولِ وحی کے وقت حضورؐ کا سرِ اقدس میری ران پر تھا مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میری ران کی ہڈی چٹخ جائے گی۔ روزِ فتح مکہ جب بت شکنی کے لیے حضرت علیؑ کے کاندھے پر قدم رکھ کر آپؐ نے چڑھنا چاہا تو حضرت علیؑ اس بار کو برداشت نہ کر سکے کیونکہ وہ نزولِ وحی کا وقت تھا۔

پھر یہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ رات کے وقت بھری نیند میں اُٹھنا ہے تو دشوار لیکن ٹھکانہ سے یادِ خدا کرنے کا وہی وقت ہے سوائے خدا کے کسی اور کی توجہ ہی نہ کرو۔

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ ترتیل کے معنی الفاظ کو مخارج سے ادا کرنا ہے۔ حضرت نے فرمایا جو ۲۴ رکعتیں نافلہ نمازوں کی بشمول تہجد آنحضرتؐ پر واجب تھیں عام لوگوں پر نہیں۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ⑩ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ⑪ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ⑬ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ⑭ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ⑮ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ

اَخْذًا وَّبِيْلًا ⑯

جو کچھ یہ کفّار تمہارے بارہ میں کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور بعنوانِ شائستہ ان سے الگ ہو جاؤ۔ اور مجھے اور ان مالدار جھٹلانے والوں کو سمجھ لینے دو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو۔ ہمارے پاس بیڑیاں بھی ہیں اور جلانے والی آگ بھی اور گلے میں پھنسنے والا کھانا بھی اور دردناک عذاب بھی ہے۔ جس روز زمین اور پہاڑ لرزنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلہ جیسے بھُربھُرے ہو جائیں گے (اے مکّہ والو) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح ایک رسول (محمدؐ) بھیجا ہے جو تمہارے معاملہ میں گواہی دے جس طرح فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔ فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی ہم نے بھی اس کی سزا میں اس کو سخت پکڑا۔

کفار و مشرکین حضورؐ کے پاس آکر بہت بدتمیزی سے گستاخانہ انداز میں بولتے تھے اور آپؐ کے منہ پر آپؐ کو جھوٹا کہتے تھے۔ خدا رسولؐ سے کہتا ہے کہ اے رسول، ان کی باتوں کو نظر انداز کر کے صبر سے کام لو کہ اس کا نتیجہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ ہاں ان سے الگ رہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تبلیغ کا کام بند کر دو بلکہ ان سے دوستانہ تعلقات پیدا نہ کرو۔ جہاں ان کا مجمع دیکھو اپنا فرض ادا کرو۔ ان کے رؤسا تم کو اور قرآن کو جھٹلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں اور دولت کے نشہ میں مست ہیں۔ اچھا ان کو میرے اوپر چھوڑ دو میں انہیں سمجھ لوں گا۔ ذرا وہ دن تو آنے دو جو ان کے عذاب کے لیے معین کیا گیا ہے (قیامت) پھر دیکھو کہ ان کی کیسی خبر لی جائے گی۔ بھاری بھاری بیڑیاں ان کے پیروں میں ہوں گی اس لیے نہیں کہ بھاگ نہ جائیں بلکہ اس لیے کہ قدم اُٹھا کر اِدھر اُدھر نہ ہو سکیں، وہیں کھڑے کھڑے جلتے بھنتے رہیں اور جہنم رسید ہونے کے بعد ایسا کھانا ان کو دیا جائے گا جو حلق سے اُتر نہ سکے گا اور اس کے علاوہ بھی دردناک عذاب کا انہیں سامنا ہوگا۔ یہ اس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ لرزتے ہوں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح بھُربھُرے بن جائیں گے۔

آخر آیت میں مکّہ والوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تمہاری طرف ایک رسولؐ اس طرح کا بھیجا گیا ہے جیسے فرعون کی طرف موسیٰؑ کو بھیجا گیا تھا۔ حضور سرکارِ دو عالمؐ اور حضرت موسیٰؑ کے بہت سے واقعات ملتے جلتے ہیں۔

۱۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تین سرکش تھے۔ ایک فرعون دوسرا ہامان اور تیسرا قارون۔ لیکن فرعون کا ذکر خصوصیت سے اس لیے کیا گیا ہے کہ اور تو کافر تھے اور یہ کافر گر تھا اور اپنی خدائی کا مدّعی تھا۔ اسی طرح حضورؐ کی قوم میں تین سب سے زیادہ سرکش تھے۔ ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان۔ چونکہ ابولہب سب سے زیادہ حضورؐ کا دشمن تھا اس لیے قرآن میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲ - جب حضرت موسیٰؑ نبی بنائے گئے تو انہوں نے ہارونؑ کو اپنی مدد کے لیے خدا سے مانگا اور ان کی وزارت کی منظوری چاہی - اسی طرح آنحضرتؐ نے اعلانِ نبوّت کے بعد بحکمِ خدا حضرت علیؑ کو اپنا وزیر بنایا۔

۳ - موسیٰؑ نے خدا سے شرحِ صدر کی دعا کی - رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي (۲۰/۲۵ طٰہٰ) - خدا نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی درخواست کے آپؐ کی شرح کی - اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۹۴/۱ الم نشرح) "کیا ہم نے تمہارے سینہ کو کشادہ نہیں کر دیا۔" شرحِ صدر کی تشریح سورۂ ۹۴ میں ملاحظہ فرمائیے -

۴ - حضرت موسیٰؑ صاحبِ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دل شکستہ تھے خدا نے اولادِ ہارونؑ کو آلِ موسیٰؑ قرار دیا جیسا کہ تابوتِ سکینہ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اس میں قصّہ تھا ان چیزوں کا جو آلِ موسیٰؑ و ہارونؑ نے اپنے بعد چھوڑی تھیں - یہاں آلِ موسیٰؑ سے اولادِ ہارونؑ مراد ہے - اسی طرح حضرت رسولؐ کے اولادِ ذکور میں سے کوئی نہ تھا - اور لوگ آپؐ کو ابتر یعنی مقطوع النسل ہونے کا طعنہ دیتے تھے - خدا نے ان کے بھائی حضرت علی علیہ السّلام کی اولادؑ کو آلِ رسولؐ قرار دیا - جیسا کہ آیۂ مباہلہ سے ظاہر ہے -

۵ - حضرت موسیٰؑ کی ایک بی بی صفوراؑ بنت شعیبؑ حضرت موسیٰؑ کے وصی یوشع بن نون سے لڑیں - اسی طرح حضورؐ کی ایک بی بی حضرت علیؑ وصیِ رسولؐ سے لڑیں -

۶ - حضرت موسیٰؑ کے بارہ اولیاء ہوئے جو اسباط کہلائے - اسی طرح حضرت رسولؐ کے بارہ جانشین ہوئے جو امام کہلائے -

۷ - جو منزلت ہارونؑ کی موسیٰؑ کے نزدیک تھی وہ علیؑ کی منزلت حضرت رسولؐ کے نزدیک تھی - جیسا کہ حدیثِ منزلت سے ظاہر ہوتا ہے -

۸ - وصیِ موسیٰؑ حضرت ہارونؑ کے تین بیٹے ہوئے شبر، شبیر و مبشر - اسی طرح وصیِ رسولؐ حضرت علیؑ کے تین بیٹے ہوئے حسنؑ و حسینؑ و محسنؑ -

۹ - جس طرح حضرت ہارونؑ کے تیسرے بیٹے پیدا ہوتے ہی انتقال کر گئے اسی طرح محسنؑ بطنِ مادر ہی میں شہید کیے گئے -

۱۰ - حضرت موسیٰؑ پر توریت نازل ہوئی اور حضورؐ پر قرآن -

۱۱ - موسیٰؑ کی قوم اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئی اور حضورؐ کی تہتر فرقوں میں -

۱۲ - موسیٰؑ کی معراج طُور پر ہوئی اور حضورؐ کی "قابَ قوسین او ادنیٰ" پر -

۱۳ - موسیٰؑ سے خدا نے طُور پر کلام کیا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے عالمِ امکاں کی آخری حد پر -

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب فرعون کو غرق کر دیا گیا تو اب اس کو روزِ قیامت کوئی سزا نہ ملنی چاہیئے کیونکہ ایک ہی جرم کی بار بار سزا دینا عدلِ الٰہی کے خلاف ہے -
یہ اعتراض عدمِ تدبیر کا نتیجہ ہے - فرعون کو دنیا میں جو سزا دی گئی وہ خدا کے رسولؐ کی نافرمانی کی سزا تھی، جیسا کہ فرماتا ہے فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ الخ (آخر آیت) - اب رہا روزِ قیامت جہنّم میں جھونکا جانا تو یہ سزا ہوئی اس کے دعوئ خدائی کی اور حقوق النّاس غصب کرنے کی اور روئے زمین پر فساد پھیلانے کی -

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ ع

اگر ماننے سے انکار کرو گے تو اس دن کیسے بچ جاؤ گے جو بچّوں کو بُوڑھا بنا دے گا - جس دن آسمان پھٹ پڑے گا - یہ اس کا وعدہ پُورا ہو کر رہے گا - یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے -

کفّار جو آج رسولؐ کی بات ماننے سے انکار کر رہے ہیں یہ اس روز اپنے کو کیسے بچائیں گے جس کی سختی کا یہ عالم ہوگا کہ لڑکے قبل از وقت اس کی تاب نہ لا کر بوڑھے بن جائیں گے - آسمان پھٹ پڑیں گے یعنی ٹکڑے ٹکڑے پھٹ کر زمین پر گریں گے زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی زلزلے آ رہے ہوں گے - خدا کا یہ وعدہ ایسا نہیں کہ پورا نہ ہو - ہوگا اور ضرور ہوگا - پس جو ان چیزوں سے سبق حاصل کر کے خدا کا راستہ اختیار کرے گا اور بُت پرستی کا راستہ چھوڑ دے گا اس کا بھلا ہوگا - ورنہ پھر جہنّم ہے اور وہ -

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ

يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۫ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اے رسول تمہارا رب جانتا ہے کہ کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات تم اور تمہارے چند ساتھی (نماز میں) کھڑے رہتے ہو۔ خدا ہی رات اور دن کا اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اس پر پُوری طرح حاوی نہیں ہوئے تو اُس نے تم پر مہربانی کی تو جتنا آسانی سے ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو وُہ جانتا ہے کہ عنقریب تم میں سے بعض بیمار ہو جائیں گے اور بعض فضلِ خدا کی تلاش میں روئے زمین پر سفر اختیار کریں گے اور کچھ لوگ راہِ خدا میں جہاد کریں گے تو جتنا تم سے بآسانی ہو سکے پڑھ لیا کرو۔ نماز پابندی سے پڑھو زکوٰۃ دیتے رہو اور خدا کو قرضِ حسنہ دو اور جو عملِ نیک اپنے لیے خدا کے سامنے پیش کرو گے تو اس کا خدا کے ہاں بہتر اور صلہ میں بزرگ تر پاؤ گے۔ خدا سے مغفرت کی دُعا مانگو بے شک خدا بڑا بخشنے والا ہے۔

نمازِ تہجد پہلے آدھی رات تک پڑھنے کا حکم تھا یا اس سے کچھ کم و بیش۔ لیکن آنحضرتؐ اور آپؐ کے بعض ساتھی محویت کے عالم میں دو تہائی رات تک پڑھتے رہتے تھے اس وقت گھڑی تو تھی نہیں کہ وقت کا صحیح اندازہ ہو سکتا اس لیے وقت کبھی بہت زیادہ ہو جاتا تھا۔ وقت کا اندازہ تو خدا کو ہی ہو سکتا ہے۔ حکم ہوا کہ بجائے لمبے سورے پڑھنے کے چھوٹے سورے پڑھا کرو۔ زیادہ حصّہ رات کا نمازوں میں نہ گزارو کیونکہ لوگوں کو کچھ اور کام بھی تو کرنے ہوتے ہیں۔ بعض بیمار بھی ہوتے ہیں اس لیے زیادہ رات تک عبادت نہیں کر سکتے۔ بعض کو حصولِ معاش کے لیے باہر بھی جانا پڑتا ہے۔ بعض کو جہاد میں شرکت کرنا پڑتی ہے۔ لہٰذا جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھو۔ ہاں جو نمازیں فرض ہیں انہیں پابندی سے پڑھتے رہو زکوٰۃ دیتے رہو۔ لوگوں کو قرضِ حسنہ دیتے رہو کہ یہ گویا اللہ کو قرض دینا ہے۔ جو کچھ نیک اعمال تم دُنیا میں کرو گے اس کا ذخیرہ خدا کے پاس پاؤ گے اور وہ تمہیں اس کا بڑا اجر دے گا۔ اللہ

سے استغفار کرتے رہو کہ وہ سب سے بڑا گناہوں کا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

﴿۷۴﴾ سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ ﴿۴﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۠ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۠ۙ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۠ۙ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۠ۙ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۠ۙ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾

اے میرے کپڑا اوڑھنے والے رسول، اُٹھو اور لوگوں کو عذاب سے ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور گندگی سے دُور رہو اور اس طرح احسان نہ کرو کہ زیادہ کے خواستگار بنو اور اپنے پروردگار کے لیے صبر کرو جب صور پھونکا جائے گا تو وہ کافروں کے لیے بڑا سخت دن ہوگا، آسان نہیں ہوگا۔

المدثر کہنا اسی طرح کا اندازِ تخاطب ہے جیسا المزمل میں تھا۔ یعنی عاشق کو اپنے معشوق کی ہر ادا پسند ہے۔ کمبل اوڑھ لیا تو اسی حالت سے پکار لیا، چادر اوڑھ لی تو وہی ادا پسند آگئی۔

ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ سے مراد مفسرین مختلف لیتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ لباس زیادہ لمبا نہ ہو کہ اس سے تکبّر کی شان پیدا ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بدوؤں کی طرح میلا کچیلا لباس نہ پہنو اور کثیف لباس پہننے والوں کو سبق سکھاؤ۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد اپنے نفس کو پاک رکھنا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور گندگی سے الگ رہو کا مطلب یہ ہے کہ باطنی گندگی سے دُور رہو اور اپنے نفس کو پاک و پاکیزہ بنائے رہو۔ بعض نے کہا ہے کہ جس طرح عام طور پر عرب کے لوگ نجاستوں سے بچتے نہیں تھے تم ایسے نہ بنو۔ گندی چیزوں کو اپنے لباس تک نہ آنے دو۔ کسی پر اس لیے احسان نہ کرو کہ وہ تمہارے ساتھ اس سے زیادہ احسان کرے گا۔ احسان

کرو تو خوشنودیٔ خدا کے لیے کرو۔ احسان جس نے کیا ہے تو زیادہ ملنے کی توقع پر نہیں۔ جو مصیبت تمہارے سامنے آئے اُسے اپنے خدا کی خوشنودی کے لیے جھیلو۔ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو یہ دن کافروں کے لیے بڑا سخت ہو گا۔ کوئی سہولت ان کے لیے ہوگی ہی نہیں۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾

مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دو (نمٹنے دو) جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے اور میں نے اسے بہت سا مال دیا اور نزدیک سامنے رہنے والے بیٹے دیئے اور ہر طرح کے سامان میں وسعت دی پھر اس پر بھی وُہ طمع رکھتا ہے کہ میں اور بڑھاؤں، ہرگز نہ ہوگا یہ تو میری آیتوں کا دُشمن تھا میں اسے عنقریب سخت عذاب میں مبتلا کروں گا۔

یہ شخص جس کے متعلق ان آیات میں بیان ہوا ہے وہ ولید بن مغیرہ ہے جو قبائل عرب میں آپؐ کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کرتا پھرتا تھا۔ مالدار بھی ہے اور اولاد والا بھی۔ اس پر بھی اسے چین نہیں۔ زیادتی مال کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ قرآن کی آیات کا مذاق اڑاتا ہے۔ لیکن کیا وہ اپنی فریب کاری سے ہم پر غالب آسکتا ہے۔ عنقریب ہم اسے اس سرکشی کا مزہ چکھائیں گے۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾

لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۙ لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا وَّلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِیَ اِلَّا ذِكْرٰی لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ ع

ع ۳۱/۱۵

اس نے (ولید بن مغیرہ) فکر کی اور تجویز کی کہ یہ تو مار ڈالا جائے اس نے کیوں کر یہ تجویز کی پھر غور کیا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا پھر پلیٹھ پھیر کر چلا گیا اور اکڑ بیٹھا پھر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو اگلوں سے چلا آتا ہے یہ تو آدمی کا کلام ہے (خدا کا نہیں) میں اسے عنقریب جہنّم میں جھونک دوں گا تم کیا جانو جہنّم کیا ہے وہ نہ باقی رکھے گا نہ چھوڑے گا یہ بدن جلا کر سیاہ کر دے گا اس پر انیس ۱۹ فرشتے معیّن ہیں۔ ہم نے جہنّم کا نگہبان تو بس فرشتوں کو بنایا ہے اور ان کا یہ شمار بھی کافروں کی آزمائش کے لیے مقرّر کیا ہے تاکہ اہلِ کتاب فوراً یقین کر لیں اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ ہو اور اہلِ کتاب اور مومنین کسی طرح کا شک نہ کریں۔ اور جن لوگوں کے دل میں نفاق کا مرض ہے (وہ) اور کافر لوگ کہہ بیٹھیں گے اس مثل کے بیان کرنے سے خدا کا کیا مطلب ہے۔ یوں خدا جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور یہ تو آدمیوں کے لیے بس نصیحت ہے۔

ابتدائی آیات ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ صورت یہ ہوئی کہ جب سورہ حٰم نازل ہوئی تو حضرت رسول
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسجد میں اصحاب کے سامنے پڑھنے لگے۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ ولید بھی بیٹھا ہوا ہے تو دوبارہ پڑھا
وہ بغور سنتا رہا۔ اس کے بعد اپنے جتھے میں آیا کہنے لگا، خدا کی قسم میں نے محمدؐ سے وہ کلام سُنا ہے جو نہ تو آدمی کا
ہے نہ جن کا۔ ایسی شیرینی کسی کلام میں نہیں۔ یہ کبھی مغلوب ہونے والا نہیں اور نہ بلندی میں پستی کی طرف مائل ہوگا۔
اتنا کہہ کر اپنے گھر میں چلا گیا۔ اس سے قریش میں ایک ہلچل مچ گئی اور سمجھے کہ ولید مسلمان ہوگیا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر
ابوجہل اس کے پاس آیا اور غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ ولید نے کہا، کیا بات ہے؟ وہ بولا کہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ولید اپنے
آبائی دین کو ترک کر کے مسلمان ہوگیا ہے۔ کیا بڑھاپے کی وجہ سے تیری عقل ماری گئی ہے۔ یہ سن کر ولید ابوجہل کے ساتھ
اپنے جتھے میں آیا اور کہنے لگا، کیا تم محمدؐ کو دیوانہ سمجھتے ہو۔ سب نے کہا، نہیں۔ پھر تم لوگ کیا اسے کاہن سمجھتے ہو۔ انہوں نے
کہا، نہیں۔ اس نے کہا، کیا اُسے جھوٹا سمجھتے ہو تو سب نے کہا، نہیں! اس کا تو صادق لقب ہے۔ اُس نے کہا تو کیا اسے
شاعر سمجھتے ہو۔ کہا، نہیں۔ اس نے کہا، پھر تم لوگ اسے کیا خیال کرتے ہو۔ وہ لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ اس نے خود کہا
کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ ایک مرد جادوگر ہے اس کی وجہ سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتا ہے۔ یہ
سُن کر تمام قریش خوش ہوگئے۔ اسی کے متعلق یہ آیتیں ہیں اور اسی کی وہ صفتیں ہیں جو آیت میں مذکور ہوئی ہیں۔
یہی ولید ہیں جن کے صاحبزادے خالدؓ ہیں جن کو مسلمانوں نے سیف اللہ کا خطاب دیا ہے۔ ولید مالدار آدمی
تھا اور اس کے دس لڑکے تھے جو ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے۔ مال اور اولاد پر بڑا گھمنڈ تھا۔ قوم کا سردار بنا
ہوا تھا اس پر اس کی حرص ختم نہ ہوئی۔ ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ دولت میں ترقی کس طرح ہو۔ اس کی گفتگو جو
قوم سے ہوئی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی عظمت کا قائل ہوچکا تھا لیکن قوم میں اپنی چودھراہٹ
برقرار رکھنے کے لیے اس کو جادو بتاتا تھا اور حضرتؐ کو بدنام کر کے لوگوں کو بہکاتا تھا۔
جہنم کے نگہبان خدا نے انیس ۱۹ فرشتے بیان فرمائے ہیں۔ سوائے خدا اور رسولؐ کے کوئی نہیں بتا سکتا کہ اُن کی
تعداد اُنیس کیوں رکھی ہے۔ یہ تعداد اس لیے بتائی گئی ہے کہ اہلِ کتاب اور اہلِ ایمان ان پر ایمان لائیں۔ یہ مومنوں اور
کافروں کے امتحان کی ایک چیز ہے۔
مفسرین نے کہا ہے کہ ایک بار قریش کے جلسہ میں اس آیت کے متعلق کہ جہنم کے نگہبان ۱۹ فرشتے ہوں گے
مذاق اُڑایا جا رہا تھا۔ ابوجہل نے کہا کہ آدمؑ سے لے کر قیامت تک کتنے لوگ جہنم میں جائیں گے ان کی تعداد کوئی نہیں بتا
سکتا۔ بھلا ان سب کی نگہبانی صرف انیس ۱۹ فرشتے کیسے کریں گے۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم میں سے اگر دس دس ۱۰
آدمی ایک فرشتہ سے زور آزمائی کریں گے تو ان انیس ۱۹ کی حقیقت ہی کیا ہے۔ سب کو جہنم میں دھکیل کر صاف نکل
آئیں گے اُنہوں نے سمجھا ہی نہ تھا کہ فرشتوں کو خدا نے کیا طاقت دی ہے۔
اہلِ کتاب بھی انیس ۱۹ فرشتوں کا یقین رکھتے تھے کیونکہ ان کی کتابوں میں اس کا ذکر تھا اگرچہ محرّف کتابوں میں اب یہ
تعداد نہیں ملتی۔ "جن کے دلوں میں مرض ہے" اس سے مراد منافق لوگ ہیں۔ وہ بھی کفار کے ساتھ انیس کی تعداد کا مذاق
اڑاتے تھے۔ گو زبان سے کچھ نہ کہتے تھے مگر ان کا دل نہیں مانتا تھا اور جب کفار سے خفیہ طور پر ملتے تھے تو ان

کے ہمنوا بن جاتے تھے اور آپس میں کہا کرتے تھے، سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا نے ایسی باتیں کیوں بیان کی ہیں جنہیں سُن کر خواہ مخواہ
ہنسی آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے فرشتوں کے متعلق کوئی نہیں جانتا کہ وہ کتنے ہیں اور کیسے ہیں اور کیا کیا کرتے ہیں۔

کَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَاللَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾

(کوئی بات مذاق اڑانے کے لائق ہرگز نہیں) قسم ہے چاند کی اور رات کی جب جانے لگے اور
صبح کی جب روشن ہوجائے کہ وہ جہنم کی آگ ایک بہت بڑی (آفت) ہے اور لوگوں کو ڈرانے
والی ہے (ان کے لیے نہیں) جو نیکی کے لیے آگے بڑھنے والا اور بُرائی سے پیچھے ہٹتے ہیں۔ ہر
شخص اپنے اعمال کے بدلے گرو ہے۔ مگر داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ لینے والے (بہشت کے)
باغوں میں گنہ گاروں سے پُوچھ رہے ہوں گے تمہیں دوزخ میں کونسی چیز گھسیٹ لائی۔

جو لوگ جہنم کا ذکر سن کر مذاق اُڑاتے تھے ان سے کہا جا رہا ہے کہ رات کو چاند کا چمکنا، رات کا رخصت ہونا، اور
صبح کا نمودار ہونا جیسے خدا کی نشانیاں ہیں اسی طرح دوزخ بھی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے بھی تم دوزخ
کے وجود سے انکار کرتے ہو جو اپنی نشانیاں ظاہر بظاہر تمہیں دکھاتا ہے وہ پوشیدہ بھی رکھ سکتا ہے۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ

الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

(جب ان سے کہا جائے گا کیا چیز تمہیں دوزخ میں گھسیٹ لائی تو وہ) کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ہم محتاجوں کو کھانا نہیں دیتے تھے اور اہلِ باطل کے ساتھ ہم بھی باطل باتیں سوچنے لگتے تھے ہم قیامت کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔ پس اب شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑے ہوئے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے گدھا شیر کو دیکھ کر۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلی ہوئی آسمانی کتابیں آجائیں۔ یہ ہرگز نہ ہوگا بلکہ یہ لوگ تو آخرت ہی سے نہیں ڈرتے ہاں ہاں بے شک یہ قرآن نصیحت ہے تو جو چاہتا ہے اسے یاد رکھے اور خدا کی مشیت کے بغیر تو یہ لوگ یاد رکھنے والے نہیں وہی ڈرانے کے قابل اور بخشش کا مالک ہے۔

نماز نہ پڑھنا اور محتاجوں کو کھانا نہ کھلانا۔ اور باطل پرستوں کا ہم خیال بننا۔ قیامت کو جھٹلانا ایسے امور ہیں کہ انسان کو مستحق جہنم بناتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی روز قیامت کوئی شفاعت کرنے والا شفاعت نہ کرے گا۔ یہ لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کے پاس الگ الگ خط آجائیں کہ ہمارا یہ نبی سچا ہے تم سب اس کی اطاعت کرو۔ گویا خدا انہیں مطلع کرے کہ یہ میرا بھیجا ہوا نبی ہے۔ یہ لوگ روز قیامت سے قطعاً نہیں ڈرتے اور خدا کی بخشش کے خواہاں نہیں ہوتے۔

۷۵ سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾

میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں برائی پر ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں (کہ تم دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے) کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو (بوسیدہ ہونے کے بعد) جمع نہ کریں گے (ضرور کریں گے) ہم کو تو اس پر بھی قدرت ہے کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔ لیکن انسان تو یہ چاہتا ہے کہ اپنے آگے بھی برائی کرتا چلے۔ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا تو جب آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی اور چاند کو گہن لگ جائے گا اور چاند سورج اکٹھے ہو جائیں گے، اس روز انسان کہے گا کہاں بھاگ کر جاؤں۔

لَآ اُقْسِمُ میں لا نفی کا نہیں ہے بلکہ زاید ہے۔
نفس کی تین قسمیں ہیں: نفسِ امارہ، جس کا ذکر سورۂ یوسف میں ہے۔ دوسرے لوامہ، تیسرے نفسِ مطمئنہ۔ نفسِ امارہ کا کام یہ ہے کہ وہ ہر اچھی بری چیز کا حکم دیتا ہے تمام خواہشات کا مرجع و منبع یہی ہے اگر یہ نہ ہو تو انسان کسی کام کی خواہش ہی نہ کرے اور زندگی کے تمام کاروبار معطل ہو کر رہ جائیں۔ دوسرا نفس لوامہ ہے، یعنی جب

انسان کوئی بُرائی کرتا ہے تو یہ نفس اُسے ملامت کرتا ہے۔ اسس کو ضمیر کی نیش زنی کہتے ہیں۔ کوئی بُرا کام کرکے انسان چاہے زبان سے کتنا ہی انکار کرے لیکن اس کے ضمیر کی آواز یہی ہوگی کہ ضرور بُرا کیا ہے۔ تیسرا نفسِ مطمئنہ ہے۔ جو وساوسِ شیطانی سے پاک صاف رہ کر خدا کی طرف لو لگاتا ہے اسس کا ذکر آخری پارہ میں آئے گا۔ نفسِ لوّامہ کی یہ عظمت کیا کچھ کم ہے کہ خدا اس کی قسم کھاتا ہے۔

قیامت اور نفسِ لوّامہ کی قسم کھا کر خدا فرماتا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کو لوگ نہیں مانتے۔ کہتے ہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیاں جو خاک درخاک ہوں دوبارہ پھر بشکلِ انسان وجود میں آجائیں۔ فرماتا ہے، ہمارے لیے یہ کام مشکل نہیں ہم اسس کی ایک ایک پور درست کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ جس خدا نے انسان کو پہلے بنایا تھا وہ پھر بھی بنا سکتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی۔ اچھا سمجھ لو جب آئے گی تو یہ صورت ہوگی کہ بجلیاں کوندنے سے تم کو چکا چوند ہوگی۔ چاند کو گہن لگ جائے گا اور چاند اور سورج ایک جگہ جمع ہوجائیں گے یعنی نظامِ عالم تہ و بالا ہوجائے گا۔ کہاں کی زمین کہاں کا آسمان۔ اسس وقت انسان گھبرا کر کہے گا، کہاں بھاگ کر جاؤں ؟ کہاں جاسکتا ہے۔

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ يُنَبَّؤُا الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾ بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾

کہیں پناہ نہ ملے گی اسس روز تمہارے پروردگار ہی کی طرف ٹھکانہ ہے اسس روز آدمی کو جو کچھ اس نے آگے پیچھے کیا ہے بتا دیا جائے گا بلکہ انسان تو اپنے نفس پر خود گواہ ہے اگرچہ وہ اپنے گناہوں کے متعلق عذرِ معذرت کرتا رہے (اے رسولؐ) وحی کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔

انسان اپنے گناہوں کے متعلق چاہے کتنی ہی معذرت کرے لیکن اسس کا نفس خود جانتا ہے کہ اس نے کیا کیا کیا ہے۔ ایسی صورت میں اسس کا کوئی عذر قابلِ سماعت کیسے ہوسکتا ہے۔
رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ جو آیات جبریلؑ تمہارے پاس لائیں جبریلؑ کا بیان ختم ہونے سے پہلے تم اس کے یاد

کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ أَن يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ ع فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ﴿٣١﴾ وَلَٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ﴿٣٣﴾ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٥﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٣٩﴾ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ﴿٤٠﴾ ع

ع ۱ ۱۷

ع ۲ ۱۸

اس کا جمع کر دینا اور پڑھوا دینا تو ہمارے ذمہ ہے۔ جب ہم اس کو (جبریل کی زبانی) پڑھیں تو تم بھی (پورا سننے کے بعد) اسی طرح پڑھا کرو پھر اس (کے مشکلات) کا سمجھا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ مگر (لوگو) حق تو یہ ہے کہ تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہو۔ اس روز بہت سے چہرے بشاش ہوں گے اور اپنے پروردگار (کی نعمت) کو دیکھ رہے ہوں گے اور بہت سے منہ اس وقت اُداس ہوں گے۔ سمجھ رہے ہوں گے کہ ان پر وہ مصیبت پڑنے والی ہے کہ کمر توڑ دے گی۔ سُن لو، جب جان (بدن سے کھنچے) ہنسلی تک آ پہنچے گی اور کہا جائے گا کہ اس وقت کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے اور مرنے والا سمجھے گا کہ اب (سب سے) جدائی ہے اور (موت کی تکلیف سے) پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی اور اس دن تجھ کو اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہے تو اس نے (غفلت میں) نہ (کلامِ خدا کی) تصدیق کی نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور (ایمان سے) منہ موڑا پھر اپنے گھر کی طرف اتراتا ہوا چلا۔ افسوس ہے تجھ پر پھر افسوس ہے پھر تُف ہے تجھ پر پھر تُف ہے۔ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ ابتداءً منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو رحم میں ڈالا جاتا ہے۔ پھر لوتھڑا ہوا پھر خدا نے اُسے بنایا پھر اسے درست کیا۔ پھر اس کی دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ (قیامت میں) مُردوں کو زندہ کر دے۔

آیت ۲ کی شانِ نزول یہ ہے کہ آغازِ بعثت میں جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو حضورؐ جو کچھ سُنتے جاتے تھے تو اسے انتہائے شوق میں بھول جانے کے خوف سے ساتھ ساتھ دُہرانے لگتے تھے۔ خدا فرماتا ہے تم ایسا نہ کرو۔ اس کا یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے تم پوری وحی کو سنتے رہو جب ختم ہو جائے تو پھر ہم اسے تمہارے ذہن نشین کرانے اور بیان کروانے کے ذمہ دار ہیں۔ یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو وحی کے متعلق حضورؐ سے بیان کیا گیا۔ اس کے بعد پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھا جاتا ہے۔ لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو بھولے پڑے ہو۔ یہ سمجھ لو کہ قیامت کے دن جو لوگ نکوکار ہوں گے ان کے چہرے بشاش ہوں گے اور وہ اپنے رب کے انعام کی طرف نظر کر رہے ہوں گے۔ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خدا کو دیکھ رہے ہوں گے۔ خدا وہ ذات ہی نہیں جسے کوئی دیکھے۔ بخاری میں روایت ہے اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا۔ (تم اپنے پروردگار کو ظاہر بظاہر یعنی اپنے سامنے بیٹھا دیکھو گے)۔ مسلم اور ترمذی کی روایتوں سے بھی یہی ثابت ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر اپنے کو دکھانا ہی تھا تو دُنیا میں کیوں نہ دکھایا تھا تاکہ وہ سب منکرانِ خدا ایمان لے آتے جو کہتے تھے کہ اَن دیکھی ذات پر کیسے ایمان لے آئیں۔ اگر اپنے کو دکھانا ہی تھا تو طور پر موسیٰؑ کی درخواست پر لن ترانی کہہ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رویت کا سدِّباب کیوں کر دیا۔ اس درخواست پر اتنا ناراض کیوں ہوا

کہ طور کو جلا دیا موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے اور اُن کے ستر ساتھی ہلاک ہو گئے۔ آخرت میں آخر انہی لوگوں کو تو اپنا دیدار کرائے گا پھر طور پر پردہ داری کیا معنی رکھتی ہے۔ چلو یہاں نہ سہی معراج میں رسولؐ کے سامنے نقاب اُٹھا دی ہوتی۔ تاکہ وہاں سے پلٹ کر سارا رنگ رُوپ بیان کر دیتے۔ اگر حضورؐ نے وہاں دیکھا تھا تو اُمت سے چھپایا کیوں۔ جو چیز دیکھنے کے قابل ہے وہ ہر جگہ دیکھی جا سکتی ہے۔ آخرت کی قید لگانے سے کیا فائدہ۔ جو آخرت میں ایک مرصع تخت پر بیٹھ کر اپنا چاند سا چہرہ دکھا سکتا ہے اُسے یہاں دکھانے میں کیا بخل تھا۔ وہی بندے وہاں ہوں گے وہی یہاں۔ اگر یہاں جھلک دکھا دیتا تو تمام رسولوں کے بیان کی تصدیق ہو جاتی۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ شبِ قدر میں آسمانِ اوّل پر اُتر آتا ہے اور کہتا ہے کہاں ہیں میرے گنہ گار بندے آئیں اور مجھ سے اپنی خطائیں معاف کرائیں۔ یہ لطف و کرم سے بھری آواز علمائے اسلام ہی کے کانوں میں آتی ہوگی۔ عام لوگ تو سنتے نہیں۔ لیکن اگر آسمانِ اوّل پر اپنے وجود سے پردہ ہٹا دیتا اور کُھلم کُھلا دکھائی دیتا تو سب گنہ گار دوڑ پڑتے اور مغفرت کی دُعا کرتے۔ کتنا بڑا فائدہ گنہ گاروں کو پہنچتا۔

ہم شیعوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہ کبھی نہ دکھائی دے گا۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ جو دکھائی دے گا وہ خدا نہ ہو گا بلکہ اس کی کوئی مخلوق ہوگی۔ اس لیے کہ خدا جسم و جسمانیات سے مبرا ہے۔

اس کے آگے بیان ہوتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں کفر و شرک کی تاریکیوں میں لپٹے رہے تھے اور نیکیوں کی طرف مائل نہ تھے قیامت کے اندر اُن کے چہرے اداس ہوں گے اور یہ سمجھتے ہوں گے کہ ان پر یہ بہت بڑی مصیبت کا وقت ہے۔ ایسے ہی لوگوں کا مرتے وقت یہ حال ہو گا کہ جب جان کنی کے عالم میں ان کی جان کھنچ کر ہنسلی تک آ جائے گی اس وقت ایک غیبی آواز ان سے کہے گی، ہاں بتاؤ اب وہ جھاڑ پھونک کرنے والے کہاں ہیں جو تمہیں موت سے بچانے کے ذمہ دار بنے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کی سمجھ میں آئے گا کہ اب دُنیا سے چلے۔ اس وقت عالم یہ ہو گا کہ جان کنی کے کرب میں پنڈلی سے پنڈلی لپٹتی ہوگی اور کوئی بچانے والا نہ ہو گا۔ اس وقت یقین ہو جائے گا کہ اب اپنے رب کی طرف جانا ہے۔ یہ حالت اس وجہ سے ہوگی کہ نہ تو انہوں نے رسولؐ کی رسالت کی تصدیق کی نہ کبھی نماز پڑھی بلکہ رسولؐ کو جھٹلاتے رہے اور اس سے منہ پھیر کر چلتے ہی رہے اور اپنے بال بچوں میں اتراتے ہوئے جاتے تھے۔ تف ہے ایسے لوگوں کی زندگی پر۔ کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اسے یوں ہی چھوڑ دیں گے اور اس کے اعمال کی پوچھ گچھ اس سے نہ ہوگی۔ کیا وہ یہ سمجھا بیٹھا ہے کہ مرنے کے بعد پھر اُسے زندہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کو ہماری قدرت سے یہ بعید معلوم ہوتا ہے۔ احمق اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ جس خدا نے اسے ایک منی کے قطرے سے پیدا کیا ہے وہ دوبارہ اُسے زندہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ جو ایک بار عدم سے وجود میں لا سکتا ہے وہ دوبارہ بھی ایسا کر سکتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ کونسی بڑی بات ہے۔

---

۷۶ سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ ۹۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝۱ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝۲ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝۳ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝۴ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝۵ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝۶ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝۷

بے شک انسان پر ایسا وقت آچکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تاکہ ہم اسے آزمائیں تو ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اس کو راستہ بھی دکھا دیا اب وہ خواہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا۔ ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں۔ طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ نکوکار لوگ شراب کے وہ ساغر پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہوگی یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے خدا کے خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے بہالے جائیں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوگی ڈرتے ہیں۔

اس سورہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک بار حضرات حسنین علیہم السلام بیمار ہوئے اور علالت نے طول پکڑا۔ حضرت رسولِ خدا نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ سے فرمایا تم ان کی صحت کے لیے تین روزے نذر کرو۔ چنانچہ جب ان دونوں نے نذر مان لی تو ان کے ساتھ جناب فضہ اور حسنین علیہم السلام نے بھی یہی نذر مان لی۔ جب صحت حاصل ہوئی اور ایفائے نذر کا وقت آیا تو ان پانچوں نے روزے رکھے۔ پہلا روزہ تھا مگر گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ امیر المومنینؑ نے ایک یہودی سے تین صاع جو اس شرط پر لیے کہ ان کے بدلے لبطورِ اجرت کچھ اُون کتوا کر دیں گے دونوں چیزیں لے کر گھر آئے اور جناب سیدہؑ سے فرمایا یہ اون ہے اور اس کی کتائی کی یہ اجرت ہے۔ سیدہؑ عالم نے اُون کے تین حصّے کیے اور پھر جَو کے۔ جب ایک حصّہ اُون کا کات لیا تو ایک تہائی جَو کی مستحق ہوگئیں پھر خود ہی چکّی میں جَو پیسے اور وقتِ روزہ پانچ روٹیاں پکائیں۔ جب افطار کا وقت آیا تو دروازہ پر ایک سائل نے جو مسکینوں میں سے تھا سوال کیا۔ چنانچہ پانچوں نے اپنی اپنی روٹی اُٹھا کر اُسے دے دی اور خود پانی پی کر روزہ افطار کیا۔ دوسرے روز پھر وہی عمل ہوا۔ جب کھانے بیٹھے تو ایک یتیم آپکارا۔ سب نے اپنی اپنی روٹی اس کے حوالے کر دی۔ تیسرے روز پھر یہی عمل ہوا۔ جب کھانے بیٹھے تو ایک قیدی آپکارا۔ سب نے پھر روٹیاں دے دیں۔ چوتھا روز ہوا تو حسنین علیہم السلام کا کمزوری سے بُرا حال تھا۔ حضرت رسولِ خدا تشریف لائے تو دیکھا بچے نڈھال ہیں اور فاطمہ صلوات اللہ علیہا کا یہ حال ہے کہ شکم مبارک پشت مبارک سے لگا ہے۔ اس روز جبرئیلؑ یہ سورہ لے کر آئے۔ آپؐ نے سب کو مبارکباد دی۔

ایسی سخاوت سوائے آلِ رسولؐ کے نہ کسی نے کی نہ کر سکے گا۔ اسی بنا پر خدا نے ان کی تعریف کی ہے۔

اکثر مفسرینِ عامہ نے اس روایت کی صحت کو تسلیم نہیں کیا اور مختلف قسم کے اعتراض کیے ہیں جن میں چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ اس روایت میں قیدی کا آنا بھی دکھایا گیا ہے۔ یہ درایتاً غلط ہے کیونکہ یہ دستور نہ تھا کہ قیدی بھیک مانگنے جایا کرتے۔ کسی شخص کو جس کی قید میں دیا تھا اس کی روزی کا وہ ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہ مانا کہ حضرات اہلبیتؑ مسکینوں۔ یتیموں اور قیدیوں کو کھانا دیتے تھے مگر یہ تسلیم نہیں کہ جو روایت بیان کی گئی ہے اس میں قیدی کا آنا ثابت ہو۔

۲۔ تین دن متواتر بھوکا رہنا جن میں دو چھوٹے بچے بھی شامل تھے کونسی دانائی تھی۔ عقل کا اقتضا تو یہ تھا کہ دو روٹیاں سائل کو دی جاتیں اور باقی تین تھوڑی تھوڑی خود کھاتے تاکہ اس تکلیف مالایطاق سے بچے رہتے۔ اگر ایسا کرتے تو ان کا شمار عام اسخیا میں ہوتا۔ ساری روٹیاں اس لیے دے دی جاتی تھیں کہ ممکن ہے وہ سائل بال بچوں والا ہو۔ ایک دو روٹی میں وہ سیری حاصل نہ کر سکے۔ عام لوگوں پر ان کے صبر و ضبط کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ وہ فاقہ کرنے کے عادی تھے۔ اس تکلیف کو برداشت کرنے کی ان میں قوت تھی۔ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ بحیثیت نفسِ مطمئنہ کے وہ سب برابر تھے۔ ان کی پاکیزہ نفسی کا اندازہ اگلی آیات میں ہوگا۔

۳ - یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر روز سائل اسی وقت آموجود ہوتا جب یہ افطار کرنا چاہتے ہوں - جواب یہ ہے کہ یہ عام قاعدہ ہے کہ فقیر دروازہ پر اس وقت آتا ہے جو کھانے کا وقت ہوتا ہے - تین روز ایسا اتفاق ہونا کوئی بڑی بات تو نہ تھی - ایک روایت کے مطابق یہ آنے والے تین فرشتے تھے جو آلِ محمدؐ کی بے مثل سخاوت کا مظاہرہ کرانے کے لیے آئے تھے - وہ حقیقتاً یتیم و اسیر نہ تھے -

۴ - صومِ اتصال شرعاً ممنوع ہے - پھر انہوں نے ایسا کیوں کیا - جب پانی سے افطار کر لیا جائے تو پھر اتصال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا -

اب ان آیات کا مطلب سمجھئے :

ھل کے معنی یہاں قد کے ہیں یعنی بے شک انسان پر ایسا وقت بھی آیا ہے جب وہ کچھ بھی نہ تھا - یعنی عدم کے پردہ میں چھپا ہوا تھا - خدا کے علم میں اس کا وجود تھا ، دنیا میں بھی کہیں نظر نہ آتا تھا - خدا نے اپنے لطف و کرم سے ایک مخلوط نطفہ کو بوند سے پیدا کیا - یعنی مرد و زن کی ملی ہوئی منی سے - پھر اس نے اپنی خلقت کی منزلوں کو بطنِ مادر میں طے کیا - پھر وہ آدمی کی شکل میں بطنِ مادر سے باہر آیا - اس کو سننے کی طاقت دی اور دیکھنے کی طاقت دی تاکہ ہم اس کو آزمائیں کہ وہ ہمارے احسانات کو مانتا ہے یا نہیں - حواسِ ظاہری میں قوتِ سامعہ اور قوتِ باصرہ کو خصوصی ہدایت میں زیادہ دخل ہے - کانوں سے اچھی باتوں کو سنتا ہے اور آنکھوں سے آثارِ قدرت کو دیکھتا ہے - خدا نے اسے اچھی عقل دے کر اچھے بُرے دونوں راستے دکھا دیئے - اب اسے اختیار ہے کہ خدا کا شکر گزار بندہ بنے یا ناشکرا - شکر گزار بن گیا تو بھلی بھلا ہے - مرنے کے بعد اس کے لیے سب کچھ ہے اور اگر کفر کیا تو پھر زنجیر و طوق ہے اور جہنم کی بھڑکتی آگ - نیک لوگوں کے اجر کا کیا کہنا - چشمے پیڑوں کے نیچے بہتے ہوں گے - شرابِ طہور کے جام پر جام پیتے ہوں گے - کیسی پُر لطف زندگی ہوگی - سدا پُر لطف اور ہر آن ایک نیا لطف - سبحان اللہ -

اب ان نیک بندوں کا ذکر سنو جو اپنی نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن (قیامت) کی مصیبت سے ڈرتے ہیں جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی -

---

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُورًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿۱۰﴾

اور اس کی محبت میں مسکین و یتیم و قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تم کو خالص خدا کے لیے

کھانا کھلاتے ہیں نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ - ہم کو اپنے رب سے اس دن کا ڈر ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا -

---

وہی خیرات بارگاہِ باری میں مقبول ہو سکتی ہے جو بغیر کسی غرض اور ریا کے کی جائے نہ اس شخص سے جس کو کچھ دیا جائے بدلہ کی امید رکھی جائے نہ شکر گزاری کی - اہلبیتؑ رسولؐ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے -

---

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُورًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَّحَرِيرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕينَ فِيهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا۠ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا ﴿۱۹﴾

بس خدا ان کو اس روز کی مصیبت سے بچا لے گا اور ان کو تازگی اور سرور عطا فرمائے گا اور ان کے صبر کا بدلہ جنت اور ریشم (کا لباس) ہوگا وہ جنت میں تختوں پر بیٹھے ہوں گے نہ وہاں آفتاب کی دھوپ دیکھیں گے نہ سخت سردی - درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور میووں کے

وَ اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْكًا كَبِیْرًا ⑳ عٰلِیَهُمْ
ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ٘ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ
فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ㉑ اِنَّ هٰذَا كَانَ

گچھے ان کے بہت قریب ان کے اختیار میں ہوں گے (جب چاہیں توڑ لیں) اور ان کے سامنے چاندی کے ساغر اور شیشے کے نہایت صاف و شفاف، اس کا دَور چل رہا ہوگا اور شیشے بھی (کانچ کے نہیں) چاندی کے جو ٹھیک اندازے کے مطابق بنائے گئے ہیں اور انہیں ایسی شراب پلائی جائے گی جس میں زنجبیل کے پانی کی آمیزش ہوگی۔ (یہ بزم ہوگی) اس چشمہ پر جس کا نام سلسبیل ہے اور ایک حالت پر رہنے والے نوجوان لڑکے چکّر لگاتے ہوں گے کہ تم انہیں دیکھو تو سمجھو کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

جنّت کی جن نعمتوں کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے اگرچہ اور مخلص مومنین بھی لطف اندوز ہوں گے مگر خاص طور پر ان کو مہیّا کیا گیا ہوگا چہاردہ معصومین کے لیے جنہوں نے دشمنانِ دین سے سخت مظالم برداشت کیے اور ایسا صبر کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ محض خوشنودئ خدا کے لیے ہر مصیبت پر صبر کرتے چلے گئے۔ ان کے حقوق ضبط کیے گئے ان کے روحانی وقار کو بُری طرح کچلا گیا۔ ان کو نہایت بے دردی سے قتل کیا گیا۔ ان کو قید و بند کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ ان کے متعلق جھوٹی احادیث بنائی گئیں۔ صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹانے کی مذموم کوششیں کی گئیں۔ ان کو اقتصادی مار دی گئی۔ ان تمام سخت منزلوں میں انہوں نے صبر کیا اور خدا کی خوشنودی کے لیے مرتے دم تک خدمتِ دین کرتے رہے۔ انہی کے صبر کا یہ اجرِ عظیم ہے۔

جنّت میں جو ساغر ہوں گے وہ شیشہ کے نہ ہوں گے بلکہ چاندی کے ہوں گے اور ایسے شفّاف کہ شیشہ کے معلوم ہوں گے۔ جو شراب پلائی جائے گی اس میں سونٹھ کی خوشبو ہوگی تلخی نہ ہوگی۔ عرب کے لوگ شراب میں سونٹھ کا پانی ملانا اچھا سمجھتے تھے اس لیے اس کا ذکر کیا گیا سلسبیل چشمہ کے پانی میں ایسی خوشگوار سونٹھ کی خوشبو ہوگی کہ پینے والوں کو کیف حاصل ہوگا۔ نوجوان لڑکے جو خدمت کو حاضر ہوں گے اور اس لیے طواف کرتے ہوں گے کہ اشارہ پائیں تو تعمیلِ حکم کریں۔ بکھرے ہوئے موتیوں سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ ہر ایک اپنے مقام پر حُسن کی تصویر ہوگا۔

لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا ㉒ ع

اور جب تم وہاں نگاہ اُٹھاؤ گے تو ہر طرح کی نعمت اور عظیم الشّان سلطنت دیکھو گے ان کے اُوپر سفید کریب اور اطلس کی پوشاک ہوگی اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا پروردگار انہیں نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا یہ تمہارے لیے ہوں گے تمہاری کارگزاریوں کے صِلہ میں اور تمہاری کوششیں قابلِ شکر گزاری ہیں۔

یعنی جب بھی تم دیکھو گے وہاں نعمتوں کی بہار ہوگی اور ایک عظیم الشان سلطنت نظر آئے گی۔ ریشمی لباس جسم میں پہنے ہوں گے اور چاندی کے کنگن ہاتھوں میں۔ سورۂ کہف میں سونے کے کنگنوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی دونوں قسم کے موجود ہوں گے چاہے چاندی کے پہنو چاہے سونے کے یہ صرف اس دستور کی بنا پر ہے کہ عرب کے بادشاہ سونے چاندی کے کنگن پہنا کرتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اندر بہترین امتیازی شان پائیں گے۔ یہ نہ کہنا کہ خالص سونا اور خالص ریشم مرد کے لیے حرام ہے۔ یہ تو صرف نماز کے اوقات میں ہے۔ اور وہاں نماز ہوگی ہی نہیں۔ جو اعمال خدا کو اپنے بندوں سے کرانے تھے ان کا وقت تو دُنیا میں ختم ہوگیا۔ جن لوگوں نے دُنیا میں خدا کی خوشنودی کے کام کیے تھے اب جنّت میں خدا ان کو ہر طرح خوش رکھنا چاہتا ہے۔
یہ لباس اور یہ کنگن خدا کے ان مخصوص بندوں کے لیے مخصوص ہوں گے جنہوں نے اس دارِ فانی میں موٹا جھوٹا لباس پہنا ہوگا۔ ایک سر کی چادر میں اپنی سلطنت کا پورا زمانہ اس طرح گزارا ہوگا کہ جاڑے کے موسم میں ٹھٹھراتے ہوں گے۔ کنگن انہی کے لیے ہوں گے جنہوں نے دینِ الٰہی کی حفاظت میں ہتھکڑیاں پہنی ہوں گی۔ جیلوں میں رہے ہوں گے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ㉓ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ
رَبِّكَ وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ㉔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ
بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ㉕ وَ مِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَ سَبِّحْهُ لَیْلًا
طَوِیْلًا ㉖ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ یَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ

يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾

ہم نے قرآن کو رفتہ رفتہ نازل کیا ہے پس تم اپنے رب کے حکم پر صبر کرو اور ان میں سے کسی گناہ گار یا کافر کی پیروی نہ کرو اور صبح و شام اپنے رب کا نام لیا کرو اور کچھ رات گئے اُسے سجدہ کرو اور طولانی رات میں اس کی تسبیح کرتے رہو۔ جو لوگ دُنیا کو دوست رکھتے ہیں اور بڑے بھاری دن کو اپنی پسِ پشت ڈال بیٹھے ہیں ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے اعضا کو مضبوط بنایا ہے اور اگر ہم چاہیں تو ان کے بدلے انہی جیسے لوگ لے آئیں۔

رفتہ رفتہ قرآن نازل کرنے کا ذکر اس لیے ہے کہ کفار کہا کرتے تھے محمدؐ سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا بنا لاتے ہیں۔ اگر خدا کا کلام ہوتا تو ایک ہی بار کیوں نہ حاصل ہوتا۔ لہٰذا تصدیق کی گئی کہ یہ خدا ہی کا کلام ہے جس کو ہم اپنی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا نازل کر رہے ہیں۔

حکمِ رب پر صبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے جو فرائض تمہارے لیے معین کیے ہیں اُن کے بجالانے میں چاہے کتنی ہی تکلیف ہو اُسے صبر کے ساتھ برداشت کرو۔

یومِ ثقیل سے مراد قیامت کا دن ہے جو کافروں کے لیے بڑا بھاری بیٹھے گا اور مومنوں کے لیے آسان کافروں کے لیے قسم قسم کے عذاب تیار ہوں گے۔

ہم نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کو مضبوط بنایا۔ پس بجائے اس کے کہ وہ ان سے نیک کام کرتے بُرے کام کر رہے ہیں۔ کیا ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ انہیں ہلاک کر کے انہی جیسے اور لوگ لے آئیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَالظّٰلِمِينَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيمًا ﴿٣١﴾ ع

یہ قرآن سراسر نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے پروردگار کی راہ اختیار کرے اور جب تک خدا کو منظور نہ ہو تم لوگ کچھ بھی نہیں چاہ سکتے۔ بے شک خدا بڑا واقف کار دانا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اور ظالموں کے لیے اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

شیعہ مفسرین نے لکھا ہے کہ آیہ وَمَا تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ کا مطلب یہ ہے کہ اے اہلِ بیتِ رسولؐ تم وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے یعنی اللہ کی مرضی کے خلاف تمہاری کوئی خواہش ہوتی ہی نہیں۔ تم جو عمل بھی کرتے ہو وہ تحتِ مشیتِ باری تعالیٰ ہوتا ہے۔ یہ اتنا بلند مرتبہ ہے کہ سوائے اہلبیتِ رسولؐ کسی اور کو حاصل ہی نہیں۔ اُنہوں نے اپنی تمام عمر میں ایک کام بھی ایسا نہیں کیا جو مرضئ الٰہی کے خلاف ہو۔ رضائے الٰہی کو انہوں نے ہمیشہ اپنے فعل کے سامنے رکھا۔ رضا بقضائہ و تسلیماً لامرہٖ

﴿٧٧﴾ سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ ﴿٣٣﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿١﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿٢﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿٣﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿٤﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿٥﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿٦﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُونَ لَوَاقِعٌ ﴿٧﴾ فَاِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ﴿٨﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿٩﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿١٠﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿١١﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿١٢﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿١٣﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿١٤﴾ وَيْلٌ

يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾

ان ہواؤں کی قسم جو پہلے دھیمی چلتی ہیں پھر زور پکڑ کے آندھی بن جاتی ہیں اور بادلوں کو اُبھار کر پھیلا دیتی ہیں پھر ان کو پھاڑ کر جُدا کر دیتی ہیں۔ اور فرشتوں کی قسم جو وحی لاتے ہیں تاکہ حجّت تمام ہو اور ڈرا دیا جائے۔ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور پُورا ہو کر رہے گا۔ پھر جب تاروں کی چمک جاتی رہے گی اور جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب پہاڑ (روئی کی طرح) اُڑے اُڑے پھریں گے اور جب پیغمبر لوگ ایک وقتِ معین پر جمع کیے جائیں گے۔ ان باتوں میں کس دن کے لیے تاخیر کی گئی ہے۔ فیصلہ کے دن کے لیے تم کو معلوم ہے فیصلہ کا دن کیا ہے اس دن جھٹلانے والے کی مٹی خراب ہے کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا۔ پھر ان کے پیچھے پچھلوں کو چلتا کریں گے ہم گنہ گاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۱ میں بتایا گیا ہے کہ قیامت میں تمام رسولوں کو جمع کیا جائے گا ان کی امتیں بھی موجود ہونگی وہاں رسولوں سے سوال ہوگا کہ تم نے اپنی اپنی امت پر ہمارے احکام کی تبلیغ بھی کی یا نہیں۔ وہ کہیں گے ضرور کی تھی۔ پھر امت سے سوال ہوگا کہ تم پر تمہارے رسول نے ہمارے احکام کی تبلیغ کی تھی۔ ان میں سے جو ایمان دار ہوں گے وہ اقرار کریں گے اور جو کافر ہوں گے وہ انکار کریں گے۔ اس وقت حضرت رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور سرکاری گواہ پیش ہوں گے وہ تصدیق کریں گے کہ ضرور تبلیغ کی گئی تھی۔ میرے بحالتِ جسمِ نوری ہر رسول کے ساتھ تھا۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (۴۱ نسآء) "کیا حال ہوگا اس وقت جب ہم ہر امت کو اُس کے گواہ (رسول) کے ساتھ بُلائیں اور اے رسول تم ان پر گواہ ہو گے"۔

آیت نمبر ۱۲ کا مطلب یہ ہے کہ بدکاروں کو سزا دینے میں جو تاخیر کی جا رہی ہے وہ فیصلہ کرنے کے دن تک کے لیے ہے اس روز جھٹلانے والوں کو پتہ چل جائے گا کہ قیامت کا دن کیسا ہوتا ہے۔ جو لوگ موت سے بے خبر بیٹھے ہیں انہیں یہ بات نہیں سُوجھتی کہ ہم سے پہلے لوگ کہاں گئے۔ جس خدا نے ان کو ھلاک کیا ہے اور ان پر عذاب نازل ہوئے ہیں اسی طرح یہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾

جُھٹلانے والوں کی مٹی خراب ہے۔ کیا ہم نے تم کو ذلیل پانی (منی) سے پیدا نہیں کیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک معیّن وقت تک ایک محفوظ مقام پر رکھا پھر اس کا ایک انداز مقرر کیا۔ ہم کیا اچھا انداز مقرر کرنے والے ہیں۔ اُس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہوگی۔ کیا ہم نے زمین کو اندرُون اور بیرُون کو سمیٹنے والی نہیں بنایا اور اس میں اُونچے اونچے اٹل پہاڑ رکھ دیئے اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا۔ جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔

نطفہ کی ایک بُوند سے انسان کو بنانا صفتِ الٰہیہ کا بہترین نمونہ ہے۔ بُوند بھی ذلیل بُودار حقیر سی چیز۔ اس کو کیسے اہتمام سے رحم کے اندر جگہ دی۔ پھر ایک وقتِ مقررہ تک وہاں رکھا۔ نطفہ سے علقہ، اور علقہ سے مضغہ بنایا۔ ہڈی جیسی سخت چیز بنائی اور ہڈی پر گوشت چڑھایا۔

ڈاکٹروں کی نئی تحقیق یہ ہے کہ جسم کے ہر خلیہ سے دو تار برقی دماغ تک جاتے ہیں اور جس خلیہ کو کسی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے فوراً دماغ کو خبر دیتے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ پیر کے انگوٹھے کے اگر کسی خلیہ میں سوئی کی ذرا سی نوک چُبھ جائے تو آناً فاناً میں برقی رَو دوڑ کر دماغ کو خبر دیتی ہے اور دماغ دفعیہ کی تدبیر سوچتا ہے۔ فوراً یہ حکم پیر کو ہوتا ہے کہ وہاں سے اپنے کو ہٹائے۔ سوئی تو سوئی ہے اگر کسی خلیہ میں مکھی کا پیر لگ جاتا ہے تو فوراً دماغ تک خبر پہنچ جاتی ہے اور وہ ہاتھ کو حکم دیتا ہے اس مکھی کو مارو۔ کون شمار کر سکتا ہے کہ جسمِ انسانی میں کتنے خلیے ہیں اور ان میں کس شان سے یہ بجلی کے تار دوڑے ہوئے ہیں۔ کس کی

طاقت ہے کہ ایسا پُر از حکمت بدن بنا سکے۔ یہی زمین ہے جس پر بڑے آرام سے انسان زندہ چل رہا ہے اور جب مرجاتا ہے تو اسی زمین کے سپرد اسے کر دیا جاتا ہے کیونکہ اسی زمین کے اجزائے غیر مرئیہ سے وہ بنا تھا۔ اونچے اونچے پہاڑ اس پر کھڑے کر لئے تاکہ وہ اس کے پہلو دبائے رہیں۔ ان پر برف جمتا ہے وہاں سے چشمے اُبلتے ہیں، دریا بنتے ہیں۔ دریا سمندر میں جا کر گرتے ہیں۔ غرض ہر مخلوق میں اس کی بیشمار صنّاعیاں ہیں۔ کیسا خوش ذائقہ پانی پینے کو دیتا ہے اس پر اگر انسان اپنے پروردگار کو اپنا معبود نہ مانے تو اس کی جگہ جہنّم کے سوا اور کہاں ہو سکتی ہے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۹ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝۳۰ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ۝۳۱ اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝۳۲

جس کو تم جھٹلاتے تھے اب اس کی طرف چلو۔ چلو اس سایہ کی طرف جس کے تین حصّے ہوں گے (ایک اوپر کی طرف ایک داہنے ایک بائیں) جس میں نہ ٹھنڈک ہے نہ جہنّم کی لپک سے بچائے گا اس سے اتنے بڑے بڑے انگارے برستے ہوں گے جیسے اُونچے اُونچے محل۔

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝۳۳ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۴ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝۳۵ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝۳۶ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۷ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۝۳۹ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۴۰ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۴۱ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۴۲ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

ع ۲۱

هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۳

گویا وہ زرد رنگ کے اُونٹ ہیں۔ جھٹلانے والوں کے لیے اس دن تباہی ہوگی۔ یہی وہ دن ہے کہ لوگ زبان سے کچھ کہہ نہ سکیں گے۔ کسی عُذر کے پیش کرنے کی اُن کو اجازت نہ ہوگی۔ جھٹلانے والوں کے لیے اُس روز تباہی ہوگی۔ یہ فیصلہ کا دن ہوگا۔ ہم تم کو اور تم سے پہلے والوں کو جمع کریں گے۔ اگر تمہارے پاس بچنے کا کوئی حیلہ ہے تو اسے کر ڈالو۔ اس روز جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہوگی۔ البتہ متقی لوگ ٹھنڈے سایہ میں ہوں گے اور اُس کے سامنے چشمے بہتے ہوں گے اور اُن کی حسبِ خواہش میوے ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) جو کچھ تم دُنیا میں کرتے تھے اُس کے بدلہ میں مزہ سے کھاؤ پیئو۔

اِن آیات میں کئی جگہ جھٹلانے والوں کی تباہی کا ذکر ہے۔ جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ قیامت کا دن کافروں اور بدکاروں کے لیے کیسا سخت تباہی کا دن ہوگا۔ اس سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ ان کو ایسا کالا دھواں گھیرے ہوگا جس سے اُونچے مکان یا اُونچے اونٹ کے برابر انگارے برستے ہوں گے۔ ہاں جو خدا کے نیک بندے ہوں گے اُن کا کیا کہنا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں درختوں کے سایہ میں چلتی ہوں گی، چشمے بہتے ہوں گے پھر جس میوہ کو دل چاہے فوراً حاضر ہوگا۔ ندائیں آتی ہوں گی خوب مزے سے کھاؤ پیئو۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝۴۴ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۴۵ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝۴۶ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۴۷ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝۴۸ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۴۹ فَبِاَىِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۰

ع ۲۲

ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ جھٹلانے والوں کے لیے اُس دن بڑی تباہی ہوگی۔
(اس دُنیا میں) چند روز کھا پی لو۔ بے شک تم مجرم ہو۔ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے
بڑی تباہی ہوگی۔ ان سے جب کہا جاتا تھا رکوع کرو تو نہیں کرتے تھے۔ اُس دن جھٹلانے
والوں کے لیے بڑی تباہی ہوگی۔ اب اِس کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

یعنی سمجھانے کا جو حق تھا، اپنے رسولؐ کو بھیج کر کتاب نازل کرکے ان کو سمجھا دیا گیا۔ اب وہ کونسی چیز رہ گئی
جسے سُن کر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ یعنی یہ ایمان لانے والے ہی نہیں۔ یہ تو دوزخ کا ایندھن بن کر ہی رہیں گے۔
خدا نے اپنی حجت تمام کردی۔ اب نہیں سمجھتے تو جائیں جہنم میں۔

---

(۷۸) سُورَةُ النَّبَا مَكِّيَّةٌ (۸۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ
مُخْتَلِفُوْنَ ③ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤ اَلَمْ
نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ⑥ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ⑦ وَّخَلَقْنٰكُمْ
اَزْوَاجًا ⑧ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ⑨ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ⑩
وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ⑪ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ⑫
وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ⑬ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً
ثَجَّاجًا ⑭ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ⑮ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ⑯

یہ لوگ آپس میں جس چیز کا حال پوچھتے ہیں ایک بڑی خبر کا حال جس میں لوگ اختلاف کر رہے
ہیں۔ انہیں عنقریب معلوم ہوجائے گا انہیں عنقریب ہی معلوم ہوجائے گا۔ کیا ہم نے زمین
کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ ہم نے تم لوگوں کو جوڑا جوڑا پیدا کیا اور تمہاری نیند
کو آرام کا باعث قرار دیا اور رات کو پردہ بنایا اور دن کو کسبِ معاش کا وقت بنایا اور
تمہارے سر پر سات آسمان مضبوط بنائے اور ہم نے (سُورج کو) روشن چراغ بنایا اور ہم ہی نے
بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا تاکہ اس کے ذریعہ سے (غلّہ کے) دانے۔ سبزی اور گھنے باغ
پیدا کریں۔

لوگ قیامت کے بارے میں تذکرہ کیا کرتے ہیں اور اس بارہ میں ان کے درمیان اختلاف ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے قیامت کا آنا برحق ہے۔ کوئی کہتا ہے قیامت ایک ڈھکوسلہ ہے۔ جس سے لوگوں کو ڈرا کر مسلمان بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کوئی کہتا ہے اگر یہ کوئی حقیقت ہے تو آتی کیوں نہیں۔ خدا فرماتا ہے عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا۔ جب مرکر دوسری دنیا میں جانے لگیں گے تو کچھ آثار تو اس کے نظر آہی جائیں گے۔

اسلامی تبلیغ میں تین چیزیں بلحاظ تبلیغ مقدم رہی ہیں۔ اوّل توحید کے اقرار پر زور دیا گیا ہے۔ کسی زمانہ کے مشرکین کو وجودِ باری تعالیٰ سے انکار نہیں رہا۔ لیکن جن صفات کو وہ مانتے نہ تھے وہ شرک تھا۔ مثلاً وہ بتوں میں خدا کا حلول مانتے تھے۔ نظام کائنات میں خدا کا شریک ان کو قرار دیتے تھے۔ تمام انبیاءؑ سب سے پہلے یہی تعلیم دیتے تھے۔ کہ وہ خدا میں مخلوق کی صفات پیدا نہ کریں اور بتوں کی عبادت ترک کریں۔

دوسری تبلیغ رسالت کی تھی۔ اس سے انکار اس بنا پر تھا کہ وہ کسی رسول کو اپنا جیسا آدمی دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اُن کے نزدیک رسول قوم کا کوئی مالدار آدمی ہونا چاہیئے تھا یا اس کے ساتھ میں کوئی فرشتہ ہوتا جو اس کا تعارف کراتا۔ یا ان کے پاس خدا کی کوئی تحریر آتی جس میں لکھا ہوتا کہ فلاں شخص ہمارا بھیجا ہوا رسول ہے۔ نیز یہ کہ وہ عام لوگوں کی طرح بازاروں میں چلتا پھرتا نظر نہ آتا۔ بال بچوں والا آدمی نہ ہوتا۔

تیسری تبلیغ قیامت کے متعلق تھی۔ ہر نبی کے زمانہ بکثرت لوگ ایسے رہے جو قیامت کو نہیں مانتے تھے۔ وہ کہتے تھے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آدمی مرکر جب گل سڑ جائے، خاک میں مل جائے اور پھر زندہ اُٹھا کھڑا کیا جائے۔ دوسرے تمام انبیاءؑ قیامت کے آنے سے ڈراتے رہے لیکن آئی وہ اب تک نہیں۔ یہی چیز لوگوں کے انکار کا زیادہ باعث ہوتی تھی۔ وہ قیامت کو اپنی خواہش کے مطابق بلانا چاہتے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ دنیا کا یہ تمام کارخانہ جو ایک حکیمانہ نظام کے ساتھ چل رہا ہے کسی شخص کی خواہش پر یکایک تباہ و برباد نہیں کیا جاسکتا۔ جس حکیم مطلق نے اٹھارہ ہزار عالم بنائے ہیں وہی بہتر جانتا ہے کہ اس تمام کارخانہ کو کب درہم برہم کرے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ عنقریب آنے والی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ علم الٰہی میں جو وقت اس کے آنے کا مقرر ہے جتنی مدت گزرتی جاتی ہے اس کا وقت قریب ہوتا جاتا ہے۔ جیسے کسی کی عمر جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے اس کے مرنے کا وقت قریب ہوتا جاتا ہے۔

قدرت نے جو کارخانہ بنایا ہے جب تک انسان ان سب چیزوں کو دیکھ نہ لے گا اور اسرارِ الٰہیہ کو سمجھ نہ لے گا قیامت کیسے آجائے گی۔ آخر یہ سب چیزیں کسی کو دکھانے اور معرفت کا درس دینے ہی کے لیے تو پیدا کی ہیں۔ ابھی تو آدمی زمین کی مخلوق سے بھی پوری طرح واقف نہیں ہوا۔ پھر اب اس نے سیاروں پر بھی جانا شروع کر دیا ہے دیکھیے وہاں سے کیا کیا لاتا ہے۔ نہ معلوم اسے ابھی کہاں کہاں پہنچنا ہے اور کیا کیا لانا ہے اور کیا کیا دیکھنا ہے۔ خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا مگر اپنے وقت پر۔ رفتہ رفتہ اس کے آثار پیدا ہوتے جارہے ہیں اور آئندہ اور پیدا ہوں گے۔

انسان کے لیے موت ہی چھوٹی سی قیامت ہے۔ وہ اس سے سبق حاصل کیوں نہیں کرتا۔ خدا انسان کو سمجھا رہا ہے کہ میں نے تیرے آرام و آسائش کے لیے تیرے نظامِ حیات کو برقرار رکھنے کے لیے کیا کیا عجیب و غریب سامان کیے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو تیری زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ زمین کے فرش کو دیکھ! کیسا تیرے حال کے مناسب بنایا ہے نہ زیادہ گرم نہ زیادہ سرد نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم۔ پھر کیسے کیسے ذخیرے اس کے اندر تیرے لیے جمع کر دیئے ہیں۔

پہاڑوں کو دیکھ! ان میں ہر قسم کے پتھر تیرے فائدہ ہی کے لیے ہیں۔ ان کی چوٹیوں پہ برف جما کر وہاں سے خوشگوار چشمے پانی کے بہائے جن سے سمندر اور دریا بنے۔ رات کو تیرے آرام کے لیے بنایا۔ دن کو روزی کمانے کے لیے۔ سر کے اوپر سات آسمان بنائے ان سے پانی برسایا جس سے کھیتوں میں غلّہ اُگا۔ درختوں میں پھل پھول آئے۔ کیا تو ان تمام نعمتوں کے بعد ہمیں بھول جائے گا۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿١٧﴾ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿٢٢﴾ لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَاءً وِفَاقًا ﴿٢٦﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾

فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے اس روز صُور پھونکا جائے گا پس تم سب گروہ کے گروہ حاضر ہوگے اور آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور پہاڑ چل نکلیں گے اور ریت کا ڈھیر بن کر رہ جائیں گے۔ جہنم گھات میں لگا ہوگا۔ سرکشوں کا ٹھکانہ وہیں ہے جس میں وہ مدّتوں رہیں گے

نہ وہاں اُس کو ٹھنڈک نصیب ہوگی اور نہ گرمی ۔ اور پیپ کے سوا پانی ملے گا ۔ یہ (ان کی بدکرداری کا) پُورا بدلہ ہے یہ لوگ (قیامت میں) حساب کتاب کی امّید ہی نہ رکھتے تھے ۔ انہوں نے بُری طرح ہماری آیات کو جُھٹلایا تھا ۔

یوم الفصل سے مراد قیامت کا دن ہے جس میں ہر شخص کے اعمال کا فیصلہ کیا جائے گا ۔ اس روز جب صُور پھونکا جائے گا تو آدم سے لے کر قیامت تک جتنے انسان پیدا ہوں گے سب کے سب بارگاہِ باری میں حاضر ہو جائیں گے ۔ یہ آسمان جو ہر طرف ہموار نظر آرہا ہے شق ہو جائے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے چل کھڑے ہونگے اور ان کی چٹانیں ٹوٹ پھوٹ کر بھُربھُری ریت بن جائیں گی ۔ جہنّم ان کی گھات میں ہوگا ۔ خدا سے سرکشی کرنے والوں کا ٹھکانہ یہی جہنّم ہے جہاں وہ مدّتوں رہیں گے احقا جمع ہے حقیقت کی ، جس کے معنی مدّت دراز کے ہیں ایک مدّت کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری مدّت آتی رہے گی ۔ یہ مدّت ہزار ہا برس کی ہوگی ۔ وہاں جہنّم کی آگ کے شعلوں کے سوا کہیں ٹھنڈک کا نام ونشان نہ ہوگا ۔ پیاس میں ایسا گرم پانی پینے کو مِلے گا جس میں بُو اور پیپ بھی شامل ہوں گے ۔ جو لوگ اس دن کے آنے کے منکر تھے اور جنہوں نے آیاتِ خدا کو جھٹلایا تھا اُن کی یہی پوری پوری سزا ہوگی ۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ وَأَعْنٰبًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ

الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهِ مَاٰبًا ﴿٣٩﴾ إِنَّآ أَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِي كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾

ہم نے ہر شئے کو پُوری طرح لکھ رکھا ہے ۔ پس اب (سرکشی کا) مزہ چکھو جب کہ ہم تم پر عذاب کو بڑھاتے ہی چلے جائیں گے ۔ ہاں جو متقی ہیں ان کے کامیابی کا دن ہوگا ۔ ان کے لیے بے شک باغ ہوں گے اور انگور اور اٹھتی جوانیوں والی کنواری لڑکیاں اپنی ہجولیوں کے ساتھ ہوں گی اور شراب کے لبریز ساغر ہوں گے ۔ وہاں نہ کوئی لغو بات سنائی دے گی نہ جھوٹی بات ۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کافی انعام وصلہ ہے ۔ وہ آسمان و زمین جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے رحم کرنے والا ہے ۔ کسی کو اُس سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوگی ۔ اس روز جبریل اور ملائکہ صفیں باندھے کھڑے ہوں گے کسی کو کلام کرنے کی تاب نہ ہوگی مگر جس کو خدا اجازت دے گا وہ جو کچھ کہے گا ٹھیک ٹھیک کہے گا ۔ بس جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف اپنا مقام بنائے ۔ ہم نے تم کو قریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ۔ اُس روز جس کسی نے اپنے ہاتھوں جو کچھ کیا ہوگا اپنے سامنے دیکھے گا اور کافر کہتا ہوگا کاش میں مٹی ہوتا ۔

انسان سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں اُس کی پُوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہیں ۔ حالانکہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی خدائی دفتر میں لکھا جا رہا ہے ۔ کافروں اور بدکاروں پر عذاب پر عذاب آتا ہی رہے گا ایک منٹ کو انہیں سکون نصیب نہ ہوگا ۔ ہرے بھرے باغوں کی بہار ہوگی ۔ شاخوں میں انگوروں کے خوشے لٹکتے ہوں گے ۔ چھلکتے ساغروں کا دَور چل رہا ہوگا اور ان کا دل بہلانے کے لیے کنواری نوجوان لڑکیاں اپنی ہجولیوں کے ساتھ ادا و ناز دکھاتی ہوں گی ۔ کوئی لغو یا جھوٹی آواز کانوں میں پڑتی ہی نہ ہوگی ۔ یہ سب ان کی نکوکاری کا بدلہ ہوگا ۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اپنے رب سے کچھ کہہ سکے ۔ غلط ہے لوگوں کا یہ کہنا کہ اس دن خدا تخت پر آکر بیٹھے گا اور لوگ چٹاخ پٹاخ اُس سے بات چیت کریں گے ۔ ملائکہ کا یہ عالم ہوگا کہ صفیں باندھے مؤدب کھڑے ہونگے مگر بے اجازت کوئی بات نہ کر سکیں گے جب تک خدا ان کو بولنے کی اجازت نہ دے ۔ پھر جو کہیں گے ٹھیک ٹھیک

کہیں گے۔ کیا ممکن کہ کوئی جھوٹی بات منہ سے نکل جائے۔ یہ سچائی کا دن ہے۔ پس جس کا دل چاہے خدائی راستہ اختیار کرے جس کا جی چاہے گمراہ ہو جائے۔ خدا نے تو اس قریب آنے والے دن کے عذاب سے ڈرا دیا ہے۔ اس کی حجت اپنی مخلوق پر پوری ہو گئی۔ جو کچھ جس نے اچھا یا بُرا کام کیا ہے اس دن اس کے سامنے آجائے گا۔ کافر اس سختی کو دیکھ کر گھبرا جائے گا اور کہے گا کاش میں انسان کی بجائے مٹی ہوتا تاکہ اس دن کے عذاب سے بچ جاتا۔

---

(۷۹) سُوْرَۃُ النّٰزِعٰتِ مَکِّیَّۃٌ (۸۱)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَۃُ ﴿۶﴾ تَتْبَعُھَا الرَّادِفَۃُ ﴿۷﴾

قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کفّار کی) رُوح ڈُوب کر سختی سے کھینچ لیتے ہیں اور ان کی قسم جو (مومنین کی جان) آسانی سے کھول دیتے ہیں اور اُن کی قسم جو (آسمان و زمین کے درمیان) پیرتے پھرتے ہیں۔ پھر ایک کے آگے ایک بڑھتے ہیں پھر (دُنیا کے) انتظام کرتے ہیں۔ جس دن (قیامت) زمین کو بھونچال آجائے گا پھر اس کے بعد زلزلہ آئے گا۔

ڈوب کر جان نکالنے سے یہ مراد ہے کہ وہ جسم کے آخری حصّہ تک سے جان نکال لیتے ہیں۔ یعنی انسان کی رگ رگ سے جان کو کھینچ لیتے ہیں۔ کافروں کی جان سختی سے نکالتے ہیں اور مومنوں کی آسانی سے۔ وہ تیرتے پھرتے ہیں یعنی حکم خدا کی بجا آوری میں ہر وقت دوڑے دوڑے پھرتے ہیں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی فرشتے تمام عالموں کے کام انجام دیتے ہیں۔ جو لوگ فرشتوں کو معبود مانتے ہیں ان کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ سب حکم خدا کے پابند ہیں۔ خدا کی مخلوق میں کیسی احمقانہ بات

ہے کہ لوگ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرتے ہیں۔ اب قیامت کا حال بیان ہوتا ہے۔ زمین میں پیہم زلزلے آرہے ہوں گے۔

قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَۃٌ ﴿۸﴾ اَبْصَارُھَا خَاشِعَۃٌ ﴿۹﴾ یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَۃِ ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً ﴿۱۱﴾ قَالُوْا تِلْکَ اِذًا کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا ھُمْ بِالسَّاھِرَۃِ ﴿۱۴﴾

اس روز دل دھڑکتے ہوں گے۔ آنکھیں (ندامت سے) جُھکی ہوئی ہوں گی۔ (کافر) کہیں گے کیا ہم اُلٹے پاؤں کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جبکہ ہم کھوکھلی ہڈّیاں ہو چکے ہیں کہتے ہونگے یہ لوٹنا تو بڑا نقصان دہ ہوگا۔ وہ تو ایک سخت چیخ ہوگی جبکہ وہ سب میدانِ حشر میں جمع ہو جائیں گے۔

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ ساہرہ اس زمین کا نام ہے جو بیت المقدس کے قریب جبل ازکا کے اطراف میں ہے اس کو خدا قیامت میں وسیع کر کے میدانِ حشر بنا دے گا۔ بعض نے کہا وہ چاندی کی زمین ہوگی جس کو خدا اتنی وسعت دے گا کہ موجودہ زمین سے چالیس گنا زیادہ ہوگی۔ بعض نے لکھا ہے کہ قیامت میں یہ زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی لہٰذا میدانِ حشر اس کا کوئی حصّہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک اور زمین بنائے گا۔ لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا جب لوگوں کو قبروں سے نکالا جائے گا اور وہ میدانِ حشر کی طرف دوڑیں گے تو لامحالہ وہ اسی زمین کا حصّہ ہوگا۔ اب رہا زمین کا شق ہونا اور زلزلوں کا آنا تو خدا اس وقت اُن کو روک دے گا یہ سب قیاسات ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کہاں حشر برپا کرے گا۔

ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰہُ رَبُّہٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۶﴾ اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی ﴿۱۷﴾ فَقُلْ ھَلْ

لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

اے رسول کیا تم نے موسٰی کا قصہ سُنا ہے جب طوٰی کی وادی مقدس میں رب نے اُن کو پکار کر کہا تم فرعون کی طرف جاؤ وہ سرکشی کر رہا ہے اس سے کہو (کیا تُو چاہتا ہے کہ) میں تجھے کفر سے پاک کردوں اور تیرے رب کی طرف تجھے راستہ دکھا دوں۔ تاکہ تُو خدا سے ڈرے۔ موسٰی نے اُسے ہماری بڑی نشانی (عصا) دکھائی۔ اُس نے جھٹلا دیا اور نافرمان بن گیا پھر اُس نے منہ پھیر لیا اور (موسٰی کے خلاف) تدبیر کرنے لگا۔ اُس نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پکار کر کہا میں تمہارا ربِ اعلیٰ ہوں۔ پس خدا نے دُنیا و آخرت کے دونوں عذابوں میں گرفتار کیا۔ جو لوگ خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں اُن کے لیے اس واقعہ میں عبرت ہے۔ پھر فرماتا ہے، لوگو! کیا مجھے تمہارا بنانا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا بنانا۔ اُس کی چھت کو بہت اُونچا رکھا پھر اُسے درست رکیا۔ اُس کی رات کو تاریک بنایا اور دن کو اس نے دُھوپ نکالی۔ اس کے بعد اُس نے زمین

کو بچھایا۔ اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو اس میں گاڑ دیا۔ یہ سب سامان تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے لیے ہے۔

حضرت موسٰیؑ کا قصہ کئی جگہ قرآن میں ذکر کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو اس عجیب و غریب واقعہ سے عبرت حاصل ہو۔ حضرت موسٰیؑ کو فرعون کی طرف بھیجنے کے دو مقصد تھے۔ اوّل یہ کہ فرعون اور اس کی قوم کو گمراہی سے بچائیں اور اسے سمجھا کر خدائی کے دعویٰ سے باز رکھیں دوسرا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو جو عرصہ سے فرعون کے مظالم کا شکار بنے ہوئے تھے اس کے پنجہ سے نکال لیں۔

آیتِ کبریٰ سے مراد حضرت موسٰیؑ کے عصا کا اژدھا بن جانا تھا جس کو پہلی بار دیکھ کر فرعون حواس باختہ ہو گیا تھا اور اس نے سمجھا تھا کہ موسٰیؑ بہت بڑے جادوگر ہیں۔ اس کو یہ خوف پیدا ہو چلا تھا کہ موسٰیؑ اپنے جادو کے زور سے میری سلطنت پر قبضہ کر لیں گے اور مجھے اپنا فرمانبردار بنا لیں گے۔ اس نے اپنی رعایا کو ایک مقام پر جمع کر کے پھر اس عہد کی تجدید کی کہ میں تمہارا ربِ اعلیٰ ہوں۔ تم کو روزی دینا اور تمہاری مشکلات حل کرنا سب میرے قبضہ میں ہے۔ پس تم موسٰیؑ کے قبضہ میں نہ آنا۔ جب اس کی سرکشی اس حد تک پہنچی اور کسی طرح قبضہ میں نہ آیا تو پھر ہمارے عذاب نے اُسے لے ڈالا۔ دنیا کا عذاب تو یہ تھا کہ وہ غرق کر دیا گیا اور آخرت کا عذاب تو جہنم کا ایندھن بننا ہے ہی۔ یہ سب اس لیے کہا گیا کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں ان کے لیے عبرت ہو اور وہ کسی وقت بھی خدا کی نافرمانی پر آمادہ نہ ہوں۔

پھر اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہے کہ تمہارا وجود تو ہے ہی کیا میں نے آسمان کو نہیں بنایا۔ اس کی بلندی کتنی ہے۔ رات کو تمہارے لیے تاریک اور دن کو روشن بنایا ہے۔ زمین کا فرش بچھا کر اس میں سے تمہارے لیے پانی نکالا ہے سبزہ اُگایا ہے۔ تاکہ تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے لیے کھانے پینے کا سامان ہو اس پر بھی اگر تم مجھے نہ مانو تو پھر تمہاری سزا جہنّم کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ

الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾

جب سب سے بڑی مصیبت آجائے گا اس دن آدمی نے جو کچھ کیا ہے اُسے یاد آئے گا اور دیکھنے والوں کے لیے جہنّم کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ پس جس نے سرکشی کی اور زندگانی دُنیا کو ترجیح دی ہوگی جہنّم میں اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا ہوگا اور اپنے نفس کو بُری خواہشوں سے روکا ہوگا تو اس کے رہنے کی جگہ جنت ہوگی لوگ تم سے سوال کرتے ہیں (اے رسولؐ) قیامت کب آئے گی تمہارا اس کے علم سے کیا واسطہ، اس کے علم کا تعلق اللہ سے ہے تم تو صرف ڈرانے والے ہو جو ڈرے، جس دن دیکھیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں ایک رات یا دن ٹھہرے،

اکثر لوگ حضرتؐ سے یہ سوال کرتے تھے کہ جس قیامت کا آپؐ ذکر کیا کرتے ہیں اس کے آنے کا کوئی وقت بھی مقرر ہے۔ تم کہدو کہ اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے وہ جب چاہے گا اُسے لے آئے گا۔ اے رسولؐ تمہارا فرض تو یہ ہے کہ انہیں خبردار کر دو جو خدا کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ جب وہ اُسے دیکھیں گے تو ان کے ہوش باختہ ہو جائیں گے۔

﴿۸۰﴾ سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ﴿۲۴﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ﴿۷﴾

وہ چیں بجبیں ہو گیا اور منہ پھیر بیٹھا اتنی سی بات پر کہ اس کے پاس ایک نابینا آگیا تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ تعلیم سے پاکیزگی حاصل کرتا یا وہ نصیحت سُنتا تو نصیحت اُس کے کام آتی۔ تو جو کچھ پرواہ نہیں کرتا اس کے تو تم درپے ہو جاتے ہو حالانکہ وہ نہ مانے تو تم اس کے ذمّہ دار نہیں۔

اس سُورہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز حضرتؐ کے قریب بنی اُمیہ کا ایک سردار بیٹھا تھا کہ عبداللہؓ بن مکتوم آئے جو آپؐ کے خاص صحابی تھے، مؤذن بھی تھے اور نابینا تھے، آپؐ کی خدمت میں آئے۔ عبداللہؓ کی والدہ اُمِ مکتوم اور حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد بہن بھائی تھے آدمی مقدس تھے۔ حضرتؐ نے اس مالدار سے اُوپر جگہ دی۔ اس پر وہ بہت ترش ہُوا اور حضرتؐ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبداللہؓ غریب آدمی تھے اور وہ دولتمند تھا۔ خدا نے رسولؐ سے فرمایا تمہیں کیا معلوم شاید وہ تمہارے پاس بیٹھ کر تزکیہ نفس کرتا یا نصیحت سنتا جو اُس کے کام آتی۔ لیکن جو نصیحت کی پرواہ نہیں کرتا تم اُس کے درپے ہوتے ہو حالانکہ وہ نہ سدھرے تو تم اس کے نہ سدھرنے کے ذمہ دار نہیں۔

مفسرین نے اس آیت کے بارہ میں بہت اختلاف کیا ہے۔ ایک بڑے محقق مفسر نے تحریر فرمایا ہے کہ واقعہ یہ تھا کہ ایک مالدار آدمی حضرتؐ کے پاس بیٹھا تھا کہ عبداللہ بن مکتوم آگئے۔ ان کے آنے سے حضرت ترش ہوئے اور اس سے منہ موڑ لیا۔ اس لیے کہ عبداللہ کا ایمان لانا حضرت نے اس مالدار کے ایمان لانے سے بہتر نہ سمجھا کیونکہ عبداللہ سے اسلام کو کوئی فائدہ پہنچنے کی امید نہ تھی۔ برخلاف اس مالدار کے، کہ وہ جتھے والا تھا۔ اگر ایمان لے آتا تو بڑا فائدہ پہنچتا۔ اس صورت میں رسولؐ کے اخلاق پر جو دھبہ لگتا ہے اُسے کون مٹا سکتا ہے۔ جو ہستیؐ پاک خلقِ عظیم پر فائز ہو اس سے ایسے عمل کا صادر ہونا کس قدر بعید از عقل ہے۔ بہرحال یہ اپنا اپنا عقیدہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب عبداللہ حضرتؐ کے قریب بیٹھے تو اُس مالدار نے اپنا دامن ان کی طرف سے کھینچ لیا۔ حضرتؐ نے فرمایا، اے شخص تُو نے ایسا کیوں کیا۔ کیا اس کی فقیری تجھ سے آلپٹتی یا تیری تونگری اس کے پاس چلی جاتی۔ یہ سُن کر وہ شخص شرمندہ ہُوا اور کہا میں اپنی دولت کا نصف حصہ اپنے اس غریب بھائی کو دیتا ہوں۔ حضرت نے ابنِ مکتوم سے پوچھا، کیا تمہیں منظور ہے۔ انہوں نے کہا ہرگز نہیں۔ یہ شخص اس نجاست کو میری طرف پھینک رہا ہے جس نے اس کو اس بد اخلاقی کی طرف مائل کیا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخْشٰى ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴿۱۰﴾ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾

جو تمہارے پاس لپکتا ہُوا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا ہے تو تم اس سے بے رُخی کرتے ہو دیکھو یہ قرآن تو سراسر نصیحت ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ پہلی غلطی تھی جو رسول سے سرزد ہوئی۔ اللہ نے ان کو تنبیہہ فرمائی کہ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی طرف توجہ کرو۔ ایمان لرزتا ہے یہ سنتے ہوئے کہ رسول سے غلطی سرزد ہوئی۔ اس آیت میں جو

کچھ کہا گیا ہے بظاہر رسولؐ سے مخاطبہ ہے لیکن درحقیقت امت کو سبق دیا گیا ہے۔ قرآن میں اکثر مواقع پر بظاہر مخاطب رسولؐ سے کیا گیا ہے لیکن مراد امت ہوتی ہے۔ جو رسول ایسی کھلی ہوئی غلطیاں کرے اس کی اطاعتِ مطلقہ امت پر کیوں کر ہو سکتی ہے۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

پس جو چاہے اسے یاد رکھے (یہ قرآن لوحِ محفوظ کے) بہت معزّز اوراق پر لکھا ہوا ہے جو بلند مرتبہ اور پاک ہیں ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں سے جو بزرگ نکوکار ہیں۔ انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے۔ خدا نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا، نطفہ سے اُسے پیدا کیا پھر اس کا اندازہ مقرر کیا پھر اس کا راستہ آسان کر دیا۔ پھر اُسے مارا اُسے قبر میں دفن کیا پھر جب چاہے گا اُٹھا کھڑا کرے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ خدا نے جو حکم اسے دیا ہے اس نے اسے پُورا نہ کیا۔ انسان کو اپنے کھانے ہی کی طرف غور کرنا چاہیئے کہ ہم نے بادل سے پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو درخت اُگا کر چیر پھاڑا پھر ہم نے اس میں اناج اُگایا اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں پیدا کیں اور گھنے باغ میوے اور چارہ پیدا کیا۔ یہ سب تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے لیے ہے۔

یعنی یہ قرآن جو رسولؐ کے پاس بھیجا گیا ہے پُوری احتیاط سے بھیجا گیا ہے اس کی اصل کاپی لوحِ محفوظ ہے۔ اس کو امین اور نیک فرشتہ کی معرفت بھیجا گیا ہے۔ انسان قتل کیا جائے بڑا ہی ناشکرا ہے۔ خدا نے نطفہ کی ایک بُوند سے پیدا کر کے کس مرتبہ تک پہنچایا ہے۔ اُس نے صحیح راستہ اس کو دکھا دیا۔ پھر وہ مر گیا قبر میں دفن ہو گیا۔ پس جب خدا چاہے گا اُسے قبر سے اُٹھا کھڑا کرے گا۔ اس کا اُسے یقین نہیں آتا۔ اور جو حکم اسے دیا گیا ہے اُسے پُورا نہیں کرتا۔ جو کھانا روزمرّہ کھاتا ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ یہ خدا کی کتنی صنعتوں اور مہربانیوں کے بعد اسے حاصل ہوا ہے۔ مینہ اس نے برسایا جس نے زمین میں داخل ہو کر اُسے نرم بنایا پھر اس میں سے دانہ کو اُگایا۔ غلے اور میوے پیدا کیے مویشیوں کے لیے چارہ اُگایا۔ کیا اس پر بھی وہ ہمارا شکرگزار نہیں ہوتا۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

جب وہ چنگھاڑ آموجود ہو گی اس روز آدمی اپنے بھائی سے اپنے ماں باپ سے اور اپنی بی بی اور اپنی اولاد سے بھاگتا دکھائی دے گا۔ اس روز ہر شخص کے لیے ایک ایسی شان ہو گی کہ دوسروں سے اس کو بے خبر رکھے گی۔ کچھ چہرے اس روز چمکتے ہوں گے ہنستے ہوں گے بشاش ہوں گے اور

کچھ ایسے ہوں گے کہ گرد آلود ہوں گے ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی ۔ یہی کافر اور بدکار لوگ تھے ۔

اس آیت میں ماں باپ سے پہلے بھائی کا اور باپ سے پہلے ماں کا ذکر کیا گیا ہے ۔ معلوم ہوا کہ محبت میں بھائی اور ماں کا مرتبہ بہت بلند ہے ۔ باپ دوسری شادی کرنے کے بعد پہلی بی بی کی اولاد سے بے تعلق ہوجاتا ہے لیکن بھائی اور ماں بے تعلق نہیں ہوتے ۔ اگر ماں بھی دوسری شادی کر کے بے تعلق ہوجائے تو بھائی ہر حالت میں قوتِ بازو ہوتا ہے ۔ قیامت کے دن دیکھنے والوں کو مومن و کافر میں صاف فرق نظر آئے گا ۔

(۸۱) سُورَةُ التَّكْوِيرِ مَكِّيَّةٌ (۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ﴿۲﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾

جب آفتاب کی چادر کو لپیٹ لیا جائے گا اور جس وقت تارے گر پڑیں گے اور جب پہاڑ

چلائے جائیں گے اور جب جَننے والی اونٹنیاں چھوڑی جائیں گی اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے اور جب دریا آگ ہوجائیں اور جب رُوحیں ہڈیوں سے ملا دی جائیں گی اور جس وقت زندہ در گور لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے بدلے ماری گئی تھیں ۔ اور جب اعمال کے دفتر کھولے جائیں گے اور جب آسمانوں کا چھلکا اُتار دیا جائے گا اور جب دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی جب جنّت قریب کر دی جائے گی ، تب ہر شخص معلوم کرلے گا کہ وہ کیا اعمال لے کر آیا ہے مجھے ان ستاروں کی قسم جو چلتے چلتے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور غائب ہوجاتے ہیں اور رات کی قسم جب ختم ہونے کو آئے ۔

آثارِ قیامت بیان کیے جا رہے ہیں :

۱ - یعنی جب سُورج کو بے نُور کر دیا جائے گا ۔

۲ - جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں گے ۔

۳ - پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر چل نکلیں گے ۔

۴ - جَننے والی اونٹنیاں معطل ہوجائیں گی ۔ عرب ایسی اونٹنیوں کی بڑی حفاظت کرتے تھے جو بچّہ جَننے کے قریب ہوتی تھیں کیونکہ ان سے نسل بڑھنے کی اُمید ہوتی تھی ۔ قیامت کے دن ایسی گھبراہٹ ہوگی کہ انہیں بھی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے ۔

۵ - وحشی جانور جمع ہوجائیں گے ۔ یعنی ایسی خوفناک صورت ہوگی کہ تمام وحشی جانور خوف زدہ ہوکر ایک مقام پر جمع ہوں گے اور کوئی کسی کو اذیت نہ پہنچا سکے گا ۔

۶ - اس وقت دریاؤں کا پانی آگ بن جائے گا ۔

۷ - پھر ہڈیوں میں جان ڈالی جائے گی اور مُردے زندہ ہوکر اُٹھ کھڑے ہوں گے ۔

۸ - عربوں میں یہ قاعدہ تھا کہ جب ان کی عورتوں کے وضع حمل کا وقت قریب آتا اور دردِ زہ عارض ہوتا تو وہ ایک گڑھا کھود رکھتے ۔ اگر لڑکی پیدا ہوتی تو فوراً اُسے گڑھے میں ڈال کر گڑھے کو مٹی سے پُر کر دیتے ۔ اس کی کئی وجہیں ! اوّل تو یہ کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی لڑکی پر اس کا شوہر حاکمانہ تصرف دکھائے ۔ دوسرے اس کی پال گت میں اور شادی بیاہ میں روپیہ خرچ کرنا لازمی ہوتا تھا اور ان کی مفلسی اس کی اجازت نہیں دیتی تھی ۔ تیسرے ان کو اس کی نگرانی کرنی پڑتی تھی کہ بدچلن ہوکر باعث بدنامی نہ ہوجائے ۔ برخلاف اس کے لڑکے جوان ہوکر ان کی آمدنی کا سبب ہوتے تھے ۔ چوتھے باہمی لڑائیوں میں لڑکے ان کا ساتھ دیتے تھے ۔ لڑکی روپیٹ کر ان کی ہمّت پست کرتی تھی ۔

آیت میں لڑکیوں سے سوال کا ذکر ہے ماں باپ سے نہیں تاکہ ماں باپ انکار نہ کر دیں ، دوسرے

مظلوم کی فریاد پہلے سُنی جاتی ہے ۔

۹ - لوگوں کے اعمال نامے کھُلے ہوں گے اور ایک ایک بات کے متعلق جواب طلب کیا جائے گا ۔

۱۰ - آسمانوں سے پردہ ہٹا دیا جائے گا اور جو ان کی اصلیت ہے وہ سب کے سامنے آجائے گی ۔

۱۱ - دوزخ کی آگ خوب بھڑکا دی جائے گی ۔

۱۲ - جنّت کو متقی لوگوں سے قریب کر دیا جائے گا ۔

۱۳ - کچھ ایسے ستارے بھی ہیں کہ پیچھے ہٹ کر غائب ہو جاتے ہیں ۔ اسٹرا نومرس علمِ ہیئت کے ماہرین کی تحقیق یہ ہے کہ سیّارے اپنے اندر سے گیسیں چھوڑتے رہتے ہیں ۔ جس طرح زمین پر سمندر موجیں مارتا ہے اسی طرح وہاں گیسیں موجیں مارتی ہیں ان کو انگریزی میں نیبولاز کہتے ہیں ۔ جب یہ رُش کرتی ہوئی طوفان کی صورت میں ایک طرف سے دُوسری طرف جاتی ہیں تو ان کا زور ستارے کو جگہ سے ہٹا دیتا ہے اور ان کی گریوٹی (قوتِ کشش) پھر غائب ہونے کے بعد ان کو اپنی جگہ پر لے آتی ہے ۔ (منقول از کتاب بُک آف نالج) ۔ علمِ ہیئت کے ماہرین کا بیان ہے کہ زحل ۔ مریخ ۔ زہرہ اور عطارد پانچ سیّارے ایسے ہیں جو چلتے چلتے یکبارگی پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں ۔ (منقول از حاشیہ قرآن مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم) ۔

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور صبح کی قسم جب روشن ہو جائے بے شک یہ قرآن ایک معزّز فرشتہ کی زبان کا پیغام ہے جو بڑی قوت رکھتا ہے ۔ عرش کے مالک کی بارگاہ میں بلند مرتبہ ہے سب فرشتوں کا سردار امانت دار ہے اور (مکّہ والو) تمہارے ساتھی (محمدؐ) دیوانے نہیں ہیں ۔ بے شک انہوں نے جبریلؑ کو (آسمان کے) کنارہ پر دیکھا ہے ۔ وُہ غیب کی باتوں کے ظاہر کرنے میں بخیل نہیں اور نہ یہ مردُود شیطان کا قول ہے ۔ پھر تم کہاں (بہکے) جا رہے ہو، یہ تو سارے جہان کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے (مگر) اُسی کے لیے جو تم میں سیدھی راہ چلے اور تم تو سارے جہان کے پالنے والے خدا کے چاہے بغیر کچھ بھی نہیں چاہ سکتے ۔

قولِ رسولِ کریمؐ سے یہ مراد ہے کہ اس قرآن کا لانے والا جبریلؑ جیسا فرشتہ ہے جو معمولی فرشتہ نہیں، بلکہ صاحبِ قوّت ہے اور تمام فرشتے اس کی اطاعت کرتے ہیں یعنی سب فرشتوں کا سردار ہے اور امانتدار ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کا کلام جو رسولؐ تک لانے والا ہے وہ کوئی معمولی فرشتہ نہیں، خدا کی بارگاہِ عالیہ میں خصوصیت رکھنے والا ہے ۔ امانت دار ہے، کسی قسم کی خیانت نہیں کر سکتا ۔ جو پیغام اس کے ذریعہ سے بھیجا جاتا ہے وہ اس میں اپنی طرف سے کتر بیونت نہیں کرتا، جُوں کا تُوں رسولؐ تک پہنچا دیتا ہے ۔ رسولؐ نے اُسے شبِ معراج دیکھ بھی لیا ہے، جانا پہچانا ہے ۔ پس اس صورت میں تمہارا رسولؐ کو دیوانہ کہنا تمہاری دیوانگی کی علامت ہے ۔ یہ شیطان مردود کا کلام نہیں جو اول فول ہو ۔ یہ تو جچا تُلا صداقت آگیں کلام ہے ۔ تمام عالموں کے لیے نصیحت ۔ پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اسے نہیں مانتے ۔ تم شیطان کے پجاری بن کر کہاں بہکے جا رہے ہو ۔ تمہارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے ۔ ہونا تو وہی ہے جو خدا چاہے ۔

﴿۸۲﴾ سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ﴿۸۲﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ

نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۶﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿۹﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

جب آسمان سُرخ ہو جائے گا، ستارے جھڑ پڑیں گے، جب دریا ایک دُوسرے سے مِل جائیں گے، جب قبریں اُکھیڑ دی جائیں گی، تب ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اُس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا۔ اے انسان تجھے اپنے ربِ کریم کے بارہ میں کس چیز نے دھوکا دیا۔ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست بنایا اور مناسب اعضا دیئے۔ جس صورت میں اُس نے چاہا تیرے جوڑ بند ملائے۔ ہاں بات یہ ہے کہ تم لوگ جزا کے دن کو جھٹلاتے ہو حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں، بزرگ فرشتے سب باتوں کے لکھنے والے (کراماً کاتبین) جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب جانتے ہیں۔ بے شک نیک لوگ بہشت کی نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار لوگ یقیناً جزا کے دن جہنّم میں جھونکے جائیں گے اور یہ لوگ اُس سے چُھپ نہ سکیں گے اور تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیا ہے۔ پھر تمہیں کیا معلوم جزا کا دن کیا ہے۔ اس دن کوئی شخص کسی کی بھلائی نہ کر

سکے گا۔ اُس دن حکم صرف خُدا ہی کا ہوگا۔

یعنی قیامت کے دن قبریں کھول دی جائیں گی اور سب لوگ ان سے باہر آکر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے اس روز انسان کو پتہ چلے گا کہ کیا کیا کام وہ اپنی زندگی میں کر چکا ہے اور کیا کیا کام اُس سے چھُوٹ گئے ہیں۔ اے انسان تجھے بخشش کرنے والے رب کے متعلق کس چیز نے دھوکہ میں ڈالا کہ تُو نے اُس کی عبادت چھوڑ دی اور اس کے احکام کی نافرمانی پر کمر باندھی۔ وہ تو ربِ کریم ہے اگر تُو اس سے معافی مانگتا تو وُہ بخش دیتا۔ مگر تُو تو اس سے منہ موڑے ہی رہا۔

ذرا تُو اُس پر غور نہیں کرتا کہ خدا نے تجھے کس طرح بنایا ہے۔ تیری ساخت میں قدرت نے کیا کیا کرشمے دکھلائے ہیں۔ کیسی زیبا صورت تجھے دی ہے۔ اعضاء کے تناسب کے ساتھ تجھے کیسا حسین بنایا ہے۔ تُو روزِ قیامت کو جھٹلاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تُو جو کچھ اس دُنیا میں اپنے دو ہاتھوں سے ہزار ہا کام کر سکتا ہے۔ اپنے دو ہاتھوں سے کر رہا ہے اس کا کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ تیرے کاموں کی کسی کو خبر ہی نہیں۔ اے بے خبر انسان! ہم نے اپنے نگہبان فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو تیرے کندھوں پر بیٹھے تیرے اچھے بُرے اعمال لکھتے جا رہے ہیں۔ یہی روزِ قیامت ہر شخص کے گلے کا ہار ہوں گے۔ پھر وہاں نیکوں کے لیے جنّت ہوگی اور بدکاروں کے لیے جہنّم۔ وہاں سے نہ کوئی بھاگ کر جا سکتا ہے نہ کوئی کسی کی مدد کر سکتا ہے۔

---

(۸۳) سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ (۸۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ

سِجِّيْنٍ ⑦ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ⑧ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑨

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی خرابی ہے جو اَوروں سے ناپ کر لیں تو پُورا پُورا لیں اور جب اُن کو ناپ یا تول کر دیں تو کم کر دیں۔ کیا یہ لوگ اتنا بھی خیال نہیں کرتے کہ ایک بڑے (سخت) دن (قیامت) میں اُٹھائے جائیں گے جس دن تمام لوگ سارے جہان کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ سُن رکھو کہ بدکاروں کا نامۂ اعمال سجّین میں ہے اور تم کو کیا معلوم کہ سجّین کیا چیز ہے۔ لکھا ہُوا دفتر ہے (جس میں شیاطین کے اعمال درج ہیں)۔

مدینہ کے اکثر تاجر جب کوئی چیز دوسروں سے لیتے تو ڈنڈی مار کر زیادہ لے لیتے اور جب اپنی چیز دوسروں کو دیتے تو کم ناپتے اور کم تولتے۔ اس کی شکایت جب حضرت رسولِ خدا کے پاس پہنچی تو آپؐ نے بازار میں جا کر لوگوں کو یہ آیات سُنائیں۔ اسی طرح امیر المومنین علیہ السّلام بھی جب بازار میں جاتے تو دکانداروں کو ہدایت کرتے کہ کوئی کسی کو نہ کم دے نہ زیادہ لے۔ اور فرماتے کہ اس کا خمیازہ تم کو قیامت میں بھگتنا پڑے گا۔

قرآن مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ قیامت میں جو بڑا سخت دن ہوگا اپنی قبروں سے اُٹھائے نہیں جاؤ گے، ضرور اُٹھائے جاؤ گے اور ربّ العالمینؒ کے سامنے تمہاری پیشی ہوگی۔ بدکاروں کے تمام اعمال لکھے ہوئے اس کے سامنے آجائیں گے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑩ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ⑪ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ⑫ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ⑮ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ⑯ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑰

اُس روز اُن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی جو روزِ قیامت کو جھٹلاتے تھے اور نہیں جھٹلاتے اس کو مگر حد سے تجاوز کرنے والا گنہگار، جب اس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی تھیں تو کہتا تھا یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ لوگ جو اعمالِ بد کرتے ہیں ان کے دلوں میں اس کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ ضرور یہ لوگ اپنے رب کی رحمت سے روک دئیے جائیں گے پھر ان کو جہنّم میں جھونک دیا جائے گا۔ پھر ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ⑱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ⑲ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑳ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ㉑ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ㉒ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ㉓ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ㉔ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ㉕ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۗ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ㉖ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ㉗ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ㉘ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ㉙ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ㉚

سُن رکھو نیکوں کے نامۂ اعمال علیّین میں ہوں گے تم کو کیا معلوم علیّین کیا ہے وہ ایک لکھا ہُوا دفتر ہے جس میں نیکوں کے اعمال درج ہیں۔ اس کے پاس مقرّب فرشتے حاضر ہیں۔ بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے۔ تختوں پر بیٹھے نظّارے کریں گے تم ان کے چہروں سے راحت کی

تازگی معلوم کر لوگے - ان کو سربمہر خالص شراب پلائی جائے گی - جس کی مُہر مشک کی ہوگی - اس کی طرف البتہ شائقین کو رغبت کرنی چاہیئے - اس شراب میں تسنیم کے پانی کی آمیزش ہوگی - وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے مقربین پئیں گے - بیشک جو گنہگار مومنوں سے مذاق کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے گذرتے تھے تو چشمک کیا کرتے تھے -

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ - بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ دیدارِ الٰہی کا انتظار کر رہے ہوں گے یعنی کب خدا تخت پر آکر بیٹھے اور کب ہم کو اس کا دیدار نصیب ہو - اس عقیدہ میں کتنا وزن ہے ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے - اگر وہ صاحبِ جسم ہوتا تو کبھی تو اس دُنیا میں اپنا رُخِ انور دکھاتا ہی - تاکہ بے شمار عینی گواہ تو اس کو مل جاتے - جو لوگ اس بنا پر خدا کو نہ مانتے تھے کہ ان دیکھی چیز پر کیسے ایمان لے آئیں، ان کے مقابل تو خدا کی حجّت تمام ہو جاتی کہ ہم تو ایک بار تمہارے پاس آچکے ہیں تمہیں اپنا چاند سا مکھڑا دکھا چکے ہیں پھر انکار کیسا؟ مُہر لگی ہوئی شراب کا یہ مطلب ہے کہ کسی نے اُس میں سے کچھ پیا ہی نہ ہوگا - ہر ایک کے حصّہ کی علیٰحدہ علیٰحدہ ہوگی - تسنیم ایک بہشت کا چشمہ ہے جس کا پانی خوشبودار ہے خدا کے خاص مقرب بندوں کو اس کا پانی پلایا جائے گا - جو گنہگار اہلِ ایمان پر ہنسا کرتے تھے اور جب ان کی طرف سے گذرتے تھے تو دل لگی کے طور پر آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے ان کو وہاں سے کچھ بھی نہ ملے گا -

---

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور جب یہ کفّار اپنے گھر والوں کے پاس آتے تھے تو اتراتے ہوئے اور جب مومنین کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ تو گمراہ لوگ ہیں حالانکہ یہ لوگ اُن پر کچھ نگران بنا کر تو بھیجے نہیں گئے تھے تو آج (قیامت کے دن) ایماندار لوگ کافروں سے ہنسی کریں گے اور تختوں پر بیٹھے نظارے کریں گے ثواب کافروں کو ان کے کیے کا

پُورا پُورا بدلہ مل گیا -

﴿۸۴﴾ سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ﴿۸۳﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾

جب آسمان پھٹ پڑے گا اور اپنے رب کا حکم بجا لائے گا اور اس کے لیے واجب بھی یہی ہے اور جب زمین تان دی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے نکال پھینکے گی اور خالی ہو جائے گی اور اپنے ربّ کا حکم بجا لائے گی اور اس کے لیے سزاوار بھی یہی ہے - اے انسان تُو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف جا رہا ہے اور تُو اُس سے ملنے والا ہے -

قیامت میں زمین کو ہموار کر کے بچھایا جائے گا - پستی بلندی ختم کر دی جائے گی - زمین کے اندر جو کچھ خزانہ چھپا ہوا ہے وہ اسے نکال پھینکے گی - خالی رہ جائے گی - اس کی مجال نہ ہوگی کہ اپنے رب کے حکم کے آگے دم مارے - انسان روز بروز قیامت کے دن کی طرف بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے - آخر ایک وقت ایسا آنا ہے کہ وہ خدا کے سامنے حاضر ہو جائے گا -

---

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا

يَسِيرًا ﴿٨﴾ وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿٩﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ﴿١١﴾ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴿١٢﴾ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾ إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ﴿١٤﴾ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾

جس کا نامۂ اعمال اُس کے داہنے ہاتھ میں ہوگا اُس کا حساب بہت جلد ہوجائے گا اور وہ اپنے اہل وعیال کی طرف خوش خوش لوٹے گا اور جس کا نامۂ اعمال اُس کی پُشت کے پیچھے ہوگا تو وہ موت کو پکارے گا اور جہنّم میں جھونک دیا جائے گا (دُنیا میں) وہ اپنے اہل وعیال میں خوش تھا اور سمجھتا تھا کہ اُسے پلٹنا نہیں ہے (پلٹنا کیسے نہ ہوتا)۔ اس کا رب اس کے ہر عمل کو دیکھنے والا تھا۔

جو اعمال نامہ ہر شخص کا کراماً کاتبین لکھتے رہے ہوں گے وہ تحریر نیکوں کے تو داہنے ہاتھ میں دی جائے گی اور بدکاروں کے بائیں ہاتھ میں۔ وہ شرم سے اپنا ہاتھ پشت کی طرف کرلے گا۔ ایسا شخص بار بار موت کو پکارے گا تاکہ آنے والی مصیبت سے اُسے نجات مل جائے۔ مگر نجات کیسی وہ تو بہت جلد جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ دُنیا میں یہ شخص اپنے بال بچّوں میں مگن رہتا تھا اور بھُولے سے بھی اُسے یہ خیال نہ آتا تھا کہ اسے پلٹ کر خدا کے پاس جانا ہے۔ لیکن وہ سزا سے بچ کیسے سکتا تھا جبکہ خدا اس کے ہر عمل کو دیکھ رہا تھا۔ اور کراماً کاتبین اس کے ہر چھوٹے بڑے عمل کو لکھتے جاتے تھے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ﴿١٩﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾ ع

مجھے شام کی سُرخی کی قسم اور رات کی اور ان چیزوں کی جنہیں وہ ڈھانپ لیتی ہے اور چاند کی جب وہ پُورا ہوجائے تم ضرور ایک مصیبت کے بعد دوسری میں پھنسوگے۔ پس انہیں کیا ہوگیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے۔ اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے بلکہ کافر لوگ تو جھٹلاتے ہیں اور جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے پس تم ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ مگر جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور انہوں نے نیک کام کیے ہیں تو ان کے لیے بے انتہا اجر وثواب ہے۔

ایک مصیبت کے بعد دوسری مصیبت آنے سے مراد یہ ہے کہ مرنے کے بعد تمہیں بڑی سخت منزلوں سے گزرنا ہے۔ قبر کے سوال وجواب۔ برزخ میں قیامت تک رہنا پھر قبروں سے اٹھایا جانا۔ میدانِ حشر میں آنا۔ پُل صراط سے گزرنا۔ حساب کتاب ہونا۔

(۸۵) سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ (۲۷)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ﴿١﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ﴿٢﴾ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ﴿٣﴾ قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ﴿٤﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ﴿٥﴾ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ﴿٦﴾ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ﴿٧﴾ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿٨﴾ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝۱۰ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝۱۱

برجوں والے آسمان کی قسم اور اُس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور گواہ کی اور جس کی گواہی دی جائے گی اور اُس کی (کہ کفارِ مکّہ ہلاک ہوئے) جس طرح خندق والے ہلاک کر دیئے گئے جو خندقیں آگ کی تھیں جن میں انہوں نے (مسلمانوں کے لیے) ایندھن جھونک رکھا تھا جب وہ خندقوں پر بیٹھے ہوتے تھے اور جو سلوک ایمانداروں کے ساتھ کرتے تھے اس کو سامنے دیکھ رہے تھے اور ان کو مومنین کی یہی بات بُری معلوم ہوئی کہ وہ لوگ خدا پر ایمان لائے تھے جو زبردست و سزاوارِ حمد ہے وہ خدا جس کی سارے آسمان و زمین میں بادشاہت ہے اور وہ خدا جو ہر چیز سے واقف ہے بیشک جن لوگوں نے ایماندار مردوں اور عورتوں کو تکلیفیں دیں پھر توبہ نہ کی ان کے لیے جہنّم کا عذاب تو ہے ہی اس کے علاوہ جلنے کا بھی عذاب ہوگا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے لیے ایسے جنّت کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ تو بڑی کامیابی ہے۔

شاہد و مشہود کے بارے میں مفسّرین کے مختلف اقوال ہیں۔ امام حسن علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ شاہد سے مراد حضرت رسولِ خدا ہیں اور مشہود سے مراد روزِ قیامت ہے۔

اصحابِ اخدود کا قصّہ یہ ہے کہ خدا نے ایک حبشی کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس کی ہدایت سے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے۔ اس زمانہ کا بادشاہ بت پرست تھا اس کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ اس نے پیغمبر سے کہا، یا تو تم اور تمہارے ساتھی ہمارا دین قبول کرلیں ورنہ میں تم سب کو جلا دوں گا۔ انہوں نے کہا ہمیں جلنا منظور ہے مگر بت پرست ہونا منظور نہیں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک لمبی چوڑی خندق کھدوائی اور اس میں لکڑیاں ڈال کر آگ لگا دی۔ جب آگ خوب بھڑکنے لگی اور انگارے بن گئی تو اُس نے اعلان کرایا جو ہمارے دین میں نہیں آنا چاہتا وہ اس آگ میں کود جائے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا چنانچہ مسلمان اس میں کودنے لگے۔ ایک عورت کی گود میں تین ماہ کا بچّہ تھا۔ اُسے اس بچّہ کی وجہ سے تامّل ہوا۔ بچّہ بقدرتِ خدا گویا ہوا کہ اے ماں بے دھڑک اس میں کود جا کچھ نہ ہوگا چنانچہ وہ کود پڑی۔ اس وقت ایک آندھی چلی جس نے وہ سب آگ اُڑا کر بادشاہ اور اس کے لشکر پر ڈال دی۔ جس سے وہ سب جل گئے۔

کافروں کو صرف اس لیے عداوت تھی کہ وہ اللہ پر کیوں ایمان لائے ہیں۔ جن لوگوں نے مومنین و مومنات کو مصیبت میں ڈالا ان کے لیے عذابِ جہنّم کے علاوہ ایک عذابِ حریق (جلا دینے والا) بھی ہے معلوم ہوتا ہے یہ عذاب جہنّم کے عذاب سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ چونکہ انہوں نے ایمان والوں کو جلایا تھا لہٰذا اس کی سزا آگ نے ہی جلائے گی۔

اس بچّہ نے جو اس زمانہ کے نبی کی صداقت کی گواہی دی اس نے لوگوں کو تعجب میں ڈالا اور بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت رسولِ خدا پر حضرت علیؑ کم سنی میں ایمان لائے تھے لہٰذا ان کا ایمان قابلِ قبول نہیں۔ میں کہتا ہوں قدرت نے ہمیشہ معصوم ہستیوں کی گواہی بچّوں سے ہی دلوائی ہے۔ حضرت مریمؑ کی گواہی آغوشِ مادر میں ہی حضرت عیسٰیؑ نے دی۔ حضرت یوسفؑ کی عصمت کی گواہی اس بچّہ نے دی جو خانۂ زلیخا میں گہوارہ کے اندر پڑا تھا۔ مباہلہ میں جب حضورؐ اپنی رسالت کی گواہی دلوانے چلے تو امام حسینؑ آپؐ کی گود میں تھے اور امام حسنؑ کی انگلی پکڑے یعنی آگے جو دو گواہ تھے وہ بچّے تھے۔ پس جب اتنے کم سن بچّوں کی گواہی معتبر ہو تو حضرت علیؑ تو دس بارہ برس کے تھے۔ صاحبِ عقلِ سلیم تھے اور نورٌ علیٰ نور تھے۔ کیا وجہ کہ ان کی گواہی معتبر نہ ہو۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝۱۲ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝۱۳ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝۱۴ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝۱۵ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝۱۶ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝۱۷ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝۱۸ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝۱۹ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ۝۲۰ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝۲۱ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝۲۲

بے شک تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ قیامت میں زندہ کرے گا اور وہی بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک۔ بڑا عالی شان ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کیا تمہارے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔ یعنی فرعون اور ثمود کے لشکروں کی۔ مگر کفّار تو جھٹلانے ہی کی فکر میں ہیں اور خدا ان کو پیچھے سے گھیرے ہوئے ہے (یہ تو) قرآن مجید لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے (جھٹلانے کے قابل نہیں)۔

ع ۱۰/۲۲

یہ لوگ خدا کی پکڑ کو ابھی سمجھے ہی نہیں۔ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ پھر انہیں زندہ کر کے اٹھائے گا۔ وہ عرش مجید جیسی عظیم الشان مخلوق کا خالق ہے۔ فرعون اور نمرود کے پاس کیسے بڑے بڑے لشکر تھے۔ کتنی بڑی سلطنتوں کے وہ مالک تھے لیکن کیا وہ خدا پر غالب آگئے تھے جو یہ کفارِ مکہ غالب آجائیں گے۔ یہ جھٹلانے والے تو جھٹلاتے رہے خدا تو ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ یہ بچ کر جائیں گے کہاں۔ یہ قرآن تو لوحِ محفوظ میں ثبت ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔

---

(۸۶) سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ (۳۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

ع

آسمان کی اور رات کو آنے والے کی قسم۔ تم کیا جانو کہ رات کو آنے والا کیا ہے۔ وہ چمکتا ہوا تارہ

ہے کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی نگہبان مقرر نہیں۔ انسان کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے اُچھلتے ہوئے پانی (منی) سے پیدا ہوا ہے جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے بیچ سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے اُس دن نہ اس کا زور چلے گا نہ کوئی مددگار ہوگا۔ چکر کھانے والے آسمان کی قسم اور پھٹنے والی زمین کی قسم بے شک یہ قرآن قولِ فیصل ہے اور لغو نہیں ہے۔ بے شک یہ کفار اپنی تدبیریں کر رہے ہیں۔ میں اپنی تدبیر کر رہا ہوں۔ تو کافروں کو مہلت دو بس ان کو تھوڑی سی مہلت دو۔

نجم ثاقب سے مراد صبح کا چمکدار ستارہ ہے جس کی روشنی سب ستاروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہر نفس پر ایک حافظ (نگہبان فرشتہ) رہتا ہے جو اس کو ضائع ہونے سے بچاتا رہتا ہے۔ انسان کو اس کی غفلت کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ ذرا سوچے تو وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس اُچھلنے والے مادہ سے جو انسان کی پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں سے نکلتا ہے۔ یعنی بدن کی رگ رگ سے کھنچ کر دماغ میں جاتا ہے وہاں سے اعضائے رئیسہ میں ہوتا ہوا پیٹھ کی ہڈی میں پہنچتا ہے پھر گردہ میں آتا ہے۔ پھر فوتوں میں آکر بجائے سُرخ خون کے سفید رنگ اختیار کرتا ہے پھر مخرج سے نکل جاتا ہے۔ قدرت کی ان صناعیوں کو کس کی طاقت ہے کہ سمجھ سکے۔ نظام بدن کا تو یہ ایک بدیہی جزو ہے اس کے علاوہ اور بھی ہزارہا قدرت کے اسرار جسمِ انسان میں ایسے پائے جاتے ہیں جن کا سمجھنا انسان کی عقل و فہم سے باہر ہے۔ قدرت کے یہ سب کرشمے نظامِ بدنِ انسان کو دُرست رکھتے ہیں۔

اگر انسان کی بے احتیاطی سے اس نظام میں ذرا سا خلل پڑ جاتا ہے تو انسان کی جان پر آبنتی ہے پس جو یہ نظام قائم رکھنے اور اس کو بگاڑنے پر قادر ہے وہ اس کو دوبارہ ایسا ہی جسم بنا دینے پر بھی قادر ہے اور ایسا قیامت میں ہوگا جہاں انسان کے تمام اعمال کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ وہاں نہ تو کسی انسان کا کچھ زور چلے گا نہ وہاں کوئی اس کا مددگار ہوگا۔

پھر آسمان و زمین کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ بے شک قرآن حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ لغو باتیں نہیں ہیں، اس کے اندر حکمت کے خزانے ہیں۔ یہ کفار اس کو جھوٹا ثابت کرنے کی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں، میں بھی ان کو ذلیل و خوار کرنے کی تدبیر کر رہا ہوں۔ اے رسولؐ، انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو پھر دیکھنا ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔

---

(۸۷) سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى (۱) الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى (۲) وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى (۳) وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى (۴) فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى (۵) سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (۶) اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى (۷) وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى (۸) فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (۹)

(اے رسول) اپنے عالی شان رب کے نام کی تسبیح کرو۔ جس نے ہر شے کو پیدا کیا اور درست کیا جس نے اس کا اندازہ مقرر کیا اور راہ بتائی۔ جس نے "حیوانات کے لیے" چارہ اُگایا پھر اُسے سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا۔ ہم تمہیں ایسا پڑھا دیں گے کہ پھر بھولو ہی نہیں۔ مگر جو خدا چاہے (منسوخ کر دے) بے شک وہ کھلی بات بھی جانتا ہے اور چھپی ہوئی بھی اور ہم تم کو آسان طریقہ کی توفیق دیں گے تو جہاں تک سمجھانا مفید ہو سمجھاتے رہو۔

اللہ کی تسبیح ان ہی ناموں سے کی جائے جو اس کے قرآن میں مذکور ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی نام نہ بنا لیا جائے۔ خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا اور جو چیز بھی بنائی ہے وہ اس کے حالات کے تحت اچھی ہی بنائی۔ اس کا اندازہ کسی مخلوق کے متعلق غلط نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چیز شروع سے آخر تک ایک ہی صورت و حالت میں باقی ہے۔ اس میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر چیز کو اس نے صحیح راستہ پر لگا دیا ہے جس میں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔ وہ اپنی مصلحت سے پہلے گھاس کو زمین سے نکالتا ہے تاکہ جانوروں کے لیے چارہ بنے پھر اس کو سکھا کر کوڑا کرکٹ بنا دیتا ہے تاکہ وہ کھاد کے کام آئے۔ اے رسولؐ ہم تم کو قرآن اس طرح پڑھائیں گے کہ تم اُسے بھولو گے ہی نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم قرآن کے کسی لفظ کی جگہ بھول کر کوئی دوسرا لفظ پڑھ دو۔ اس کی

پوری حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔ جن لوگوں کے یہاں یہ روایت ہے کہ حضورؐ ایک بار نماز میں ایک آیت بھول گئے تھے وہ خلاف عقل ہے۔ جو رسول ایک آیت بھول سکتا ہے وہ کئی آیتیں بھی بھول سکتا ہے۔ ایسے رسول کی طرف سے امت تک صحیح قرآن پہنچانے کا اعتماد کیسے ہو سکتا ہے۔ خدا فرماتا ہے ہم اس طرح پڑھائیں گے کہ تم بھولو ہی نہیں۔ اور بخاری کی روایت کہتی ہے بھول گئے تھے۔ ایسی ہی اور روایتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ جیسے بعض مؤرخین اسلام نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ایک بار نماز میں حضورؐ نے باغوائے شیطان اتنا اور پڑھ دیا تھا (نعوذ باللہ) ایسا خیال بھی کرنا عصمت رسول کے خلاف ہے بس جو رسول گھٹا بھی سکتا ہے بڑھا بھی سکتا ہے۔ اس کی تبلیغ پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر رسول ایک لفظ بھی بڑھا کر ہماری طرف منسوب کر دے تو ہم اس کی گردن کاٹ دیں گے (المعاذ)۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ اتنے الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دے۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (۱۰) وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى (۱۱) الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى (۱۲) ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (۱۳) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (۱۴) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (۱۵) بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (۱۶) وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (۱۷) اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى (۱۸) صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى (۱۹)

ع ۱/۹ ۱۲

(جو تم سمجھاتے ہو) جو خدا سے ڈرتا ہے وہ تو فوراً ہی سمجھ جاتا ہے اور جو بدبخت ہے وہ پہلو تہی کرے گا۔ وہ (روز قیامت) بڑی تیز آگ میں داخل ہو گا پھر وہاں نہ مرے ہی گا نہ جئے ہی گا۔ جو شرک سے پاک ہوا وہ دلی مراد کو پہنچا۔ اپنے پروردگار کے نام ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا مگر تم لوگ تو دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور دیرپا ہے۔ بے شک یہی بات ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی ہے۔

دوزخ کی زندگی ایک عجیب زندگی ہوگی نہ تو دوزخی کو موت ہی آئے گی نہ اس کا شمار زندوں ہی میں ہوگا۔ وہ ہمیشہ جلتا بھنتا ہی رہے گا۔ ایسا نہ ہوگا کہ مر کر اس کی جان عذاب سے چھوٹ جائے۔ دوزخ کی

آگ سے زیادہ تیز آنچ والی آگ ہوگی ہی نہیں۔ اس سے وہ لوگ نجات پا سکتے ہیں جنہوں نے اپنا دل کفر کی حالت سے پاک کیا ہوگا۔ کلمہ شہادتین بصدقِ دل زبان پر جاری کیا ہوگا۔ پانچوں وقت نماز پڑھی ہوگی اور نیک اعمال بجا لایا ہوگا۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ کل انبیاءؑ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ ان میں تین ہزار تیرہ رسولؑ صاحبِ کتاب ہیں۔ چار ہزار صحیفے خدا نے نازل کیے۔ بعض رسولوں کو کئی کئی صحیفے عطا ہوئے۔ عرب میں چار پیغمبر ہوئے ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ اور ہمارے پیغمبرؐ۔ (منقول از حاشیہ مترجمہ مولانا فرمان علی صاحبؒ)

---

(۸۸) سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۶۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۝۸ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝۹ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۱۰ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝۱۱

کیا تم کو ڈھانپ لینے والی مصیبت کا حال معلوم ہے اس دن بہت سے چہرے ذلیل و رُسوا ہوں گے (طوق و زنجیر کی مشقت میں) تھکے ماندے دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ انہیں ایک کھولتے چشمہ کا پانی پلایا جائے گا۔ خاردار جھاڑی کے سوا ان کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا جو نہ موٹائی پیدا کرے گا نہ بھوک کو روکے گا۔ بہت سے چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنی کوشش کے نتیجہ پر خوش ایک عالی شان باغ میں ہوں گے، جہاں کوئی لغوبات سُنیں گے ہی نہیں۔

ضریع۔ اُس خاردار درخت کو کہتے ہیں جس میں کانٹے ہی کانٹے ہوتے ہیں اور مزہ میں ایلوے سے زیادہ سخت تلخ ہوتا ہے اور جب خشک ہو جاتا ہے تو ایسا زہرِ قاتل بن جاتا ہے کہ جانور اس کے پاس نہیں پھٹکتے۔ ہماری زبان میں اس کو ناگ پھن تھوہڑ کہتے ہیں۔ دوزخی کو جب بھوک لگے گی تو پھر مجبوراً اس کو کھائے گا لیکن فائدہ کچھ نہ ہوگا کیونکہ کتنا ہی کھائے گا اس کی بھوک کم ہی نہ ہوگی۔ یہ تو کھانا ہوگا اور اس پہ کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا۔ الامان الحفیظ

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝۱۲ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝۱۳ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝۱۴ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝۱۵ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝۱۶ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝۱۷ وَاِلَى السَّمَاۗءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝۱۸ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝۱۹ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝۲۰ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝۲۱ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝۲۲ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝۲۳ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝۲۴ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝۲۵ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝۲۶

اس میں چشمے جاری ہوں گے اُونچے اُونچے تخت رکھے ہوں گے ان کے کناروں پر گلاس رکھے ہوں گے گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوئے نفیس مسندیں بچھی ہوئی ہوں گی تو کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف غور نہیں کیا کرتے، کیا عجیب پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو نہیں دیکھتے کیسا بلند بنایا گیا ہے اور پہاڑ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں اور زمین کس طرح بچھائی گئی ہے پس نصیحت کرتے رہو تم تو بس نصیحت کرنے والے ہو تم ان پر داروغہ تو ہو نہیں۔ ہاں جس نے منہ پھیر لیا اور نہ مانا تو خدا اسے بہت بڑے عذاب کی سزا دے گا۔ بے شک ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے

ع ۱۲ النصف

پھر ان کا حساب ہمارے ذمّہ ہے۔

جو لوگ قیامت کے منکر ہیں ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی جو بیشمار چیزیں ان کی نظر کے سامنے ہیں۔ آخر ان کو کس نے بنایا ہے۔ وہ اونٹ جس پر ان کی زندگی کا بڑا دار و مدار ہے جس کے ذریعہ سے تپتے ہوئے ریگستانوں کو طے کرتے ہیں بڑے بڑے بھاری بوجھ اس کی کمر پر لاد کر لے جاتے ہیں۔ اس کا دُودھ دوہتے ہیں اور طرح طرح کے کام لیتے ہیں۔ آخر ایسا مفید جانور ان کے لیے کس نے بنایا ہے آسمان ان کے سروں پر کس نے بلند کیا ہے۔ یہ سربفلک پہاڑ کس نے بنائے ہیں۔ یہ ان کے پیروں تلے زمین کس نے بچھائی ہے بس جس خدا نے یہ سب کام کیے ہیں کیا وہ قیامت میں مُردوں کو زندہ کر کے کھڑا نہیں کر سکتا۔ کیا جس نے یہ کارخانہ بنایا ہے وہ اسے بگاڑ نہیں سکتا۔

---

(۸۹) سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿۵﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۸﴾

صبح کی قسم اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات جب آنے لگے۔ عقلمند کے لیے تو یہ بہت بڑی قسم ہے (کہ کفّار پر ضرور عذاب ہو گا۔) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے کیا کیا اونچے ستونوں والے عادِ ارم کی قوم کے ساتھ، جن کے برابر کوئی قوم دُنیا کے کسی شہر میں پیدا نہیں کی گئی تھی۔

مفسّرین نے صبح اور دس راتوں اور شفع و وتر میں بڑا اختلاف کیا ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے جلد ۸ میں لکھا ہے: والفجر سے مراد محرم کی صبح ہے اور دس راتوں سے مراد یکم محرم سے دس محرم ہے اور اس میں ان ایام کی بزرگی پر تنبیہ ہے اور اس میں یومِ عاشورہ بھی ہے۔ تفسیر غیر منقوط سواطع الالہام میں ہے کہ مراد محرم کی فجر اور یومِ عاشورہ ہے۔ تفسیر لوامع التنزیل میں بھی یہی ہے۔ اس کے علاوہ جو تاویلیں کی گئی ہیں وہ قابلِ قبول نہیں۔ شفع و وتر سے مراد شبِ عاشور کی نمازِ شب ہے جو کربلا میں امام حسین علیہ السّلام اور ان کے ساتھیوں نے تمام رات جاگ کر عبادتِ خدا میں بسر کی اور اس میں نمازِ تہجّد ادا کی۔ ایسے نازک وقت میں جبکہ دشمن کے چڑھ آنے کا ہر وقت خوف ہو دل جمعی کے ساتھ نمازیں پڑھنا اور بالخصوص نصف شب کے بعد نمازِ تہجّد ادا کرنا ضرور اس قابل ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے۔

عاد ایک شخص اولادِ نوحؑ میں سے تھا۔ اس قوم کی طرف حضرت ہودؑ کو بھیجا گیا تھا۔ یہ اس شاخ سے تعلق رکھتی تھی جو ارم بن سام بن نوحؑ سے چلی تھی۔ یہ عادِ اولیٰ کہلاتے تھے یہ قوم بڑی طاقتور تھی۔ فنِ تعمیر میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔ پہاڑوں میں انہوں نے پتھر کاٹ کر اُونچے اُونچے ستونوں پر عالی شان مکانات بنائے تھے۔ اس لیے ان کو ذات العماد یعنی ستونوں والا کہا گیا ہے۔ یہ عاد حضرت نوحؑ کی پانچویں پشت میں تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ شدّاد و شدید۔ شدید کے مرنے کے بعد شداد تمام ملکوں کا بادشاہ بن گیا۔ مولانا فرمان علی صاحب نے حسبِ ذیل حاشیہ لکھا ہے:۔

"شدّاد کے ماتحت چار سو بادشاہ اور خراج گزار تھے۔ آخر اُس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اُس وقت کے پیغمبر جب اُس کی ہدایت کو آئے اور اُس سے ایمان لانے کو کہا تو اُس نے کہا، ایمان لانے سے فائدہ کیا ہو گا۔ پیغمبر نے کہا، خدا تجھے بہشت دے گا۔ اُس نے پُوچھا، بہشت کیا ہے۔ اُنہوں نے بہشت کی تعریف بیان کی۔ اُس نے کہا، ایسا تو میں خود بنا سکتا ہوں۔ غرض اُس نے ایک معتدل آب و ہوا کی زمین تجویز کر کے بہشت بنوانا شروع کیا۔ ایک لاکھ مزدور اس میں کام کرتے اور تمام بادشاہانِ دُنیا کے پاس جو کچھ جواہرات، سونا اور چاندی تھی اُس نے وہ سب منگوا بھیجا اور سو برس میں وہ باغ تیار ہوا تو اُس کا نام اپنے دادا کے نام پر ارم رکھا۔ اس باغ کی دیوار کی اینٹیں سونے اور چاندی کی تھیں۔ اس کے مکانوں میں موتی۔ یاقوت اور ہیرے تھے اس کی زمین مشک و عنبر کی تھی۔ اس میں ایک ہزار محل تھے۔ گرداگرد ہزار بالاخانے اور ہزار ایوان تھے۔ ہر مکان کے سامنے ایک درخت تھا جس کی ڈالیں سونے کی اور پتّے زبرجد کے اور خوشے موتیوں کے تھے۔ جب یہ باغ ہر طرح تیار ہو گیا تو شدّاد مع جذبہ و حشم اس کو دیکھنے چلا۔ جب دروازہ کے قریب پہنچا تو ایک چیخ کی آواز سنی اور ایک خوفناک صورت اسے نظر آئی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا ملک الموت ہیں اور اس کی روح قبض کرنے آئے ہیں۔ اُس نے کہا، اتنی مہلت دو کہ باغ کو دیکھ لوں۔ ملک الموت نے کہا، اجازت نہیں۔ غرض ایک پاؤں چوکھٹ کے اندر تھا ایک باہر کہ اس کی روح قبض ہو گئی۔ باغ اسی وقت لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں عبد اللہ بن قلابہ اپنا اونٹ تلاش کرتا اس باغ میں پہنچ گیا۔ چنانچہ واپس آکر جو کیفیت

اس نے بیان کی اس کی تصدیق کعب الاحبار نے کی۔" (حاشیہ ختم)

اس روایت میں جو ٹھاٹ اس باغ کے دکھائے گئے ہیں اس سے عقل کو حیرانی ہوتی ہے۔ چاندی سونا کیا ہوگیا کہ مٹی کے ڈھیر تھے کہ لگائے چلے گئے۔ جواہرات سنگریزے جنہیں بے تحاشا بکھیر دیا گیا۔ موتی کیا تھے شیشہ کے بگولے تھے کہ ہر طرف جڑ دیئے گئے۔ خوشے بنا کر لٹکا دیئے گئے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اتنا سونا چاندی جواہرات اور موتی کبھی دُنیا میں مل سکے ہوں گے جس سے دس ہزار گز زمین پر تین ہزار ایوان تعمیر ہوئے ہوں۔ لیکن سب سے زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ اتنی لمبی چوڑی سرزمین پر مشک و عنبر ریت کی طرح بکھیر دیا گیا اور بجائے مٹی کے مشک و عنبر کی زمین بنا دی گئی۔ یہ روایت کیا ہے طلسم ہوشربا کی ایک داستان ہے۔

چھوڑیئے ان باتوں کو، دُنیا میں سب کچھ ممکن ہے مزہ کی بات تو یہ ہے کہ امیر معاویہ کی سلطنت کے زمانہ میں ایک شخص کو اس بہشت کا پتہ چل گیا اور کعب الاحبار جیسے معتبر شخص نے اس کی تصدیق بھی کر دی تھی کہ ہاں یہی شدّاد کی بہشت ہے لیکن نہ تو عبداللہ بن قلابہ نے ہاتھ بڑھا کر کسی درخت کی شاخ توڑی نہ مٹھی بھر مشک اُٹھایا نہ موتیوں کے کسی گچھے پر ہاتھ مارا۔ نہ جناب کعب الاحبار صاحب نے اپنی حرص و آز کے دروازہ کو کھولا۔ اگر یہ دونوں صاحب زاہد خشک مالِ دُنیا سے بے نیاز تھے تو امیر معاویہ کو اطلاع دے کر یہ خزانہ کیوں نہ برآمد کرا لیا۔ انہیں تو اس خبر کی ہوا بھی لگ جاتی تو ملک عرب کے ہر گوشے کو کھدوا پورا بہشت برآمد کر لیتے اور ایسے عظیم الشان سرمایہ کے مالک بن جاتے کہ اس کی بدولت ساری دُنیا پر چھا جاتے۔ قرآنِ مجید جیسی مقدس کتاب پر ایسی روایتیں اگر نہ لکھی جاتیں تو بہتر ہوتا۔

اس ارم کے متعلق بعض لوگوں نے یہ لکھ مارا ہے کہ خدا نے اُسے اُوپر کو اُٹھا کر آٹھواں بہشت قرار دے لیا اور اس کا نام ارم رکھ لیا۔ کیونکہ ایسا عظیم الشان بہشت جو سونے چاندی اور جواہرات و مشک و عنبر کی کان ہو خدا کے بنائے کہاں بن سکتا تھا لہٰذا جلدی سے اُٹھا لیا کہ اس کا رنگ میلا نہ ہو جائے۔ "عقل چہ است کہ پیشِ مرداں بیاید"۔

مزہ کی بات یہ ہے کہ قرآن میں اس بہشت کا کوئی ذکر نہیں۔ ارم تو عاد کے دادا کا نام ہے نہ کہ بہشت کا۔ اس کے نام کو ارم کا بہشت قرار دے لیا گیا۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ کوئی قوم اس کی مثل پیدا کی گئی۔ وہ اس قوم کی تعریف ہے نہ کہ ارم بہشت کی۔ جب قرآن میں اس کا تذکرہ نہیں تو پھر اس روایت کو خواہ مخواہ کیوں درج کیا گیا۔

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ

عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

اور خدا نے قومِ ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادی میں پتّھر کاٹ کر گھر بناتے تھے اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو سزائیں ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھکواتا تھا۔ انہوں نے شہروں میں سرکشی کی تھی۔ اور ان میں بکثرت فساد برپا کیے تھے۔ پس تمہارے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا لگا دیا بیشک تمہارا رب ایسے لوگوں کی گھات میں ہے۔ انسان کی حالت یہ ہے کہ جب خدا اس کو (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کو عزّت اور نعمت دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے خدا نے مجھے عزّت دی اور جب اس کی آزمائش اس طرح ہوتی ہے کہ اس کی روزی کم کر دی جاتی ہے تو کہتا ہے خدا نے مجھے ذلیل کیا۔ ہرگز ایسا نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ تم لوگ نہ تو یتیم کی خاطر داری کرتے ہو اور نہ محتاج کو کھانا دینے کی طرف رغبت دلاتے ہو اور میراث کے مال کو (حرام و حلال) سمیٹ کر چکھ جاتے ہو اور مال سے بہت زیادہ محبّت رکھتے ہو۔

قومِ ثمود جس کی ہدایت کو جناب صالح بھیجے گئے تھے، فنِ سنگ تراشی میں کمال رکھتی تھی اور اس کے ساتھ سرکش بھی تھی۔ انہوں نے پہاڑوں کو کاٹ کر ان میں عالیشان مکان بناتے تھے اور پتھروں پر تصاویر کندہ کی تھیں۔ جابجا انہوں نے فساد برپا کر رکھے تھے۔ بستیوں میں لوٹ مار کرتے تھے ظلم و ستم پر کمر باندھے ہوتے تھے آخر خدائی عذاب نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے بعد انسان کی

حالت بیان ہوتی ہے۔ جب خدا اُسے رزق دیتا ہے عزّت دیتا ہے تو کہتا پھرتا ہے مجھے اللہ نے بڑی عزت دی ہے۔ لیکن جب مفلس ہوجاتا ہے تو کہتا ہے اللہ نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ اللہ نے یوں ہی ذلیل نہیں کیا بلکہ یہ اس کی سزا دی ہے کہ وہ خدا کے غریب بندوں پر رحم نہیں کھاتا تھا۔ حرام میراث کھاتا تھا۔ مال کی اسے بے حد محبّت تھی۔ حقوق اللہ اور حقوق النّاس کو بھولا ہوا تھا۔ وہ عزّت مال اور اقتدار کو سمجھتا تھا۔ اور زبردستی میراث پر قابض ہوکر جو حقدار تھے اُن کو اُن کے جائز حق سے محروم کردیتا تھا۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿۳۰﴾

ع ۱۴

(سُن رکھو) جب (روز قیامت) زمین ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی اور تمہارے رب کا حکم اور ملائکہ صفیں باندھ کر آجائیں گے اور اس دن جہنّم کو سامنے کردیا جائے گا۔ تب انسان چونکے گا۔ لیکن اس چونکنے سے کیا فائدہ ہوگا (چونکنے کا وقت تو گزر گیا) وہ اُس روز کہے گا کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لیے پہلے کچھ بھیج دیا ہوتا۔ اس دن خدا ایسا عذاب دے گا جو کسی نے نہ دیا ہوگا اور ایسا جکڑ کر باندھے گا کہ کسی نے نہ باندھا ہوگا۔ (ہاں جو صاحبِ ایمان ہوں گے) اُن سے کہے گا اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف اس حالت میں لوٹ آکہ تُو خدا سے راضی ہے اور خدا تجھ سے راضی ہے۔ میرے (خاص) بندوں میں داخل ہوجا

اور میری جنّت میں داخل ہوجا۔

وَجَآءَ رَبُّكَ کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ "خدا آئے گا"۔ لیکن خدا ہماری طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے والا نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی عظمت وجلال کے آثار ظاہر ہوں گے۔
یعنی قیامت کے دن انسان کو یاد آئے گا کہ میں نے رسولؐ کی ہدایت کو قبول نہ کرکے کس طرح اپنا ستیاناس مارا ہے۔ جس چیز سے میں بے خبر رہا تھا آج اس کا عذاب میرے سر پر ہے مگر اب یاد آنے اور افسوس کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔
نفسِ مطمئنہ وہ نفس ہے جو خدا اور رسولؐ پر صدقِ دل سے ایمان لایا ہو اور پوری پابندی سے بڑے شوق سے احکامِ الٰہی بجا لایا ہو۔ بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہؓ کے بارہ میں ہے۔

﴿۹۰﴾ سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ﴿۳۵﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْ كَبَدٍ ﴿۴﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِىْ يَوْمٍ ذِىْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾ ع

ع ۱ ۲۰ ۱۵

میں اس شہر (مکّہ) کی قسم کھاتا ہوں اور تم اسی شہر میں تو رہتے ہو اور ایک باپ اور اُس کی اولاد کی قسم کہ ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے والا پیدا کیا ہے۔ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی اس پر قابو نہ پاسکے گا وہ کہتا ہے کہ میں نے الغاروں مال اُڑا دیا۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اُسے کسی نے دیکھا ہی نہیں کیا ہم نے اُسے دونوں آنکھیں اور زبان اور دونوں لب نہیں دیئے اور اُس کو اچھّی بُری دونوں راہیں بھی دکھا دیں پھر وہ گھاٹی پر سے ہو کر کیوں نہیں گزرا۔ کیا تم کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے کسی کی گردن کا (قرض سے) چھڑانا یا بھوک کے دن رشتہ دار یتیم یا خاکسار محتاج کو کھانا کھلانا پھر ان لوگوں میں شامل ہو جاتا جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت اور ترس کھانے کی وصیت کرتے رہے۔ یہی لوگ خوش نصیب ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ہے وہ لوگ بدبخت ہیں اُن کو آگ میں ڈال کر پھر آگ ہر طرف سے بند کر دی جائے گی۔

حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ کے معنی میں مفسّرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تم حلال تھے یعنی حرمِ خدا میں تمہارا خون بہانا لوگ حلال جانتے تھے۔ بعض نے کہا اس کے معنی ہیں تم اس شہر میں رہتے تھے۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے تم اس شہر میں چلتے پھرتے تھے۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس سے مُراد حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی اولاد ہے جس نے اسے بسایا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد آدمؑ و ان کی اولاد ہے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں آدمؑ اور اُن کی اولاد کے ذکر کو کیا مناسبت۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی اولاد کا ذکر یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ کہا تو یہ جا رہا ہے کہ اے رسولؐ اُس شہر کی قسم جس میں تم چل پھر رہے ہو۔ حالانکہ تمہارے بیشمار دشمن اور خون کے پیاسے ہیں لہٰذا اس کا ذکر ہونا چاہیئے جس نے تمہاری حفاظت کی ورنہ تم قتل کر دیئے جاتے اور وُہ حضرت ابوطالبؑ کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا جنہوں نے ابتداءً

حضرتؐ کو مہلکوں سے بچایا۔ دُوسرا ان کا بیٹا ہے جس نے آگے چل کر ان کو ہر خطرہ سے بچایا۔ پہلے ابوطالبؑ کی حفاظت میں مکّہ کے اندر چلے پھرے۔ پھر فتح مکّہ کے بعد علیؑ کے ساتھ چلے پھرے۔ (ہم نے یہ مضمون کتاب ابن مؤلفہ علامہ احمد بردی سے لیا ہے۔)

اس کے بعد یہ ذکر کہ انسان کو مشقت میں رہنے والا پیدا کیا ہے۔ یہ دُنیا چونکہ دارالمحن ہے لہٰذا ہر انسان یہاں کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا نظر آتا ہے خواہ وہ محنت کسبِ معاش میں ہو یا تربیتِ اولاد میں ہو یا ہجومِ امراض میں ہو۔ ہر دل میں بادشاہ سے لے کر فقیر تک کوئی نہ کوئی کانٹا کھٹکتا ہُوا ضرور ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ؎ ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایسا طاقتور ہے کہ کسی کو اس پر قابو نہیں۔ بڑے فخر سے کہتا ہے اپنی دولت کا اظہار کرنے کے لیے، میں نے لاکھوں روپیہ تقریبات میں اُڑایا ہے مجھ سے بڑا مالدار کون ہے۔ لیکن اسے اس کا پتہ نہیں کہ جس طرح یہ مال اُڑایا ہے خدا کو ایک ایک پائی خرچ کرنے کی خبر ہے۔ کیا اس کے منہ پر آنکھیں نہیں تھیں کہ مُسرفوں کا انجام دیکھتا۔ کیا زبان نہ تھی، ہونٹ نہ تھے کہ حق بات کا اظہار کرتا۔ ہم نے اسے اچھا بُرا راستہ دکھا دیا تھا پھر اس نے غلط راستہ کیوں اختیار کیا۔ اس نے الغاروں مال اڑایا مگر بھُوکے یتیموں اور محتاجوں کی خبر نہ لی، ان کے لیے کوڑی صرف نہ کی۔ عیّاشی میں روپیہ لٹاتا رہا۔ پس قیامت میں اسے پتہ چل جائے گا کہ اس کی غلط کاری اور غلط فہمی کی سزا کیا ہے۔

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ﴿٩١﴾ ﴿٢٦﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿١﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿٢﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿٣﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿٤﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿٥﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿٦﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴿٧﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴿٨﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴿٩﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴿١٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَآ ﴿١١﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ

اَشۡقٰهَا ⑫ فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا ⑬ فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا ۙ فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰىهَا ⑭ وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا ⑮

قسم ہے سُورج کی اور اُس کی دُھوپ کی اور چاند کی جو اُس کے پیچھے نکلے اور دِن کی جب اسے چمکا دے اور رات کی جب اُسے ڈھانک لے اور آسمان اور زمین کی جس نے اُسے بچھایا اُسے بنایا اور نفس کی اور جس نے اُسے درست کیا اور اُس کی بدکاری اور پرہیزگاری کو اُسے سمجھا دیا جس نے نفس کو گناہوں سے پاک رکھا وُہ کامیاب ہوُا اور جس نے اُسے (گناہ کرکے) دبا دیا وُہ نامراد رہا۔ قوم ثمود نے اپنی سرکشی سے (صالح پیغمبر کو) جھٹلایا جب اُن میں کا ایک بڑا بدبخت اُٹھ کھڑا ہوُا تو خدا کے رسول نے اُس سے کہا کہ یہ خدا کی اونٹنی ہے اس کے پانی پینے سے تعرّض نہ کرنا مگر ان لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو خدا نے ان کے گناہ کے سبب سے ان پر عذاب نازل کیا پھر ہلاک کرکے برابر کر دیا اور ان کو اس کے بدلہ کا کوئی خوف تو ہے نہیں ۔

نفس کے توبہ سے یہ مراد ہے کہ اس کے جسم کو ایسے اعضا جوارح دیئے گئے جو زندگی کے کام دینے میں اس کی مدد کریں۔ اور الہامی طور پر نیکی وبدی کی طرف ہدایت کریں۔ ہر شخص کو بلکہ ہر جاندار کو اتنی عقل فطری دی گئی ہے کہ وہ اپنے نفع ونقصان کو پہچانتا ہے۔ بچّہ پیدا ہوتے ہی اپنی غذا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ماں کے پستان اس کے لیے سرمایہ حیات ہیں۔ لہٰذا وہ فوراً اس کو پکڑ کر دُودھ چُوسنے لگتا ہے۔ چند ہی روز میں وہ اپنے ماں باپ کو پہچاننے لگتا ہے۔ اجنبی کی گود میں جانے سے منہ پھیر لیتا ہے۔ کوئی زور کی آواز ہو تو اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے۔ یہ سب اس کی فطری عقل کے کرشمے ہیں۔

جس شخص نے اپنے نفس کو پاک بنا لیا یعنی بُری باتوں کی طرف راغب نہ ہوُا اس کو دُنیا میں بھی بھلائی حاصل ہوگی یعنی لوگوں کی نظروں میں وہ عزیز رہے گا اور آخرت میں بھی اس کو اپنے اعمالِ حسنہ کا اچھا بدلہ ملے گا اور جس نے اُسے بدکاریوں سے چھُپا لیا اُسے دونوں جہان میں نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ قوم ثمود نے سرکشی اختیار کی اور جو اونٹنی حضرت صالحؑ کی دُعا سے بطور معجزہ پہاڑ سے نکلی تھی اس کی قدر نہ کی اور اُسے ہلاک کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ عذابِ الٰہی نے ان کو آلیا۔ اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

تزکیۂ نفس کی منزلوں کو اور اس کے تعلیمی طریقوں کو ہم بھُول گئے ہیں۔ اب خانقاہوں کے دروازے ہم پر بند ہو چکے ہیں اور ان میں بیٹھ کر تعلیم دینے والے اولیاء و اتقیا ڈھونڈے نہیں ملتے۔ کیونکہ اس تعلیم کا حاصل کرنے والا اب کوئی نظر نہیں آتا۔ اب تو تمام دنیا میں اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم کا چرچا ہے۔ روٹی کمانے کا ذریعہ اب تو یہی تعلیم ہے۔ کوئی بھُولے سے بھی خانقاہی نصاب کا ایک سبق حاصل نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ نفس روز بروز کثیف ہوتے جا رہے ہیں۔

کتاب تزکیۂ نفس ۴۸ باب پر ختم ہوتی ہے جو فضائلِ چہارگانہ حکمت وعفت وعدالت وشجاعت کی شاخیں کہلاتی ہیں۔ جب انسان ان منزلوں کو کامیابی کے ساتھ طے کر لیتا ہے تو وہ روحانیت کی پہلی منزل یقین میں داخل ہوتا ہے۔ پھر اگلی منزل وجدانی ہے اور اس سے اگلی منزل جذب، اس سے اگلی منزل فنا ہے بس اس سے آگے ترقی کی کوئی منزل نہیں۔

جو ۴۸ منزلیں تزکیۂ نفس کے لیے ضروری ہیں، ان میں سب سے پہلے صبر ہے پھر شکر۔ پھر توکّل۔ قناعت پھر زہد۔ ورع۔ سرعتِ فہم وغیرہ ہیں۔ ان منزلوں کا حال اخلاق کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ دس منزلوں تک پہنچنے کے بعد نفسِ انسان میں اتنی روشنی اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر وہ درخت سے کہے کہ اُکھڑ آ تو وہ اُکھڑ آتا ہے۔ نفس وروح کی یہ ۵۲ منزلیں سوائے علی علیہ السلام اور کسی نے طے نہیں کیں۔ جب ہی تو رسولؐ نے علیؑ کو اپنے شہرِ علم کا دروازہ اور دارِ حکمت کا بیان فرمایا ہے۔ جن کا یقین اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ آگے یقین کا کوئی درجہ ہی نہ رہا تھا۔ جب ہی تو فرمایا کرتے تھے لَوۡ کُشِفَ الۡغِطَا لَمَا ازۡدَدۡتُ یَقِیۡنًا۔ (اگر پردے چاک ہو جائیں تو میرے یقین میں ایک شمّہ بھی زیادہ نہیں ہو سکتا۔ فنا کی صورت یہ تھی کہ بحالتِ نماز پیر میں سے تیر نکال لیا گیا اور خبر نہ ہوئی۔

ہم نے اپنی کتاب "اہلِ بیتؑ اور منازلِ روحانیت" میں ان سب منزلوں کا مفصل ذکر کر دیا ہے۔

---

⑨② سُوۡرَةُ الَّيۡلِ مَكِّيَّةٌ ⑨

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ① وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ② وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰٓى ③ اِنَّ سَعۡيَكُمۡ لَشَتّٰى ④ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى ⑤

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰی ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ﴿۱۰﴾ وَمَا يُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰی ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰی ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَی ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰی ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰی ﴿۲۱﴾

ع ۱ ۲۱ ۱۷

قسم ہے رات کی جب سُورج کو چُھپالے اور دن کی جب خُوب روشن ہو اور اُس ذات کی جس نے مرد و مادہ کو پیدا کیا۔ بے شک تمہاری کوششیں طرح طرح کی ہیں تو جس نے سخاوت کی اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات (اسلام) کی تصدیق کی تو ہم اُس کے لیے راحت و آسانی کے سامان مہیّا کردیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی کی اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اسے سختی (جہنّم) میں پہنچا دیں گے اور جب وہ ہلاک ہوگا تو اس کا مال کچھ بھی اُس کے کام نہ آئے گا۔ ہمیں راہ دکھانا ضرور ہے اور آخرت و دُنیا دونوں خاص ہماری چیزیں ہیں۔ ہم نے تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا، اُس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا بدبخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اُس سے بچا لیا جائے گا جو اپنا مال خدا کی راہ میں دیتا ہے تاکہ پاک ہوجائے اور کسی کا اُس پر کوئی احسان نہیں جس کا اُسے بدلہ دیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ تو اپنے عالی شان رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے اور عنقریب ہی خوش ہوجائے گا۔

اس کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک انصاری کے گھر میں خرمہ کا ایک درخت تھا جس کی کچھ ٹہنیاں ایک

ہمسایہ کے گھر میں جُھک پڑی تھیں جو عیالدار محتاج تھا۔ جب انصاری خرمے توڑنے جاتا اور ایک آدھ گر پڑتا تو ہمسایہ کے بچے اُسے اُٹھا لیتے وہ بدبخت اُن سے چھین لیتا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات بچوں کے منہ سے نکال لیتا۔ ہمسایہ نے اُس کی شکایت حضرت رسولِ خدا سے کی۔ آپؐ نے انصاری کو بُلا کر فرمایا اگر تُو اس درخت کو بہشت کے خرمے کے درخت کے بدلے بیچے تو میں لیتا ہوں۔ اُس نے انکار کیا۔ ایک صحابی نے یہ سُن کر حضرتؐ سے عرض کی اگر میں اس درخت کو خرید لوں تو مجھے بہشت کا درخت اس کے عوض مل سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ضرور۔ غرض ان صحابی نے چالیس درخت کی قیمت کے بدلے اس درخت کو خرید لیا۔ اور لوگوں کو گواہ کر لیا تب حضورؐ نے وہ درخت ہمسایہ کے حوالے فرمایا۔

اس آیت میں صفت مقابلہ اس خوبی سے لائی گئی ہے کہ اُس کی نظیر نہیں ملتی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی　وَاتَّقٰی　وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی　فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰی

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ　وَاسْتَغْنٰی　وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی　فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی

یعنی عطا کے مقابل بخل ہے۔ تقویٰ کے مقابل اُس سے بے پروائی ہے۔ نیکی کی تصدیق کے مقابلہ میں نیکی کا جُھٹلانا ہے۔ نیسرہٗ کے مقابل نیسرہٗ ہے یسریٰ کے مقابل عسریٰ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے اور احکامِ اسلام کی تصدیق کرتا ہے خدا اُسے بہت جلد مالدار بنا دیتا ہے اور جو کوئی بخل سے کام لیتا ہے اور احکامِ اسلام کی تصدیق نہیں کرتا۔ عسرت و تنگدستی اُسے بہت جلد گھیر لیتی ہے۔ جب موت کا وقت آلگتا ہے تو پھر اس کا مال کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا یوں ہی خالی ہاتھ دُنیا سے چلا جاتا ہے اور دوسرے اُس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ آخرت کی نعمتیں دُنیا کی نعمتوں سے ہزارہا درجہ بہتر ہیں۔ دوزخ کی آگ میں وہی بدبخت جلے گا جس نے آیاتِ خدا کو جھٹلایا ہوگا اور رسولؐ کی ہدایت سے منہ پھیر لیا ہوگا۔ جنّت کا مستحق تو وہی ہوگا جو کسی کے ساتھ ایسی حالت میں سلوک کرے کہ اس پر اُس شخص کا کوئی احسان نہ ہو جس کے ساتھ وہ نیکی کر رہا ہے۔ اصلی نیکی تو وہی ہے جو بدلہ کی اُمید میں نہ کی جائے۔

سُوْرَةُ الضُّحٰی مَكِّيَّةٌ ﴿۹۳﴾ ﴿۱۱﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالضُّحٰی ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰی ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ

فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

پھر دن چڑھے کی قسم اور رات کی جو چیزوں کو چھپالے تمہارا پروردگار نہ تو تم کو چھوڑ بیٹھا ہے اور نہ تم سے ناراض ہوا ہے اور اے رسول آخرت تمہارے لیے دُنیا سے کہیں بہتر ہے۔ تمہارا پروردگار عنقریب اس قدر عطا کرے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے کیا اُس نے تمہیں یتیم بنا کر (ابوطالب) کی پناہ نہ دی تھی۔ تمہیں احکام سے ناواقف پا کر منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔ تمہیں تنگدست دیکھ کر غنی کر دیا تو تم بھی یتیم پر ستم نہ کرنا اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا۔ اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ذکر کرتے رہنا۔

اس سورہ کی شانِ نزول مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ ایک بار چند روز کے لیے بمصلحت خداوندی وحی بند ہو گئی۔ اس پر کافروں اور منافقوں نے طعنہ زنی شروع کی کہ محمدؐ کا رب محمدؐ سے خفا ہو گیا۔ امِّ جمیل زوجہ ابولہب نے تو یہاں تک کہا کہ وہ تمہارا شیطان کہاں گیا۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں چھوڑ بھاگا۔ اب تم بھی اپنی پیغمبری سے باز آؤ۔ یہ باتیں سُن کر حضورؐ کو بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ اس پر خدا نے حضورؐ کی تسلّی کے لیے یہ سورہ نازل کیا۔ اور یہ بتایا کہ خدا نے نہ تو تم کو چھوڑا ہے اور نہ تم سے ناراض ہے۔ عنقریب تمہارا رب اِتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ چنانچہ یہ وعدہ اس طرح پُورا ہوا کہ تمام ملک عرب پر آپؐ کا قبضہ ہو گیا۔ اپنے رسولؐ کو دلاسہ دینے کے لیے فرمایا کہ تم یتیم تھے کوئی تمہارا پُوچھنے والا نہ تھا۔ ہم نے ابوطالب کی پناہ میں دے کر تمہاری کیسی حفاظت کی۔ تمہیں اپنے احکام سے ناواقف پا کر تمہیں منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔ یعنی قرآن نازل کر کے سب کچھ بتا دیا۔ تم تنگدست تھے خدیجہ سے تمہاری شادی کر کے تمہیں مال دار بنا دیا۔ پس کیسے ممکن ہے کہ اب ہم تمہیں چھوڑ دیں۔ ہاں اس کا خیال رکھو کہ کسی یتیم کو ستانا مت اور کسی سائل کو جھڑکنا نہیں۔ ذرا اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر کرتے رہو۔

﴿۹۴﴾ سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ﴿۱۲﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

اے رسول کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہیں کر دیا (ضرور کیا) اور تم سے وہ بوجھ اُتار دیا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی اور تمہارا ذکر بھی بلند کر دیا تو (ہاں) مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے، ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے پس جب تم (کارِ رسالت سے) فارغ ہو جاؤ تو مقرر کر دو، اور پھر اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرو۔

سینہ کو کشادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دل تنگی جو ہجومِ غم سے پیدا ہوتی ہے وہ دُور ہو جائے۔ حضورؐ کے سپرد چونکہ بڑا اہم کام تھا۔ دشمنوں کا ہجوم بے یاری و بے کسی، جتنا غم ہوتا کم تھا۔ مگر خدا نے ان کو ایسا کشادہ خاطر بنا دیا کہ کسی غم کی پرواہ نہ رہی۔ ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے جھیلتے رہے۔ حضرتؐ کی مصیبتوں پر نظر کر کے خدا نے بغیر حضرتؐ کی کسی درخواست کے خود ایسا کیا۔

بعض مفسرینِ اہلسنّت نے لکھا ہے کہ بعثت سے قبل جبرئیلِ امین، حضورؐ کی خدمت میں آئے اور حضورؐ کو زمین پر لٹا کر آپؐ کا سینہ چاک کیا اور پھر آپؐ کا دل نکال کر چیرا اور اس میں سے جو سیاہ نکتہ تھا جس سے انسان گناہ کرتا ہے نوچ کر نکال باہر کیا۔ اور پھر دل سینہ میں رکھ کر مرہم پٹی کر دی یعنی ٹھیک کر دیا۔ یہ روایت رسولؐ رب العالمین کی شان میں کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ کیا جب حضرت موسیٰؑ نے وادی ایمن میں نبوت ملنے کے بعد یہ درخواست کی تھی "رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ الخ (میرے رب میرے سینہ کو کشادہ کر دے)" تو کیا وہاں بھی کسی فرشتہ نے ان کے ساتھ یہی عمل کیا تھا؟

اس کے بعد فرماتا ہے، تمہارے اس بوجھ کو اُتار دیا جو تمہاری کمر کو توڑ رہا تھا کیا اس کے یہ معنی

ہیں کہ نبوّت کے فرائض کو تم سے واپس لے لیا گیا۔ ایسا تو ہوا نہیں۔ پھر کیا مطلب ہے اس آیت کا۔
بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے بہت سے ساتھی بنا کر اس بوجھ کو ہلکا کر دیا۔
لیکن یہ بات بھی کان کو نہیں لگتی۔ کیا مسلمانوں کے زیادہ ہو جانے سے فرائضِ رسالت کچھ کم کر دیئے گئے تھے۔ استغفر اللہ۔
جو فرائض آنحضرتؐ کے تھے ہدایتِ خلق اللہ، وہ تو آخر وقت تک آپؐ کے ساتھ رہے۔
سیدھی سی بات ہے مگر سمجھے کون۔ وِزر کے معنی بوجھ ہیں وزیر اسی سے بنا ہے یعنی بوجھ کو بٹا لینے والا۔
وزیر اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ کارِ سلطنت میں ممد و مددگار ثابت ہوں۔ یہ روایت ہے کہ دعوت ذوالعشیرہ کے دن ہی حضرت نے علی علیہ السلام کو اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے اس بوجھ کو بانٹ لیا۔ ہمیشہ ہر میدان میں حضرتؐ کی طرف سے لڑتے رہے۔ غریب مسلمانوں کی مدد کرتے رہے اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ ہر معاملہ میں سایہ کی طرح آپؐ کے ساتھ رہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ اے رسولؐ، ہم نے علیؑ کو تمہارا وزیر بنا کر تمہارے کمر توڑ بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ تمہارے ذکر کو ایسا بلند کیا کہ ملک عرب کے خطہ خطہ پر اذان میں نماز میں ہمارے ساتھ تمہارا ذکر کیا جائے گا۔ بلکہ عرب پر ہی کیا موقوف ہے دُنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں اذان میں تمہارا نام لیا جاتا ہے۔ اے رسول ہم جانتے ہیں کہ تمہارے ساتھ مسلمان ہیں اور کفّار و مشرکین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن گھبراؤ مت، اس پریشانی کے بعد ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ تمہارا بول بالا ہو گا اور یہ مشکلات تارِ عنکبوت کی طرح ٹوٹ کر رہ جائیں گی۔ اس کو مزید تسلّی کے لیے مکرر بیان فرمایا ہے کہ یہ سختی کے دن رہنے والے نہیں۔ پُورے اطمینان کے ساتھ کام کیے جاؤ اور جب تم ہمارے تمام احکام اپنی امّت تک پہنچا دو تو کھلم کھلا اپنا خلیفہ و جانشین سب کے سامنے مقرر کر کے ہمارے پاس چلے آؤ۔ چنانچہ اس کی تکمیل غدیر خم میں ۱۸ ذی الحجہ کو کر دی گئی۔ اور حضرتؐ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کے مجمع میں علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ کی صدا سے بھرا میدان گونج اُٹھا اس کے چند روز بعد حضورؐ دُنیا سے تشریف لے گئے۔

﴿۹۵﴾ سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ ﴿۲۸﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ﴿۲﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۡ﴿۴﴾ ثُمَّ

رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ؕ﴿۶﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ؕ﴿۷﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸﴾ ع

ع ۸/۲۰

انجیر و زیتون کی قسم، طورِ سینا اور اس پُر امن شہر (مکّہ) کی قسم! ہم نے انسان کو اچھے کینڈے کا پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے (بوڑھا کر کے) پست سے پست حالت کی طرف پھیر دیا۔ مگر جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں ان کے لیے بے انتہا اجر ہے اس کے بعد روزِ جزا کے بارہ تمہیں کون جھٹلا سکتا ہے کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے (ضرور ہے)۔

انسان کو خدا نے بہترین شکل و صورت اور اخلاق و عادات والا بنایا ہے لیکن وہ اپنی غفلت سے گرتے گرتے پستی کی طرف اتنا جاتا ہے کہ اس کے بعد پھر کوئی پستی نہیں رہتی حیوانوں سے بدتر ہو جاتا ہے وہ وہ انسانیت سوز اور شرمناک کام کرتا ہے کہ حیوان بھی نہیں کرتا۔ ایسے ایسے ظلم کرتا ہے کہ اندھے بھی نہیں کرتے۔ خدا نے اس کو بنایا تھا کیسا اور وہ بن جاتا ہے کیسا۔ ایسے لوگ دائرہ انسانیت سے خارج ہو جاتے ہیں۔ ان کی سزا روزِ قیامت سوائے جہنّم میں جھونک دینے کے اور کچھ نہیں۔ ہاں جو لوگ ایمان لانے والے اور عملِ صالحہ بجا لانے والے ہیں پیشِ خدا ان کا بے حساب اجر ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے جزا اور سزا کو روزِ قیامت کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے جبکہ انسانوں کی دونوں حالتیں نظر کے سامنے ہیں۔ کیا بد انسان کو سزا نہ ملنی چاہیئے ضرور ملنی چاہیئے۔ کیا نیک انسان کو اچھا بدلہ نہ ملنا چاہیئے ضرور ملنا چاہیئے پھر روزِ قیامت سے انکار کیسا اور خدائی فیصلہ سے بچنا کیا معنی۔

﴿۹۶﴾ سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ﴿۱۹﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ۝۶ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ۝۷ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ۝۸ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۝۹ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ۝۱۰ اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰۤی ۝۱۱ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ۝۱۲ اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۝۱۳ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ۝۱۴ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ ۝۱۵ نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۶ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ ۝۱۷ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ ۝۱۸ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۱۹

اے رسول اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے ہر چیز کو پیدا کیا جس نے انسان کو خون سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی اور انسان کو وہ باتیں بتائیں جن کو وہ جانتا ہی نہ تھا۔ سنو، انسان جب اپنے کو غنی دیکھتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے۔ بے شک تمہارے پروردگار کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔ بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا کہ ایک نیک بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے تو روکتا ہے۔ بھلا دیکھو تو اگر یہ راہِ راست پہ ہو اور پرہیزگاری کا کام کرے (تو روکنا کیسا) بھلا دیکھو تو اگر اس نے سچے کو جھٹلا دیا اور اس سے منہ پھیرا تو نتیجہ کیا ہوگا۔ کیا اس کو اس کا علم نہیں کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ دیکھو اگر اس سے باز نہ آئے گا تو ہم پیشانی کے پٹے پکڑ کر گھسیٹیں گے جھوٹے خطاوار کی پیشانی کے پٹے۔ تو وہ اپنے یارانِ جلسہ کو بلائے ہم بھی جلاد فرشتوں کو بلائیں گے۔ دیکھو ہرگز اس کا کہنا نہ ماننا

سجدے کرتے رہو اور قرب حاصل کرو۔

سب سے پہلے حضورؐ پر یہی سورۃ نازل ہوئی۔ مفسرینِ عامہ نے لکھا ہے جب جبریلؑ نے رسولؐ سے کہا پڑھ، تو حضورؐ نے فرمایا، میں تو پڑھنا جانتا ہی نہیں۔ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے حضورؐ کا یہ کہنا ثابت ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا، حضورؐ کو جاہل بتانے میں لوگوں کو کیا مزہ آتا ہے۔ جو ذات پاک عالمِ نور ہی میں عالم بن چکے تھے جو تمام انبیاءؑ کی امتوں پر گواہ بنی رہی ہو وہ جاہل کیوں فرض کی جا رہی ہے۔ جو کچھ پڑھنے کو کہا جا رہا ہے وہ عربی زبان میں ہے جو حضورؐ کی مادری زبان بھی تھی۔ اس کے پڑھنے سے انکار کیسا۔ کہا جاتا ہے، جبریل لکھ کر لاتے تھے۔ اور آپؐ سے پڑھنے کو کہا تھا لیکن اس کا ثبوت بھی نہیں ملتا۔ کیا زبانی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ میں جو کچھ کہوں تم بھی اسے کہو۔ جب بسم اللہ کی رسم ہوتی ہے تو عموماً کہتے ہیں، پڑھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کبھی تحریر لانے کی ضرورت کیا پیش آئی ہے جبکہ زبانی ہی یہ سبق دیا جا سکتا تھا۔ اگر پڑھنا نہیں جانتے تھے تو پھر فوراً پڑھ کیسے لیا۔ اس سے تو جبریلؑ اُستاد بن گئے اس شخص کے جس کو خدا نے قرآن کی تعلیم عالمِ ظہور میں آنے سے پہلے ہی دے دی تھی۔ جیسا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ آیت سب سے اوّل نازل ہوئی تھی لیکن اس کو آخر پارہ میں جگہ دی گئی۔ معلوم جامع القرآن کی کیا مصلحت تھی کہ جو سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی وہ پانچویں پارہ میں ہے۔

اس کے بعد اپنے رسولؐ کو بتاتا ہے اُس رب کے نام کو پڑھو جس نے تمام عالم کو پیدا کیا ہے۔ اس عمومیت کے بعد پھر خصوصیت سے انسان کی پیدائش کا ذکر کرتا ہے کہ اُس نے آدمی کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ خون سے انسان کو بنا دے۔ اپنی قدرت کا کمال بیان کر رہا ہے۔ پھر فرماتا ہے اپنے اُس ربؐ کا نام جپو جو عالیشان ہے جس نے انسان کو قلم سے لکھنا سکھایا۔ یعنی انسان کے اندر یہ صفت رکھی کہ وہ قلم سے حالات و واقعات کو لکھتا رہے گا۔ کتابت اسے نہ سکھائی جاتی تو انسان پر علوم کے دروازے بند ہو جاتے۔ اس کے بعد فرماتا ہے جو باتیں وہ نہ جانتا تھا وہ سکھا دیں ورنہ وہ زندگی کی منزلوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا۔ اور کچھ اس کی سمجھ میں نہ آتا۔ کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ بولنا چالنا۔ کسبِ معاش۔ تربیتِ اولاد وغیرہ وغیرہ۔

آیت نمبر ۹ سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

ابتدائے بعثت میں جب حضورؐ خدا کی عبادت کرتے تو کفارِ قریش آپؐ کو روکتے۔ ایک روز ابوجہل اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ محمدؐ تمہارے درمیان رہ کر نماز پڑھتا ہے اور اپنا منہ خاک پر رگڑتا ہے اور تم اسے چھوڑ دیتے ہو کیا تمہارے بُت اس پر راضی ہوں گے۔ اگر میں اس کو نماز پڑھتے دیکھوں گا تو اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھ دوں گا اور اسے مار ڈالوں گا۔ ایک روز وہ اپنا یہ منصوبہ پورا کرنے چلا تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور ہانپتا کانپتا واپس آیا۔ کسی نے پوچھا، کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا میں نے دیکھا کہ میرے اور اُن کے درمیان ایک آگ کی خندق ہے ایک اژدہا منہ کھولے ہے اور پرندے پر سے پَر ملائے اس پر سایہ فگن ہیں اس پر بھی وہ باز

نہ آیا اور نماز سے روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ جنگِ بدر میں مارا گیا اور لوگوں نے اس کے پٹے پکڑ کر گھسیٹا اور اسے ایک گڑھے میں ڈال دیا اور یہ پیش گوئی خدا کی پوری ہوئی۔

---

(۹۷) سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ (۲۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾

ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں نازل کرنا شروع کیا۔ تم کیا جانو کہ شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات کو فرشتے اور جبریل (سال بھر کی) ہر بات کا حکم لے کر اپنے پروردگار کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔ یہ رات صبح کے طلوع ہونے تک سرتا پا سلامتی ہے۔

شبِ قدر رمضان المبارک کی تئیسویں شب ہے۔ یہ نزولِ رحمتِ باری تعالیٰ کی رات ہے جو ہزار مہینوں سے اعمالِ خیر کے اجر میں بہتر ہے۔

علمائے اسلام کہتے ہیں کہ اس رات کو اللہ میاں آسمانِ اوّل پر اُتر آتے ہیں اور ندا دیتے ہیں کہ کہاں ہیں میرے گنہ گار بندے، مجھ سے گناہوں کے بخشنے کی درخواست کیوں نہیں کرتے۔ اس روایت کی حقیقت اسی سے ظاہر ہے کہ کیا خدا صاحبِ جسم ہے کہ اُترے چڑھے۔ پھر اس آواز سے کیا فائدہ جسے کوئی نہ سنے۔ اگر شبِ قدر میں بخشش کا سودا اتنا سستا ہو جاتا ہے تو پھر دوزخ کا پیٹ کون بھرے گا۔ سب کے گناہ تو معاف ہی کر دیئے جائیں گے۔

ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ بنی امیّہ کی حکومت جو ہزار مہینے رہی تھی ان میں جو نیکیاں ہوئیں وہ ایک رات کی نیکیوں کے برابر نہیں۔ حضرت رسولِ خداؐ نے خواب میں دیکھا تھا کہ بنو امیہ حضرت کے منبر پر بندروں کی طرح اچک رہے ہیں اس سے آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپؐ کی تسکین کے لیے کہا جا رہا ہے کہ ان کی ہزار ماہ

کی حکومت خدا کی نظر میں کچھ بھی نہیں۔

اس مبارک رات میں فرشتے اور جبریلؑ بحکمِ خدا سال کے تمام کے تمام احکام لے کر نازل ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زندہ رہے ان پر نازل ہوتے رہے۔ اس کے بعد کس پر آتے رہتے ہیں۔ شبِ قدر تو ہر سال آتی ہے اور فرشتے بھی یقیناً زمین پر آتے ہیں۔ تو آتے کس پر ہیں؟ کیا صحابہ۔ اولادِ صحابہ۔ تابعینِ صحابہ۔ تبع تابعین میں سے کس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مجھ پر آتے ہیں۔ کیا علمائے اسلام میں سے کوئی اس کا مدعی ہوا ہے کہ مجھ پر آتے ہیں۔ اگر ایسا کبھی کسی نے دعویٰ نہیں کیا تو پھر ہوتا کیا ہے۔ کیا اب آتے نہیں۔ کیا یہ طریقہ منسوخ ہو گیا ہے اگر نہیں تو پھر مسلمان بتائیں کہ کس پر آتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ فرشتے کسی غیر معصوم کے پاس تو آتے نہیں اور نہ وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ احکامِ الٰہی کا امین بنے۔ ضرور ہر زمانہ میں اور ہمہ وقت کوئی معصوم اس زمین پر موجود رہتا ہے اور وہ وہی ہو سکتا ہے جو منصوص من اللہ ہادی ہو۔ آیہ إِنَّمَآ أَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ "۷/۱۳ رعد" (اے رسول تم لوگوں کو ڈراتے رہو عذاب سے اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے)۔ یہ بتاتی ہے کہ کوئی ہادی موجود ہے اس کے پاس احکام آتے ہیں۔ رسولؐ نے فرمایا ہے: من مات ولم يعرف امام زمانه مات ميتة جاهلية (جو اس حالت میں مرا کہ اُس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ کفر کی موت مرا)۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ والوں کی ہدایت کے لیے ایک ہادی ایک امام ہوتا ہے۔ اس سے مراد قرآن نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو قیامت تک کے لیے سب ہی کا ہادی ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کا امام جداگانہ ہوتا ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ رسولؐ کے بعد ہر زمانہ میں ایک امام منصوص من اللہ معصوم ضرور موجود رہا۔ اس کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ ورنہ شب قدر فرشتوں اور روح الامین کا نزول کس پر ہوتا ہے۔

کافی میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب تم سے امامت کے باب میں تمہارے مخالف جھگڑا کریں تو یہ آیت پیش کر دیا کرو اور پوچھا کرو، اب وہ کون ہے جس کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ تمہارا مخالف ہرگز کوئی مسکت جواب نہ دے سکے گا۔

تفسیر درِ منثور میں ہے کہ یہ آیت ائمہ اہلبیتؑ کی شان میں ہے۔

آیت بتا رہی ہے کہ ہر امر کو جو سال بھر تک ہونے والا ہے فرشتے لے کر آتے ہیں۔ تو اس پر غور کرنا ہے کہ جس کے پاس امرِ الٰہی آتا ہے وہ صاحبِ امر کون ہے۔ آیہ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ "۵۹/۴ نساء" سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ اولی الامر ایسے ہیں کہ ان کی اطاعت رسول جیسی اطاعت ہے۔ پس آیۂ زیرِ بحث نے بتایا کہ اولی الامر سے مراد نہ بادشاہانِ وقت ہیں نہ امرائے سرایا نہ علمائے امت۔ بلکہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس ہر شبِ قدر میں امرِ الٰہی آتا ہے اور جن کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت کی طرح واجب ہے اور جن کو نظامِ کائنات میں اتنا دخل ہے کہ ہر شبِ قدر میں ان کے پاس سال بھر ہونے والے واقعات آ جاتے ہیں۔ احکامِ الٰہی کا امانتدار معصوم کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔

ہمارے ائمہ منصوصہ پر یہ ایک ایسی قوی دلیل ہے جس کو کوئی ردّ نہیں کر سکتا مفسّرین نے صاحب امر کے بتانے میں اگرچہ بگھائیں مائیں کر دی ہے اور یہ بتانے سے گریز کیا ہے کہ کس کے پاس فرشتے پیغام لے کر آتے ہیں لیکن جو امرِ حق ہے وہ چھپانے سے چھپتا نہیں۔

---

⑨⑧ سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ ⑩⓪

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿۷﴾ جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾

ع ۸ / ۲۲

اہلِ کتاب اور مشرکوں میں سے جو لوگ کافر تھے جب تک ان کے پاس کھُلی ہوئی دلیل نہ پہنچے وہ اپنے کفر سے باز آنے والے نہ تھے یعنی خدا کے رسول جو پاک اوراق پڑھتے ہیں (آئیں اور ان کو سنائیں) جن میں درست باتیں جو لکھی ہوئی ہیں اور اہلِ کتاب متفرق ہوئے بھی تو جب کہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیل آ چکی اور انہیں تو بس یہ حکم دیا گیا تھا کہ نرا کھرا اسی کا اعتقاد رکھ کے باطل سے کترا کر خدا کی عبادت کریں اور پابندی سے نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں یہی سچا دین ہے۔ بے شک اہلِ کتاب اور مشرکین سے جو لوگ اب تک کافر ہیں وہ دوزخ کی آگ میں ہوں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے یہی لوگ بدترین خلائق ہیں۔ ہاں جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔ ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے خوش۔ یہ جزا ہے اس شخص کی جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔

اس سورہ میں اہلِ کتاب اور مشرکین کی حالت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ جب تک ان کے سامنے وہ پاک کتابیں نہ پڑھی جائیں جن میں اچھے اعمال بجا لانے کی ہدایت ہے۔ ایسا کرنے پر کچھ تو ایمان لائے اور کچھ بدستور اپنی جگہ پر جمے رہے۔ اہلِ کتاب نے توریت اور انجیل میں سب کچھ پڑھا مگر وہ اپنی کفر پرستی سے باز نہ آئے۔ اپنے واہی خیالات کی وجہ سے ان میں فرقے بنتے چلے گئے۔ حالانکہ ان کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ خالص خدا کی عبادت کریں مگر ان کی سمجھ میں بات نہ آئی اور بدترین خلائق بن کر رہے۔ ہاں ان میں جو لوگ ایمان لے آئے، بہترین خلائق قرار پائے۔ ان کے ربّ نے اہلِ کتاب اور مشرکوں کو ہدایت کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ مگر جو انکار کرنے والے تھے وہ انکار ہی کرتے رہے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنّم کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہے۔

آیت نمبر ۷ میں خیر البریہ کے متعلق درّ منثور سیوطی میں ہے کہ جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ایک روز کچھ لوگ حضرتؐ کے پاس بیٹھے تھے کہ حضرت علیؑ تشریف لائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ اور اس کے شیعہ روزِ قیامت خیر البریہ ہوں گے اور ان کے دشمن شرّ البریہ ہوں گے اور ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ یا علیؑ، تم اور تمہارے شیعہ روزِ قیامت خوش اور پسندیدہ ہوں گے۔

(۹۹) سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ (۹۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

جب زمین بڑے زلزلوں کے ساتھ زلزلہ میں آجائے گی اور زمین اپنے اندر کے بوجھ (معدنیات) نکال ڈالے گی اور ایک انسان اس سے کہے گا اس کو کیا ہوگیا ہے اس روز وہ اپنے سب حالات بیان کردے گی کیونکہ تمہارے پروردگار نے اسے حکم دیا ہوگا۔ اس دن لوگ گروہ کے گروہ اپنی قبروں سے نکلیں گے کہ اپنے اعمال کو دیکھیں تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ زمین میں زلزلے آئیں گے اور بڑے سخت زلزلے۔ زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ نکال پھینکے گی۔ اس میں مفسّرین کا اختلاف ہے کہ وہ کیا چیز ہوگی بعض کہتے ہیں کہ جتنے معدنیات زمین کے اندر ہیں وہ مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں جو لوگ اس میں دفن ہیں ان کو نکال پھینکے گی۔ بعض کہتے ہیں جو خزانے اس کے اندر ہیں ان کو نکالے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان زلزلوں کے وقت ایک انسان اس سے کہے گا کہ اسے کیا ہوگیا ہے۔ اس میں بھی مفسّرین کا اختلاف ہے کہ وہ انسان کون ہوگا بعض نے لکھا ہے کہ سب انسان گھبرا کر کہیں گے یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن

یہ صحیح نہیں کیونکہ آگے ہے کہ زمین اس سے بات بھی کرے گی۔ تو وہ کیا سب انسانوں سے بات کرے گی۔ یہ تو کوئی خاص انسان ایسا ہوگا جو اس سے ہم کلام ہوگا اور زمین اس سے وحیِ الٰہی کے مطابق ہمکلام ہوگی۔ چنانچہ جب حضرت علی علیہ السلام کے سامنے یہ سورہ پڑھا گیا تو آپؑ نے فرمایا، میں ہوں وہ انسان جس سے زمین ہمکلام ہوگی۔ زمین ایک معصوم سے ہی کلام کرسکتی ہے۔ ایک ایسے گنہگار سے جس نے اس کے رُو پر گناہ کیے ہوں کلام نہیں کرسکتی۔

روایت ہے کہ ایک بار مدینہ میں زلزلہ آیا لوگ حضرت علی علیہ السلام کے پاس دوڑے آئے۔ آپؑ ان کے ساتھ اس مقام پر پہنچے جہاں زلزلہ آرہا تھا اور آپؑ نے اس جگہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، یَا اَرْضُ مَا لَكِ لَا تَسْكُنِيْ (اے زمین تجھے کیا ہوگیا ہے تو ساکن نہیں ہوگی)۔ چنانچہ وہ زلزلہ رُک گیا۔ امامؑ کی آواز کو دُنیا کی ہر شے پہچانتی ہے اور امامؑ ہی سے اپنے حالات بیان کرسکتی ہے کہ میرے اندر کیا کیا چیزیں ہیں اور میرے اوپر انسانوں نے کس کس قسم کے گناہ کیے ہیں۔ بلقیس کا تخت پلک جھپکتے لانے میں اگر وزیرِ سلیمان کے لیے زمین سمٹ سکتی ہے تو وصیِ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے زمین اپنے اخبار کیوں نہیں بیان کرسکتی۔ یہاں زمین کو وحی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا اس کو حکم دے گا۔

انبیاءؑ و اولیاءؑ کی خصوصیات کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں یہ تو قدرت کے راز ہیں انبیاء و اولیاء کے امتیازات خصوصی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے قدم کا نشان پتھر پر آجاتا ہے۔ موسیٰؑ کا عصا مارنے سے پتھر پانی دینے لگتا ہے۔ ہمارے رسولؐ کے ہاتھ پر آکر سنگریزے تسبیح کرنے لگتے ہیں۔ حجر اسود امام زین العابدینؑ کی امامت کی گواہی دیتا ہے۔ حضورؐ کے لعابِ دہن ڈالنے سے سوکھے کنویں پانی اُچھالنے لگتے ہیں۔ یہ سب ان حضرات کو پہچانتے ہیں۔ پس اگر حضرت علیؑ سے زمین ہم کلام ہو تو کیا تعجب ہے۔

---

(۱۰۰) سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (۱۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷

وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝٨ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝٩ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝١٠ إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝١١

ع ۱۱ ۲۵

غازیوں کے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم جو نتھنوں سے خراٹے لیتے ہیں پھر پتھر پر ٹاپ مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں پھر صبح ہی چھاپا مارتے ہیں دوڑ دھوپ کے بعد غبار بلند کر دیتے ہیں پھر دشمن کے دل میں گھس جاتے ہیں۔ بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ یقینی خود بھی اس سے واقف ہے۔ بیشک وہ مال کا بڑا حریص ہے کیا وہ اس دن کو نہیں جانتا جب مُردے قبروں سے نکالے جائیں گے اور دلوں کے بھید ظاہر کر دیئے جائیں گے بے شک اُس دن ان کا رب ان سے ضرور واقف ہوگا۔

عرب کے بنی سلیمہ قبیلہ نے مدینہ کے اطراف میں جمع ہو کر مسلمانوں پر شبخون مارنے کا قصد کیا۔ جب حضرتؐ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپؐ نے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا پھر حضرت عمرؓ کو۔ جب کامیابی نہ ہوئی تو حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا اور خود مسجدِ احزاب تک پہنچانے تشریف لائے۔ غرض حضرت علیؑ روانہ ہوئے تو یہ لوگ بھی ساتھ تھے۔ آپؑ راتوں رات صبح سویرے ان کے سر پر جا پہنچے۔ بہت سوں کو قتل کیا بہت سوں کو زنجیروں میں جکڑ کر واپس ہوئے۔ اس وجہ سے اس جنگ کو جنگِ سلاسل کہتے ہیں۔ ابھی مدینہ نہ پہنچے تھے کہ یہ سورہ نازل ہوا۔ اور حضرت رسولؐ خوش خوش پیشوائی کو نکلے۔ جب حضرت علیؑ کی نظر آپؐ پر پڑی تو گھوڑے سے اُتر پڑے۔ اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا اے علی، اگر مجھے امت کی گمراہی کا خیال نہ ہوتا تو تمہارے بارے میں وہ بات کہتا کہ جس کو سن کر لوگ تمہارے قدم کی خاک کو شفا کے لیے لے جاتے۔
اویسؒ قرنی جیسے روشن ضمیر انسان کا قول تھا۔ "علیؑ کے قدم کی خاک اُویس کی آنکھوں کا سُرمہ ہے۔"

---

(۱۰۱) سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۰)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

الْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝٤ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ ۝٥ فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝٦ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝٨ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝٩ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١

ع ۱۱ ۲۶

کھڑکھڑانے والی، کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔ اور تم کو کیا معلوم وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔ اس دن لوگ (میدانِ حشر میں) ٹڈیوں کی طرح پھیلے ہوں گے اور پہاڑ دُھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے مگر جس کے (نیک عمل کے) پلّے بھاری ہوں گے وہ من بھائے عیش میں ہوگا اور جس کے پلّے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے اور تم کو کیا معلوم ہاویہ کیا ہے دہکتی ہوئی آگ ہے۔

قیامت کا دن، قیامت ہی کا دن ہوگا۔ ایک سخت آواز ہوگی کہ لوگوں کو قبروں سے نکال باہر کرے گی اور پھر وہ میدانِ حشر میں ہر طرف بھاگے پھرتے ہوں گے جیسے ٹڈیاں اُڑی اُڑی پھرتی ہیں۔ کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ ہوگا۔ پہاڑ روئی کی طرح دھنکے ہوئے اُڑ رہے ہوں گے۔ پس جس کے نیک اعمال زیادہ ہوں گے وہ تو مزہ میں رہے گا اور ہلکے اعمال والا جہنم رسید ہوگا۔ خدا نے پہلے سے آگاہ کر دیا ہے۔ قیامت ٹلنے والی نہیں، آ کے گی اور ضرور آئے گی۔ انسان کو چاہیے کہ زندگی کے دن بہت سوچ سمجھ کر گزارے۔

(۱۰۲) سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ (۱۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۴﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ ع

مال واولاد کی بہتات نے تمہیں غافل بنا دیا ہے یہاں تک کہ تم نے قبریں دیکھیں (یعنی مرنے سے پہلے ہوش میں نہ آئے۔ دیکھو تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا، تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تم کو یقینی طور پر معلوم ہوتا (تو ہرگز غافل نہ ہوتے)۔ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے، تم یقیناً دیکھو گے۔ پھر وہاں تم سے نعمتوں کے بارہ میں ضرور باز پُرس کی جائے گی۔

آخرت سے انسان کی غفلت کا سبب دو ہی چیزیں ہیں ایک مال کی زیادتی دوسرے اولاد کی زیادتی۔ مرنے سے پہلے انسان ایسا غافل ہے کہ چونکتا ہی نہیں۔ پھر تاکید کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے۔ قیامت کیا ہے تم اسے ضرور جان لوگے ضرور جان لوگے۔ تم پورے یقین سے جان لو کہ دوزخ میں تمہیں جانا پڑے گا۔ اور پھر اس دن تم سے نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ یہاں انسان خدا کی بیشمار نعمتیں مزے لے لے کر کھا رہا ہے اور بھول کر بھی ان نعمتوں کے دینے والے کا شکریہ ادا نہیں کرتا مالِ مفت سمجھ کر استعمال کر رہا ہے، اُسے اس کا یقین ہی نہیں کہ ان کے متعلق کوئی باز پُرس ہوگی۔ اگر یقین ہوتا تو وہ ضرور نیک کام کرتا خدا سے ڈرتا، اس کے احکام کی تعمیل کرتا۔ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا۔ ایسا ناشکرا ناحق شناس انسان خدا کا باغی بندہ ہے اسے سزا ملنی ضرور ہے مرنے کے بعد جب قیامت سر پہ آکھڑی ہوگی تب پتہ چلے گا کہ میں نے کس غفلت میں اپنی عمر گنوائی تھی مجھے جو سزا مل رہی ہے وہ میرے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

(۱۰۳) سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ ع

نمازِ عصر کی قسم! بے شک انسان گھاٹے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور آپس میں حق کا حکم اور صبر کی وصیت کرتے رہے۔

زمانہ کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ ضلالت آگئیں، خدا کا نافرمان، مشرک اور بے دین انسان خسارہ میں ہے۔ زمانہ اس کے اعمال دیکھتا ہوا گزرتا جا رہا ہے۔ ماضی حال مستقبل اس نے سارے زمانے ایک ہی حالت میں گذار دیئے یا ابوجہل کے متعلق ہے۔ جو اہلِ ایمان ہیں اور نیک عمل کرنے والے ہیں وہ ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو یہ وصیت کرتے ہیں کہ حق کا ساتھ دو اور امرِ حق اختیار کرنے ہیں جو مصیبتیں تم پر پڑیں ان کو صبر کے ساتھ برداشت کرو۔ اس کی مثال کربلا سے بہتر کہیں نہیں مل سکتی کہ سب امرِ حق کی حمایت میں انتہائی مصیبت کا سامنا صبر و ضبط کے ساتھ کر رہے تھے۔

(۱۰۴) سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۫ۖ﴿۴﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾ ع

ہر طعنہ دینے والے چغلخور کی خرابی ہے جو مال کو جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اسے زندہ و باقی رکھے گا ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا اور تم کو معلوم ہے حطمہ کیا ہے۔ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ جو (تلوے سے لگی تو) دلوں تک چڑھ جائے گی۔ یہ لوگ آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں ڈال کر بند کر دیئے جائیں گے۔

چغلخوری کی عادت بہت زیادہ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس سورہ میں جو سزا ان کی بیان کی گئی ہے اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

(۱۰۵) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ (۱۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ① اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ② وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ③ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ④ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ⑤

اے رسول کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اُس نے ان کی تدبیریں ملیامیٹ نہیں کر دیں اور ان پر چڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے جو ان پر کھرنجوں کی کنکریاں پھینکتی تھیں (آخر) انہیں چبائے ہوئے بھُس کی طرح برباد کر دیا۔

اس سورہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی طرف عام لوگوں کا رجوع دیکھ کر ابرہہ بادشاہِ یمن کو رشک پیدا ہُوا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ خانہ کعبہ کو ڈھا کر مسمار کر دے اور اس کی جگہ یمن میں ایسا ہی گھر بنائے۔ چنانچہ وہ ایک بڑا لشکر جس میں بہت سے ہاتھی تھے، لے کر مکہ آیا۔ یہ حضرت عبدالمطلبؑ جدِ رسولؐ اللہ کا زمانہ تھا۔ آپ کے اونٹ چراگاہ میں چرتے تھے۔ ابرہہ کے لشکر والے انہیں پکڑ کر لے گئے۔ جب حضرت عبدالمطلبؑ کو خبر ہوئی تو آپ ان کی واگزاشت کے لیے اُس کے پاس گئے۔ اُس نے پوچھا، آپ کیسے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرے فوجی میرے اونٹ ہنکا لے گئے ہیں ان کی واگزاشت کے لیے آیا ہوں۔ اُس نے کہا مجھے آپ پر بڑا تعجب ہوتا ہے۔ آپ سردارِ قوم ہیں آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کس ارادہ سے آیا ہوں۔ آپ نے مجھ سے خانہ کعبہ کے منہدم نہ کرنے کے متعلق تو کچھ کہا نہیں بس اپنے اونٹوں کے متعلق کہا۔ فرمایا، اونٹ میری ملکیت ہیں اس لیے میں نے اُن کے لیے کہا اور اس گھر کا مالک اور ہے وہ اُس کی حفاظت خود کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبدالمطلبؑ موحد تھے بُت پرست نہ تھے اسی طرح ابو طالبؑ بھی جو اُن کے بیٹے تھے مومن و موحد تھے۔ الغرض ابرہہ نے جب اپنے ارادہ کو پُورا کرنا چاہا تو خدا نے ابابیل چڑیوں کا ایک لشکر بھیجا جن کے پنجوں اور چونچوں میں سخت مٹی کی کنکریاں تھیں۔ وہ جس کے سر پر گرتی تھیں سارا جسم توڑ کر نیچے سے نکل جاتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ سب کے سب ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ خدا کے ہوائی جہازوں کی یہ تھی وہ بمباری جس نے دم کے دم میں سب کو ہلاک کر دیا۔

---

(۱۰۶) سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ (۲۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ② فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ③ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۵ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④

چونکہ قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کر دیا ہے تو ان کو مانوس کر دینے کی وجہ سے کعبہ کے مالک کی عبادت کرنی چاہیئے جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور ان کو خوف سے (بچا کر) امن میں رکھا۔

قریش وہ خاندان تھا جس میں رسولؐ پیدا ہوئے یہ لوگ عرصے سے خانہ کعبہ کے متولی بنے چلے آ رہے تھے۔ اسی گھر کی برکت تھی کہ مکہ باوجودیکہ ایک پتھریلا مقام تھا زراعت وغیرہ کا کوئی ڈھنگ وہاں نہ تھا یہ ان پر خدا کی عنایت تھی کہ ہر چیز وہاں مل جاتی تھی۔ یہ قوم بُت پرست بھی تھی اور لُوٹ مار کرنے والی بھی۔ مگر خانہ کعبہ کی تولیّت کی وجہ سے یہ جہاں جاتے تھے ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ یہ لوگ دو بڑے سفر بغرض تجارت کرتے تھے۔ جاڑوں میں یمن جاتے تھے اور گرمیوں میں شام۔ اس تجارت سے ان کا کاروبار چلتا تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ ان کو چاہیئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک خدا کی عبادت کریں جس نے ان کو ہر قسم کے خوف سے بھی محفوظ رکھا ہے اور اتنا غلہ دیا ہے کہ وہ بھوکے نہیں مرتے۔

(۱۰۷) سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ (۱۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ① فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ② وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ④ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ⑤ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ⑥ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦

کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے اور یہ وہی بدعمل ہے جو یتیموں کو جھڑکتا ہے اور

محتاجوں کو کھانا کھلانے پر لوگوں کو راغب نہیں کرتا۔ ایسے نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں اور نمازوں میں ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی چیزیں دینے سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔

یہ آیات کس کے متعلق ہیں، مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ کسی نے لکھا ہے ابوجہل مراد ہے کسی نے لکھا ہے ولید بن مغیرہ، کسی نے عاص بن وائل و ابوسفیان مراد ہیں۔

جو لوگ اپنی نمازوں سے غافل ہیں پابندی سے نہیں پڑھتے یا محض دکھاوے کے لیے پڑھتے ہیں قیامت میں ان کی بُری گت بنے گی کیونکہ یہ تو خدا سے کھلی بغاوت ہے۔ وہ لوگ بھی جہنم رسید ہوں گے جو معمولی معمولی چیزوں کے جیسے نمک، ماچس، آگ، پانی وغیرہ دینے سے اپنے ہمسایوں کو منع کرتے ہیں ایسے لوگ معاشرہ میں انس و محبت پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

(۱۰۸) سُوْرَۃُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ (۱۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

ع ۱ / ۳۳

اے رسول ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا پس تم اپنے رب کی نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو تمہارا دشمن ہی مقطوع النسل ہے۔

چونکہ حضورؐ کے اولاد ذکور میں سے کوئی زندہ نہ بچا تھا اس لیے کفارِ مکہ آپؐ کو مقطوع النسل ہونے کا طعنہ دیتے تھے اور کہتے تھے ہمارے بتوں کی مذمت کی یہ سزا ہے۔ خدا نے اپنے رسولؐ کی تسلی کے لیے یہ سورہ نازل کیا۔ کوثر کے معنی میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے حوضِ کوثر مراد لیا ہے لیکن شانِ نزول کو اس سے کوئی ربط نہیں۔ بعض نے اس سے کثیر اولاد مراد لی ہے یہی صحیح ہے۔ حضرت کی اولاد کا سلسلہ بیٹی سے چلا۔ خدا نے رہتی دُنیا تک انہی کو اولادِ رسولؐ قرار دیا، جیسا کہ آیۂ مباہلہ سے ظاہر ہے۔ دوسرے رسولؐ کی حدیث ہے اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِي صُلْبِهٖ وَجَعَلَ ذُرِّيَّتِيْ فِي صُلْبِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ (خدا نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے قرار دی ہے لیکن میری اولاد صلبِ علی سے ہے۔) یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کو سب ابنائے رسولؐ کہتے ہیں۔ دوسرے حضرت رسولِ خدا مثلِ موسیٰؑ ہیں۔ حضرت موسیٰؑ بھی لاولد تھے۔ ان کی اولاد بھی خدا نے ان کے وزیر حضرت ہارونؑ کی اولاد کو قرار دیا۔ چنانچہ تابوتِ سکینہ کے متعلق فرمایا ہے وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ (البقرہ ۲/۲۴۸) یعنی اس میں آلِ موسیٰ و آلِ ہارون کے تبرکات تھے۔ تیسرے حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے، اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ۔ حضرت اسحاقؑ کی نسل میں آخری حجت لڑکی کی اولاد قرار پائی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ اسی سے حجت ہوئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں بھی ایسا ہی ہوا کہ آخری حجت بجائے اولادِ ذکور کے لڑکی کی اولاد قرار پائی یعنی اولادِ فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا۔ چوتھے علیؑ بمصداق آیۂ مباہلہ نفسِ رسولؐ تھے لہٰذا ان کی اولاد رسولؐ کی اولاد قرار دی گئی۔ پانچویں حضرت رسولِ خدا میں دو جنبے تھے۔ ایک بشری دوسرے نبوتی۔ پس نبوتی اور رسالتی جنبہ کے اعتبار سے حسن و حسین ابنائے رسالت ہیں۔ بشری اعتبار سے اقربائے محمدؐ

اور ہیں اور نبوتی اعتبار سے اور ہیں۔ خدا نے حضورؐ کو اتنی کثیر اولاد دی کہ باوجودیکہ ہر زمانہ میں سادات کو کاٹتے رہے ان کو زندہ دیواروں میں چُنتے رہے ان کے خون کا گارا بناتے رہے لیکن اب بھی سادات بکثرت دُنیا میں پائے جاتے ہیں۔

(۱۰۹) سُوْرَۃُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ (۱۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

ع ۱ / ۳۴

اے رسول کہہ دو کہ اے کافرو جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اُس کی عبادت نہیں کرتا اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں اُس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارا دین تمہارے لیے ہے اور میرا دین میرے لیے ہے۔

ان آیات میں زور دینے کے لیے ایک ہی بات کا تکرار کیا گیا ہے اور کافروں پر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ میں کسی حالت میں کسی طرح بھی تمہارے معبُودوں کی عبادت نہیں کرنے والا ہوں اور تمہاری ہٹ اور ضد کے پیشِ نظر یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اے کافرو میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی اُس خدا کی عبادت کرنے والے نہیں جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ یہ دونوں یقینی باتیں ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ عرب والے خدا کو تو مانتے تھے لیکن جن کی عبادت کرتے تھے اُن کو خدا کا شریک سمجھتے تھے۔ پس اس تکرار سے یہ بھی بتا دیا گیا کہ جن صفات کے ساتھ تم خدا کو مانتے ہو میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کرتا لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ سے یہ بات نہ سمجھی جائے کہ خدا نے ان کو بُت پرستی کی اجازت دے دی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی غصہ میں کسی شخص سے کہہ دے کہ جب تم یہ بات نہیں مانتے تو جاؤ تمہارے جی میں جو آئے کرو میں تمہارا ساتھی نہیں۔

(۱۱۰) سُوْرَۃُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

جب خدا کی مدد آجائے گی اور فتح حاصل ہوگی تو تم دیکھو گے کہ لوگ دینِ خدا میں غول کے غول داخل ہو رہے ہیں پس اپنے رب کی حمد کی تسبیح کرو اور اس سے استغفار کرو۔ وہ بڑا توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔

مولانا فرمان علی صاحب قبلہ نے فتح سے مراد فتح مکہ لی ہے لیکن مفسرین اس کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سورت سنہ ۱۰ھ میں نازل ہوئی ہے اور فتح مکہ سنہ ۸ھ میں ہوئی ہے۔ لہٰذا مراد اس فتح سے اسلام کی وہ ترقی ہے جو فتح مکہ کے بعد میں ہوئی۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس سورہ میں یہ ہے کہ تم دیکھو گے حضورؐ نے غول کے غول داخلِ اسلام ہوتے ہوئے تو فتح مکہ کے بعد ہی دیکھے تھے۔ بعد میں جو اسلام کو ترقی ہوئی وہ حضورؐ نے کہاں دیکھی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جنہوں نے اس سورہ کا نزول سنہ ۱۰ھ میں لکھا ہے انہوں نے غلطی کی ہو۔

(۱۱۱) سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ (۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ ۚ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور اس کا ستیاناس ہو جائے نہ اس کا مال ہی کچھ اس کے کام آیا اور نہ جو کچھ اس نے کمایا وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی جورو بھی جو سر پر ایندھن اُٹھائے پھرتی ہے اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسّی بندھی ہے۔

ابولہب حضورؐ کا چچا تھا اور بڑا کٹا کافر تھا۔ حضورؐ سے اس کو سخت عداوت تھی اور اس کی بی بی اس سے

بھی زیادہ حضورؐ کی دشمن تھی۔ جب دعوت ذوالعشیرہ میں حضورؐ نے سارے کنبہ کو دعوت کے لیے بُلایا تھا تو یہ ملعون بھی آیا اور جب حضرتؐ نے اپنی نبوّت کا ذکر کیا تو اس نے پتھر اٹھایا اور چیخنے لگا تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں، تمہارا ستیاناس ہو جائے کیا تم نے اس کام کے لیے ہمیں بُلایا ہے۔ اس کے جواب میں یہ سورہ نازل ہوا۔ اس کی بی بی کا یہ حال تھا کہ جب حضورؐ گھر سے نکلتے تو یہ بالائے بام سے حضرتؐ پر کوڑا پھینکتی اور راستہ میں کانٹے بچھاتی۔ اسی لیے سورہ میں اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

قیامت کے دن ابولہب کو تو جہنّم کی بھڑکتی آگ میں جھونکا جائے گا اور اس کی بی بی کے گلے میں ایک مضبوط بٹی ہوئی رسّی ہوگی۔ فرشتے اُسے کھینچتے ہوئے جہنّم کی طرف لے جائیں گے۔

(۱۱۲) سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ (۲۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

اے رسول کہہ دو، اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا نہ اس کو کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر بھی نہیں۔

اس مختصر سے سورہ میں مسئلہ توحید کو بہترین صورت میں بیان کیا گیا ہے۔

اَحَد ایک ہے کوئی اس کا ساتھی نہیں وہ ایسا ایک ہے کہ نہ اس سے پہلے کوئی ہے نہ اس کے بعد۔ کوئی اس کا شریک نہیں خواہ وہ زمین کا رہنے والا ہو یا آسمان کا۔ وہ ایک ہے کسی خاندان سے اس کا تعلق نہیں۔ وہ ایک ہے لیکن گنتی والا ایک نہیں جس کے بعد دو آتا ہے۔

صَمَد وہ سب سے بے پرواہ ہے۔ زمین کی مخلوق ہو یا آسمان کی۔ تکوین و تخلیق میں اُسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ کسی مشیر وزیر کا محتاج نہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں نہ کسی مرکب کا محتاج ہے نہ آلے کا۔ سب کی احتیاج اُس کی طرف ہے۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ جننے جنانے کا تعلق جو مخلوق کے اندر ہے اس کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ نہ اس کا کوئی ماں باپ ہے نہ اس کی کوئی بی بی۔ جو لوگ عزیرؑ یا مسیحؑ کو اس کا بیٹا کہتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔

کوئی اُس کا ہمسر نہیں وہ تمام عالموں کا واحد مالک ہے۔ جو لوگ بُتوں کو اس کا ہمسر سمجھتے ہیں وُہ سرتا سر گمراہی میں ہیں۔

---

۱۱۳ سُورَۃُ الفَلَقِ مَکِّیَّۃٌ (۲۰)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ٪﴿۵﴾

ع ۵ / ۳۸

اے رسول کہہ دو میں صبح کے مالک سے پناہ مانگتا ہوں اُس بُرائی سے جو اُس نے پیدا کی اور اُس اندھیری رات کی بُرائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے اور گنڈوں پر پھُونکنے والیوں کی برائی سے (جب وہ پھونکیں) اور حسد کرنے والے کی بُرائی سے جب وہ حسد کرے۔

کفّارِ قریش نے تو حضرتؐ کی مخالفت ہلکے ہلکے کی لیکن جب آپ کا کام ترقی پذیر دیکھا تو مخالفت میں شدّت ہونے لگی۔ مصالحت کی کوششیں بھی ہوئیں۔ جب ناکامی ہوئی تو جادو ٹونوں سے بھی کام لیا جانے لگا تاکہ حضرتؐ دُکھی ہوں یا بیمار پڑ جائیں۔ چنانچہ ملک کے نامور جادوگروں سے آپؐ پر جادُو کرایا گیا۔ اُس کے ردّ میں یہ سورہ نازل ہوا۔

حسد کی آگ بھی بُری طرح پھیلی ہوئی تھی۔ ابوجہل وغیرہ جلے تن تھے کہ بنی عبدالمطلب کو اگر اس نبوّت کی بدولت عروج حاصل ہوگیا تو ہماری چودھراہٹ جاتی رہے گی۔ حاسدوں کی ایک بہت بڑی جماعت حضرتؐ کی مخالفت پر آمادہ ہوگئی تھی۔ ان کے شر سے بچانے کے لیے یہ سورہ نازل ہوُا۔

---

۱۱۴ سُورَۃُ النَّاسِ مَکِّیَّۃٌ (۲۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِکِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰہِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ٪﴿۶﴾

ع ۶ / ۳۹

اے رسول کہہ دو میں لوگوں کے پروردگار سے جو تمام لوگوں کا بادشاہ ہے تمام لوگوں کا معبُود ہے (شیطانی) وسوسوں کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں جو لوگوں کے دِلوں میں بار بار وسوسہ ڈالتا ہے جنّات میں سے ہو خواہ آدمیوں میں سے۔

شیطانی وسوسہ تمام بُرائیوں کی جڑ ہے جب انسان کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور شیطان اُس کے دِل میں خلفشار پیدا کر کے اُسے نیکی کی طرف سے ہٹا کر بُرائی کی طرف لے جاتا ہے یعنی بُرائی کو اس کی نظر میں اچّھا کر کے دکھاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ بُرائیوں کی طرف بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ ایک شر کو کامیاب بنانے کے لیے اُسے دس بُرائیاں اور کرنی پڑتی ہیں۔ یہ وسوسہ ڈالنے والے شیاطین بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی۔ پہلے شیطان ایک بد آدمی کو اپنے قبضہ میں لیتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے دوسرے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ لہٰذا جب انسان کے دل میں وسوسہ پیدا ہو تو اُسے چاہیئے کہ خُدا سے پناہ مانگے۔

فہرست موضوعات

الف

ب

فہرست موضوعات

الف

ب

جناب سیّد شمیم الح

لاکھوں سینوں کو دین و ایمان
سامان یعنی تفسیر القرآن کی پا
انجام دے کر اپنی حیات ہی میں ا
سینے میں لئے اس دارِ فانی
اللہ اس پہ بارش
اسکے لئے کھلیں ترے
اے ربّ کریم ، مالکِ دو جہا
کی طباعت کے عوض مرحوم کو
اس کو اس کی مغفرت کا ذریعہ بنا
ہو رہی ہیں خلد میں
کھل گیا دروازہ

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ
۲] علامہ مجلسیؒ
۳] علامہ ساظہر حسین
۴] علامہ سید علی نقیؒ
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید جار حسین
۱۲) بیگم و مرزا توحید علی
۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید انعام حسین زیدی
۱۶) سیدہ ہما زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا محمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی
۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم